



# سَوَائِح حضرت مفتی ولی حسن اُونکی

تألیف  
محمد حسین صدیقی  
اُستاذ حدیث جامعہ بنوریہ

زمزم پبلشرز



# سَوَائِح

حضرت مفتی ولی حسن لونگی رحمۃ اللہ علیہ

تالیف  
محمد حسین صدیقی  
استاد حدیث جامعہ بنوریہ

زمزم پبلشرز

# مجلہ حقوق بنی ناسیر محفوظ ہیں

## ضروری گزارش

ایک مسلمان مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر بنی کتب میں مباح لفظی کا تصور نہیں کر سکتا۔ یہاں جو افراط ہوگی ہوں اس کی صحیح و اصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی صحیح پر ہم زور کثیر صرف کرتے ہیں۔

تمام انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی لفظی پر آپ مطلع ہوں تو اس گزارش کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ اس کے اندر ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ اور آپ "تعاونوا علی البیرو الطواری" کے صدق بن جائیں۔

جَوَافِکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی جَوَافِکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی

— نتیجہ —

احکامیہ زمزم پبلشرز

کتاب ۴ — سوانح پیر سید علی بن ابی طالب

چند اشاعت — لکھنؤ

۱۴۴۴ — احکامیہ زمزم پبلشرز

کہو تک —

سودا — احکامیہ زمزم پبلشرز

مطلع — احکامیہ زمزم پبلشرز

بشر — سوانح پیر سید علی بن ابی طالب

شعبہ پیر سید محمد، دارالکرامی

فون: 021-2760374 - 021-2725673

فکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@yahoo.com

ویب سائٹ: http://www.zamzam.org.uk

میلے پیچے پیچے

دارالکرامی، دارالکرامی

قدیمی کتب خانہ، دارالکرامی، دارالکرامی

مدنی راستہ، سید علی بن ابی طالب

کتب خانہ، دارالکرامی

انگریز میں لکھے گئے ہیں

ISLAMIC BOOK CENTRE

115-121 Midland Road, Bolton BL1 3PL

Southax: 01204 389880

AL-FAROOQ INTERNATIONAL

28, Production Road, 1, Leicester

LE5 3J4

Ph: 0533 415 2525/42

# فہرست مضامین

vi.....	نتیجہ فکر	1.
vii.....	تقریر حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر	2.
ix.....	کلمات تشکر حضرت مولانا سجاد حسن	3.
xi.....	تقریر حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری	4.
xli.....	تقریر حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی	5.
xvii.....	تقریر حضرت مولانا مفتی محمد نعیم	6.
1.....	پیش لفظ	7.
4.....	حالات زندگی حضرت مفتی ولی حسن ٹوکی کے اپنے قلم سے	8.
10.....	مفتی اعظم پاکستان اور فقیہ العصر حضرت مفتی ولی حسن ٹوکی	9.
11.....	خاندانی حالات	10.
14.....	تحصیل علوم	11.
15.....	والد ماجد کا انتقال	12.
16.....	شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان کا انتقال	13.
16.....	مولوی عالم اور مولوی فاضل کا امتحان	14.
18.....	اساتذہ	15.
21.....	تحصیل علوم کے بعد	16.

17. نکاح مسنون ..... 21
18. درس و تدریس ..... 22
19. میٹر پولیس ہائی اسکول میں تدریس ..... 22
20. حضرت مفتی صاحب کی دینی عزت ..... 22
21. مدرسہ ادا العلوم میں تدریس ..... 23
22. نانک واڑہ میں تدریس ..... 25
23. مدرسہ عربیہ اسلامیہ بنو ناؤن میں تدریس ..... 27
24. حضرت مفتی صاحب کے علمی جامعیت ..... 31
25. حضرت مفتی صاحب کی فقہ سے غیر معمولی دلچسپی ..... 31
26. علامہ یوسف بنوریؒ کی نظر میں مفتی ولی حسن کی فقاہت ..... 34
27. تاریخی فتویٰ اور حق کا واضح کاف اعلان ..... 41
28. حکومت کے جاری کردہ فتویٰ کا خلاصہ ..... 41
29. وفاقی شرعی عدالت نے مفتی ولی حسن، مولانا اور یس میرٹھی اور ..... 51
30. روزنامہ جنگ کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ خارج کر دیا ..... 51
31. مفتی ولی حسن کا تحریری بیان ..... 53
32. انتظامات ..... 54
33. مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کا قیام اور اس کی رکنیت ..... 55
34. نگران تخصص فی الفقہ الاسلامی ..... 59
35. دارالافتاء کی صدارت ..... 60

36. حضرت مفتی ولی حسن کے فتاویٰ کی خصوصیت..... 61
37. غلطی ہونے پر فوراً رجوع کر لینا..... 62
38. مفتی اعظم پاکستان کا لقب..... 63
39. حضرت مفتی صاحب کا حدیث سے شغف..... 64
40. مفتی ولی حسن کا ترمذی شریف کا درس..... 65
41. بخاری شریف کا درس..... 68
42. حضرت مفتی صاحب کے حلقہٴ درس کی خصوصیت..... 69
43. بیعت و خلافت..... 72
44. حضرت مولانا حماد اللہ ہالوجی سے بیعت..... 73
45. برکتہ العصر قطب العالم حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا سے بیعت اور خلافت... 76
46. مجالس رشد و ہدایت..... 79
47. وسعت مطالعہ..... 79
48. تلامذہ..... 80
49. سادگی حکام سے اجتناب..... 89
50. اخلاق سیرت و عادات..... 89
51. حضرت مفتی صاحب کا تبلیغی کام سے تعلق..... 92
52. مزید چند اکابرین علماء کے ارشادات تبلیغی کام کے بارے میں..... 93
53. فراغت کے بعد دعوت و تبلیغ میں مشغول ہونا چاہیئے..... 94
54. حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی تبلیغ کے بارے میں رائے..... 97

99	55. سراپا شفقت ہی شفقت
102	56. زہد و قناعت اور استغناء نفس
105	57. حضرت مفتی ولی حسنؒ علماء کی نظر میں
108	58. علیہ مبارک
109	59. تصانیف
111	60. حضرت مفتی صاحب کی تصانیف کا مختصر تعارف
111	61. (۱) تذکرہ اولیائے پاک وہند
111	62. (۲) بیدار کی حقیقت
112	63. (۳) فتنہ منکرین حدیث
113	64. (۴) قربانی کے احکام و مسائل
113	65. (۵) عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں
114	66. مفتی صاحب کے چند اہم مضامین
114	67. (۱) سلف کا خوف آخرت
124	68. (۲) روزہ قرآن کریم کی روشنی میں
132	69. تقاریر
132	70. حضرت مفتی ولی حسنؒ کے چند اہم بیانات
138	71. (۱) فتنہ انکار حدیث
209	72. (۲) ساؤتھ افریقہ میں حضرت مفتی صاحب کی ایک اہم تقریر
220	73. (۳) ختم بخاری شریف پر ایک اہم تقریر

74. والدہ محترمہ کے ساتھ حسن سلوک ..... 242
75. آخری ایام ..... 243
76. وفات ..... 244
77. غسل اور تکفین و جھنڈ کا انتظام ..... 244
78. غسل ..... 245
79. نماز جنازہ ..... 245
80. تدفین ..... 246
81. انتقال کے بعد ..... 251
82. پہلا خواب ..... 251
83. دوسرا خواب ..... 252
84. تیسرا خواب ..... 252
85. اولاد ..... 253
86. حضرت مفتی اعظم ولی حسن ٹوکی ایک نظر میں ..... 254
87. منظوم خراج عقیدت ..... 255



# عکس تحریر حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی

ولادت ۱۹۲۳ء اترافٹ الزویچ بندہ ۱۳۶۵ھ خلافت از حضرت شیخ الحدیث مفتی رفیع الرحمن صاحب ۱۳۶۵ھ/۳ فروری ۱۹۹۵ء

مخدوم دیکرم زیت غنائیکم  
اسم علیکم درخشاں در زمانہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، اللہ تعالیٰ آنحضرت کو تادیر  
زندہ و سلامت رکھے، مولوی رشید احمد صاحب آب گاہ  
خدمت اللہ کربن حاضر ہو رہے ہیں، مولانا موصوف  
نے شجاع آباد میں سرسبز بہ نادر قبہ کے نام ایک ادارہ  
کھلایا ہے، جو کامل دیانت، خدمت سے دینی خدمت انجام  
دے رہا ہے، ادارہ کو بچھ مای غزوت ہے، مولانا رشید احمد صاحب  
کا بیان کسی سے قنارت نہیں ہے، خطاب دوا در بر سید ہی  
کسی صاحب خیر کو متوجہ فرمائیں تو نرم دوا بکرا کی خدمت  
ولی حسن ٹونکی غفرلہ، مدد فرمائیے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## نتیجہ فکر

تو بوجہ حال تھا مفتی ولی حسن  
اکابرین کی مثال تھا مفتی ولی حسن  
تیری نظر نے ذروں کو کر دیا تھا تاباں  
وہ تجھ میں کیسا کمال تھا مفتی ولی حسن  
کہاں ملے گا مجھے آپ جیسا فقیرِ عمر  
تو آپ اپنی مثال تھا مفتی ولی حسن  
دیکھے ہیں دنیا نے لاکھوں عظیم لوگ  
تو اعظم الکمال تھا کمال تھا مفتی ولی حسن  
لوگوں کا حال کیا تھا جب چل بے تھے آپ  
زمانے کا وہ وصال تھا مفتی ولی حسن  
لاکھوں تلامذہ ہیں دنیا میں تیرے آج  
تو شیخ باکمال تھا مفتی ولی حسن  
تاریخ دنیا پڑھے گی آپ کی تو یوں  
بزرگ بے مثال تھا مفتی ولی حسن  
تیری مدح میں کیا لکھے گا یہ حسین  
تو کمال ہی کمال تھا مفتی ولی حسن  
(محمد حسین صدیقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## تقریظ

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم  
مہتمم و شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن  
الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اسطیعوا

حضرت اقدس مولانا مفتی ولی حسن خان ٹوکی کی شخصیت حقیقہ اہل علم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کا علم و عمل، فضل و کمال اور قول و فعل جہت و سند کا درجہ رکھتا تھا، آپ کا زہد و تقویٰ اسلاف و اکابر کی یاد تازہ کرتا تھا، آپ کی حق گوئی و بے باکی قرونِ اولیٰ کی یاد دلاتی تھی۔

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری قدس سرہ جیسی دور اندیش اور مہم شناس ہستی انھیں اپنے ادارہ کا مدد فرماتے تھے۔ انھوں نے علمِ فن کے وہ جوہر دکھائے کہ اختلاف و اصاغر ان کی مثال و نظیر قائم کرنے سے عاجز ہیں۔ وہ مرویدِ ان آسمانِ شہرت پر ہوتے ہوئے بھی عزت و گوشہ نشینی کو ترجیح دیتا رہا۔ انھوں نے بھی کسی انداز سے اپنے آپ کو منوانے یا جتنا نے کی ادنیٰ سی سعی و کوشش نہیں کی بلکہ وہ ہر ایسی شکل و کوشش کو منوانے کے درپے رہے۔

ضرورت تھی کہ اس مردِ درویش کی شخصیت، ان کے کارہائے نمایاں، علم و عمل کی گہرائی و گہرائی علمی خدمات، درس و تدریس کی خصوصیات، علمی موشگافیوں اور تحقیقی کاوشوں کے علاوہ ان کی ہمہ جہت خدمات، خاندانی پُل منظر، فقہی مہارت، زہد و تکلف، تقویٰ و طہارت اور باطل کی سرکوبی ایسے کارہائے نمایاں کو آنے والی نسلوں کے سامنے لایا جائے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا محمد حسین صدیقی فاضل جامعہ علوم اسلامیہ کو، جنھوں نے اس سلسلہ کا پہلا پتھر رکھ کر اس سلسلہ کی ابتدا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم کام پر اس کو عظیم بدلہ عطا فرمائے۔

پیش نظر مجموعہ میں حضرت مفتی صاحب کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا اختصار سے احاطہ کیا گیا ہے اور مولانا "الفضل للفقہ" کے تحت مصنف اس سلسلہ کے "السابق للبحر" منظر و قرار پائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول و منظور فرمائے اور کتاب سے ہر خاص و عام کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر دامت برکاتہم (ریس جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، گراہی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## کلمات تشکر

حضرت مولانا سجاد حسن

بن

مفتی اعظم ولی حسن ٹوکی

ہندوستان کی سرزمین بشمول پاکستان پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص کرم اور نظر عنایت رہی ہے کہ اس سرزمین نے ایسے فرزندان کو جنم دیا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی ان ادوار میں خدمت کی جب کم و بیش ساری دنیا فتنوں میں گھری ہوئی تھی اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شاد ولی اللہ اور ان کا خالو ادوہ اور سید احمد شہید کی خدمات قابل ذکر ہیں۔

حضرت سید احمد صاحبؒ نے اسی سرزمین کو اپنا جہادی مستقر قرار دیا تھا۔ اسی سرزمین کے ایک خاندان نے علمی تدریس میں شہرت پائی جن میں مولانا دوست محمد کابلی، مولانا محمود حسنؒ (صاحب معجم المصلین) اور مولانا حیدر حسنؒ قابل ذکر ہیں۔ اسی خاندان کے ایک فرد نے اپنے علمی مقام اور علمی فراست سے عالمگیر شہرت پائی۔ (حضرت مفتی ولی حسنؒ) جس شخصیت کا یہ تذکرہ ہے اس شخصیت کا نام گرامی حضرت مفتی ولی حسن مرحوم ہے ٹوکی آپ کا وطن مالوف تھا لیکن ٹوکی میں آپ کا خاندان مقامی نہ تھا۔ غالباً بشام سے آپ کے خاندان نے ہجرت کی تھی لیکن ٹوکی کا تعلق آپ کے ساتھ ساری زندگی طرور رہا حضرت والد صاحب کم و بیش تیس برس جامعہ العلوم الاسلامیہ میں دینی خدمت میں لگے رہے اور ایک معتبر فقیہ اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے علمی و عوامی حلقوں میں معروف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت کو قبول فرمائے۔ (آمین)

زیر نظر کتاب حضرت والد صاحبؒ کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے جن کو حضرت مولانا محمد حسین صدیقی صاحب (شاگرد حضرت مفتی ولی حسن صاحب) استاذ حدیث جامعہ بنوریہ نے

بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ مکمل کیا۔ مولانا موصوف اس سے پہلے بھی متعدد کتابیں تصنیف فرما چکے ہیں جو عوام اور خواص میں مشہور و معروف ہیں۔ پہلی مرتبہ حضرت والد صاحب کے حالات منظر عام پر آ رہے ہیں امید ہے کہ علماء و طلباء اور عوام اس کتاب کی پذیرائی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور ان کتاب کا مقصد یہی ہے کہ ان ایمان افروز حالات کو پڑھ کر ہمارے اندر بھی اللہ کی محبت اور اعمال صالحہ کی توفیق ملے۔ (آمین)

کتبہ مجاہد حسن

نمبر

حضرت مفتی وحی حسن صاحب لوگنی نور اللہ مرقدہ

۱۸ مہادی ۱۱۰۱ ولی ۱۳۴۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری دامت برکاتہم

خلیفہ

حضرت مولانا شہید الاسلام محمد یوسف لدھیانویؒ

الحمد لله وسلام علی عباده والحمد لله

برادر مکرم جناب مولانا محمد حسین صدیقی زید اللہ فاضل جامعہ علوم اسلامیہ علامہ نوری ٹاؤن و مدرس جامعہ بخاریہ سلامت کراچی، نوجوان عالم دین اور باذوق صاحب قلم ہیں، ان کی متعدد تحقیقات حصہ شہور پر آچکی ہیں اور قول عام کا شرف حاصل کر چکی ہیں۔

بیش نظرتا لیل انھوں نے اپنے استاد اور استاد العلماء حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹوکی قدس سرہ کی ہمہ جہت شخصیت اور ان کے کراماتی کردار پر مرتب کی ہے، جو دراصل شاگرد کی جانب سے استاد کی بارگاہِ علم و فضل میں نذرانہ عقیدت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس نذرانہ عقیدت کو قبول فرمائے۔

بلاشبہ اختلاف کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی شخصیت اور ان کے کارہائے نمایاں سے امت اور آنے والی سلسلوں کو روشناس کرائیں تاکہ امت ان کے نقش قدم سے راہ پائے اور جاوہ حق پر چلنا ان کے لئے آسان ہو۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو مصطفیٰ و ناشر کے حق میں ذریعہ نجات اور نئی نسل کے لئے ذریعہ حیات بنائے۔ آمین۔

سعید احمد جلال پوری

مدیر ماہنامہ ”ذیقات“ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا تنویر الحق تھانوی

ابن

خطیب پاکستان مولانا احتشام الحق تھانوی

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

حضرت مولانا محمد حسین صدیقی دامت برکاتہم العالیہ استاذ حدیث جامعہ بنوریہ سائت علم کی نسبت سے اور قرآن و حدیث کی نسبت سے وہ ہمارے لئے سرکا تاج ہیں اور ہمارے نہ صرف یہ کہ دینی اور اسلامی بھائی ہیں بلکہ علم و دست ساتھی بھی ہیں۔ انھوں نے حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو ان کے استاذ محترم بھی ہیں ان کی سوانح اور ان کے حالات زندگی کو مرتب کیا اور ان کی جب یہ محنت پوری ہو گئی تو منجملہ اکابر اور حضرات علماء کے ان کی نظر انتخاب میرے اوپر بھی پڑی کہ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اور اس کتاب کے حوالہ سے میں کچھ تبصرہ کروں۔ اگرچہ میں اس لائق نہیں ہوں لیکن بہر حال مولانا محمد حسین صدیقی صاحب نے کچھ حسن ظن قائم فرمایا تو میں نے محض اس لئے اس ذمہ داری کو قبول کر لیا۔ بہر حال میں بھی ان خوش نصیبوں میں سے ہوں جنھوں نے حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات بھی کی اور ان سے گفتگو بھی ہوئی۔

جہاں تک اس کتاب کے مطالعہ کا تعلق ہے اس کو بعض مقامات سے دیکھا تو اس میں حضرت مفتی صاحب کے علمی اور فقہی مقام کو بہت زیادہ بہترین انداز میں واضح کیا گیا ہے اور مفتی صاحب کی دیگر اور بھی خوبیاں اور ان کے نظام العمل اور ان کی دیگر باتیں بھی اس میں درج کی گئی ہیں۔ اور بہت ہی دلکش انداز میں مرتب فرمائی۔

میں ایک اونی طالب علم ہونے کی حیثیت سے یہ بات کہوں گا کہ حضرت مفتی ولی حسن

صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسم با مسمی تھے ولی کامل تھے اور جو زمانہ ان کا ہم نے دیکھا علم کے بڑے اونچے مقام پر فائز تھے اور ان کا درجہ بہت بلند تھا جب حضرت کا وصال ہوا تو یہ بات رگی طور پر نہیں جو عام طور پر جو بڑے بڑے علماء کے بارے میں ایک مشترک بیان یا تبصرہ یہ کیا جاتا ہے کہ موت العالم موت العالم۔ کہ عالم کی موت درحقیقت ایک عالم کی موت ہے اور یہ کہ آج جتنے بھی ہمارے علمی مراکز اور ادارے ہیں اور حضرات علماء جو موجود ہیں حضرت مفتی صاحب کے اٹھ جانے سے وہ سب کے سب یتیم ہو گئے اور علمی میدان میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ یہ جملہ رسائیں ہیں بلکہ حقیقت کا ہے۔

نخوذہ الہ یار میں بخاری شریف کے ختم کے موقع پر ایک یاد و مرتبہ مولانا احترام الحق تھانوی جو دارالعلوم نخوذہ والہ یار کے مہتمم ہیں اور یہ بڑے بھائی بھی ہیں انھوں نے مفتی ولی حسن صاحب کو دعوت دی کہ آپ بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دے دیں نخوذہ والہ یار میں تو خیر یہاں سے جب قافلہ روانہ ہوا اور نخوذہ والہ یار کی طرف جا رہے تھے تو قاری محفوظ الحق صاحب جن میں شریعت کے معاملہ میں کچھ بخشتی تھی۔ مطلب یہ کہ ان کے مزاج میں ذرا جلال تھا اور اللہ کے ہاں یہ بھی قابل قبول ہے تو ایک مسئلہ پر بات ہو رہی تھی کہ رویت ہلال کے مسئلہ میں شہادت کا جو نصاب ہے۔ اب اگر کوئی شاہد گواہی دینے کے لئے آئے۔ گواہ کیا ہونا چاہیے۔ مطلب یہ کہ ویسے تو ظاہر ہے شریعت کے مطابق ہوگا۔ اس میں۔ قاری محفوظ صاحب نے فرمایا کہ یہ جو داڑھی مونڈھے آدی گواہی دیتے ہیں چاند دیکھنے کی ان کی گواہی تو معتبر نہیں ہے اس لئے کہ وہ فاسق ہیں تو مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں یہ فق اگرچہ ہے لیکن اس کا اثر گواہی پر نہیں پڑے گا اس لئے کہ جب ایک عام اتھارہ ہے اور بہت سے لوگ اس کے اندر جھکے ہیں۔ تو اب اس زمانہ میں متشرع اور وادھی والے کی تلاش کرنا گویا اس میں حرج اور گنجی پیدا کرنا ہے لہذا اگر وہ شخص نمازی ہے اس کے بارے میں شہرت اچھی ہے لیکن شخص اس بنیاد پر شہادت نہیں روکی جائے گی کہ اس کی وادھی نہیں ہے۔



حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حکماً اور سیرۃً ایک بہت اونچے مقام پر رکھا تھا ہم جب بھی حضرت مفتی صاحب کے چہرہ کو دیکھتے تو ایمان تازہ ہو جاتا ہر انحراف چہرہ پر نور، گوری رنگت، اور اللہ تعالیٰ نے حسن بھی ملایا تھا۔

حضرت مفتی صاحب پان کے بہت شوقین تھے اور پان بھی یہ نہیں طلباء سے منگوایا۔ وہیں بنوری ناؤن کے قریب ایک دکان والا تھا اور وہاں خود تشریف لے جاتے تھے پان لیا اور اپنے گھر چلے گئے بہر حال اللہ تعالیٰ نے بڑا کام لیا مفتی صاحب سے۔

حضرت مفتی صاحب کے اندر یہ صلاحیت تھی کہ انھوں نے دین کو پوری طرح سمجھا اور لوگوں کے سامنے پیش کیا نہ ان کے مزاج میں تشدد تھا اور حضرت مفتی صاحب کے علمی کمالات کے متعلق میں کیا تحریر کروں وہ تو حضرت مولانا محمد حسین صدیقی صاحب نے ماشاء اللہ کافی باتیں جمع کی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ جو باتیں مفتی صاحب کے متعلق جو باتیں جمع کی گئی ہیں اس کو پڑھنے سے لوگوں کو بہت فائدہ ہوگا اور بہت سے علمی نکات بھی حل ہوں گے اور علمی الجھنیں بھی دور ہوں گی۔ نیز علماء اور طلباء کے لئے یہ کتاب بڑی نافع رہے گی۔

میری دعا رہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قیامت تک کے لئے نافع اور سودمند بنائے اس کے ذریعے سے علماء اور طلباء کو دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جہاں مفتی صاحب کے مزاج میں فقیری تھی اور بے تکلفی، نرمی، شفقت، ملامت، علمی فقہت، بھی تھی۔ اور دینی حمیت کا عملی مشاہدہ اس وقت دیکھنے میں آیا کہ جب ایک مسئلہ پر عدالت نے ان کو بلوایا اور یہ کہا کہ آپ پر تو جین عدالت کا جرم ثابت ہوا ہے۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ آپ آئیے اور عدالت میں آکر معافی مانگتے۔ مفتی صاحب نے بیچ کے سامنے کھڑے ہو کر پیریم کورٹ اسلام آباد میں جب کہ بہت سے لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ مفتی صاحب کیوں آگئے یہاں آنا نہیں چاہیے تھا معافی مانگنے کے لئے دوسری طرف اور بیچ بھی یہ سمجھ رہا ہے کہ ”کو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا۔ کہ یہ برے سیدھے سادھے انداز میں آگئے لیکن جب مفتی

صاحب نے زبان کھولی اور گویا ہوئے تو فرمایا کہ مجھے اس لئے بڑایا ہے کہ میں توہینِ عدالت کا مرتکب ہوں لہذا میں معافی مانگوں لیکن میں دیوبندی ہوں اور میرا تعلق اکابرِ علماء دیوبند سے ہے۔ اور اکابرِ علماء دیوبند کبھی بک سکتے ہیں نہ کبھی جھک سکتے ہیں لہذا میں کوئی معافی نہیں مانگوں گا۔ اور وہاں پر موجود تمام طلباء و علماء میں روج پھونک گئی اور غرہ لگائے۔ اور کہیں سے مفتی صاحب کا ایک اور وصف شجاعت نہا سننے آتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے وہیں سے ان کو مفتی اعظم کا لقب عطا فرمایا۔ اور واقعاً آپ مفتی اعظم تھے اور اس کا صحیح مصداق واقع ہوئے۔

اب مفتی صاحب ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں اب ان کے تلامذہ اور شاگرد ہیں ہم سب کو چاہیے کہ ہم مفتی صاحب اور تمام اپنے اکابرین کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کریں اور انھیں اپنی زندگیوں میں شامل کرنے کی کوشش کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اکابرین مختلف رنگوں کے تھے رنگ ہوئے دیگر است، گویا ہر پھول کا رنگ بھی الگ ہے اور خوشبو بھی مگر یہ سب کے سب ہمارے سر کے تاج ہیں۔

واخرو دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

فقہ

(حضرت مولانا) تنویر الحق تھانوی

(دامت برکاتہم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تقریظ

حضرت مولانا مفتی محمد نعیم  
مہتمم جامعہ بنوریہ عالمیہ

الحمد لله الذي جعلك لنا خليفاً عن الإمام ولكن لا يذهب عني حسرت  
الإمام

یا حب آتا ہے رہتا ساتھ کا

زہر ہو جاتا ہے لہر ہاتھ کا

حضرت مولانا محمد حسین صدیقی صاحب اساتذہ جامعہ بنوریہ عالمیہ کراچی کتب کثیرہ کے مصنف اور جامعہ بنوریہ دارالتصنیف کے اساتذہ و اول میں سے ہیں ماشاء اللہ دعوت و تبلیغ میں عمر و دارالہ سے بڑے ہوئے ہیں گونا گوں مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف میں بھی عرق و بڑی کے ساتھ مصروف عمل ہیں "سوانح حضرت مفتی ولی حسن نوگنی" کے نام سے کتاب کی اشاعت ان کے ذوق تصنیف کی عکاسی ہے۔ حضرت مفتی ولی حسن نوگنی صرف مفتی اعظم پاکستان ہی نہیں بلکہ محدث اعظم بھی تھے۔ اس وقت پاکستان کے اکثر مدارس میں ان کے شاگرد ہی حدیث کا درس دے رہے ہیں۔ یہ حضرت مفتی ولی حسن نوگنی کی قبولیت علم کی واضح نشانی ہے۔ باقی تفصیلی حالات آپ کو کتاب کے پڑھنے ہی سے آگاہی ہوگی جن کو مولانا محمد حسین صدیقی صاحب نے اس کتاب میں شامل اشاعت کئے ہیں۔

بزرگوں کے حالات سے آگاہی یقیناً ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے اور ان کے حالات سے اچھی راہ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے اللہ تعالیٰ مولانا محمد حسین صدیقی صاحب کی زندگی میں برکت عطا فرمائے کہ انہوں نے حضرت مفتی ولی حسن نوگنی کے مختصر حالات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کتاب میں پیش کیا جس کا مطالعہ ہر اہل علم اور اہل تصانیف کے لئے نافع کا باعث ہے

میری علماء کرام اور طلباء کرام سے استدعا ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں انشاء اللہ حضرت مفتی  
ولی حسن لوہکی کے حالات کی آگاہی سے بہت زیادہ فائدہ ہوگا اور اپنی زندگی کو ان کے نمونہ پر  
گزارنا آسان ہو جائے گا۔

فقط

(مولانا مفتی محمد نعیم)

شیخ الحدیث و مستمہامہ و مدرسہ اسلامیہ

# حق گوئی



ہم کہتے تھے کہ حالی چپ رہو  
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

## پیش لفظ

چراغ علم بجھا ہے یقین نہیں آتا

یہ سانحہ بھی ہو اب یقین نہیں آتا

شیخ الحدیث مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی حسن ٹوکی علماء حق کے کہکشاں میں کوکب تاباں کی حیثیت رکھتے ہیں شانگی اور سنجیدگی ان کا طرہ امتیاز تھا۔ سراپا وقار تھے علم و بردباری اور درگزر ان کی شان تھی حضرت مفتی اعظم جامع الکملات اور جامع الصفات شخصیت تھے وہ بیک وقت مفسر اعظم بھی تھے، مفتی اعظم بھی اور محدث اعظم بھی معلم بھی، صوفی بھی محقق و مؤرخ اور خطیب بھی تھے۔

ان سب سے بڑھ کر تقویٰ طہارت و محبت کا اعلیٰ نمونہ تھے فرض یہ کہ حضرت مفتی صاحب کے اوصاف حسنہ و اخلاق جمیلہ کا احصار مجموعہ کے جو بھی دین کے کام کرنے والے ہیں ان سب کے لئے ان حالات سے تقویت حاصل ہوتی رہے گی جیسے کہ علامہ ابن جوزیؒ اپنی کتاب صید الخاطر میں طلبہ و علماء کو مشورہ دیتے ہیں۔

”میں نے دیکھا کہ فقہ اور سماع حدیث میں اشتہاک و مشغولیت دل میں صلاحیت پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں اس کی تدبیر یہی ہے کہ اس کے ساتھ مؤثر واقعات اور سلف صالحین کے حالات کا مطالعہ بھی شامل کیا جائے۔ حرام و حلال کا خالی علم دل میں رقت پیدا کرنے کے لئے کچھ زیادہ سودمند نہیں دلوں میں رقت پیدا ہوتی ہے احادیث و حکایات سے اور سلف صالحین کے حالات سے اس لئے کو ان نقول و روایات کا جو

مقصود ہے وہ ان کو حاصل تھا احکام پر ان کا عمل شکلی اور ظاہری نہ تھا بلکہ ان کو ان کا اصلی ذوق اور لب لباب حاصل تھا جو میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ عملی تجربہ اور خود آزمائش کرنے کے بعد ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ عموماً محدثین طلبہ فن حدیث کی ساری توجہ اونچی مسند حدیث اور کثرت روایات کی طرف ہوتی ہے۔ اسی طرح عام فقہاء کی تمام تر توجہ جذبات اور حریف کو زیر کرنے والے علم کی طرف ہوتی ہے کیا ان چیزوں کے ساتھ دل میں کیا گداز اور رقت پیدا ہو سکتی ہے؟ سلف کی ایک جماعت کسی نیک اور بزرگ شخص سے محض اس کے طور طریقہ کو دیکھنے کے لئے ملنے جاتی تھی۔ علم کے استفادہ کے لئے نہیں۔ اس لئے کہ یہ طور طریقہ اس کے علم کا اصل پھل تھا۔ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو۔ فقہ و حدیث کی تحصیل میں سلف صالحین اور زہاد امت کی سیرت کا مطالعہ ضرور شامل کرو تاکہ اس سے ہمارے دل میں رقت پیدا ہو جائے۔“ (۱)

بہر حال حضرت مفتی اعظم کے بارے میں یہ چند بے ترتیب اور اوراق جو بندہ نے سیاہ کئے ہیں اس کو حضرت مفتی صاحب کی حتمی سوانح عمری یا حیات ولی حسن نہ سمجھا جائے بلکہ حضرت کے سوانح کے لئے بہترین تالیف کا مختصر رہا جائے کہ جس طرح حضرت مفتی صاحب کی شخصیت جامع تھی ایسا ہی کوئی مرد کامل حضرت مفتی صاحب کے سوانح پر قلم اٹھائے اور ایک ایک وصف کو مکمل بیان کرے۔

آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ جل شانہ حضرت مفتی صاحب کے احوال سے عامہ

مسلمین کے ساتھ ساتھ طالبان علوم نبوت کے لئے رہنمائی کا سامان مہیا فرما دے اور بندے کی اس حقیر کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور نیک بندوں میں شامل فرمائے اور اس آیت کا مصداق بنا دے۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ وَاصْبِرِي مَرَضِيهِ فَأَدْخِلْنِي  
فِي عِبَادِي وَأَدْخِلْنِي جَنَّتِي.  
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِهَا وَخَيْرِ مَا اَلْقَتْ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ  
هَا وَشَرِّ مَا اَلْقَتْ لَهٗ.

فقط

محمد حسین صدیقی

استاذ حدیث جامعہ بنوریہ

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

بمطابق ۲۳ نومبر ۲۰۰۳ء



نوٹ: برکت کے لئے ابتداء حضرت مفتی ولی حسن ٹوکی کے حالات کی ان ہی کی خودنوشت سے کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے بعد تفصیلی حالات تحریر کئے گئے ہیں۔

برطانیہ میں مقیم حضرت شیخ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد یوسف متالا دامت برکاتہم نے ارادہ کیا کہ حضرت شیخ کے خلفاء کرام کے حالات زندگی جمع کریں انھوں نے ایک سوالنامہ لکھ کر تمام حضرات کو بھیجوا یا اور جواب لکھنے کی درخواست کی ہمارے شیخ حضرت مفتی ولی حسن صاحب کو بھی یہ سوالنامہ بھیجا گیا آپ نے اس کا مختصر جواب نہایت سادگی کے ساتھ تحریر فرمایا اور یوں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے ایک غیور اور پر نور ولی کے حالات زندگی بیان فرمائے البتہ اس کے عنوانات اور سرخیال مرتبین حضرات نے اپنے سوالات کی روشنی میں تحریر کی ہیں اور مضمون میں جہاں بھی ”حضرت شیخ“ کا لفظ ہے تو اس سے مراد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ہیں!

**حالات زندگی حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب**  
**ٹوکی نور اللہ مرقدہ کے اپنے قلم سے**

اسم گرامی: ولی حسن ٹوکی۔

پیدائش: 1944ء ہجری یاد نہیں۔

تعلیم و تربیت: راقم کا خاندان علماء کا خاندان تھا۔ مولانا محمود حسن خان، مولانا حیدر حسن خان میرے والد مفتی انوار الحسن خان کے چچا تھے۔ اول الذکر مجسم المصنفین کے مصنف اور ثانی الذکر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔ ندوۃ

کے بہت سے قابل الذکر حضرات مولانا حیدر حسن خان کے شاگرد تھے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ”پرانے چراغ“ میں ان کا طویل تذکرہ کیا ہے میرے والد مفتی انوار الحسن اور ان کے والد مفتی محمد حسن خان عدالت شرعیہ ٹونک میں مفتی تھے بلکہ مفتی محمد حسن خان، مولانا محمود حسن اور مولانا حیدر حسن خان کے استاد تھے۔ راقم نے ابتدائی کتب فارسی وغیرہ اسی طرح چھوٹی کتب عربی اپنے والد سے پڑھی تھیں، میرے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب میری عمر گیارہ سال تھی۔ ان کے انتقال کے بعد مولانا حیدر حسن خان رمضان المبارک کی تعطیلات میں ٹونک آئے اور تعزیت کے لئے میرے گھر آئے اور میری دادی صاحبہ سے (جو مولانا دوست محمد کالمی کی بیٹی تھیں مولانا دوست محمد بڑے عالم اور فاضل تھے۔ زمرہ الخواطر نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عالم علی صاحب سے انہوں نے حدیث پڑھی تھی) سے تعزیت کی اور مجھے دارالعلوم ندوۃ میں لے جانے کی خواہش ظاہر کی میری دادی نے بخوشی اجازت دے دی چنانچہ میں دارالعلوم ندوۃ لکھنؤ چلا گیا اور چار سال رہ کر ندوۃ کا چار درجہ تک نصاب پڑھا اس درمیان میں مولانا حیدر حسن خان سے خارج میں الفیہ ابن مالک کا کچھ حصہ اور منطق کے ایک دور سالے پڑھے جب مولانا حیدر حسن خان نماز ظہر سے پہلے تفصیلی وضو فرماتے تھے پھر مولانا حیدر حسن خان ٹونک تشریف لے آئے ندوۃ کے بعض اساتذہ نے میرے وہیں رہنے کی سفارش کی لیکن مولانا نے یہ کہہ کر کہ اسے پرانے طرز کا عالم بنانا ہے سفارش قبول نہ کی چنانچہ میں بھی ٹونک آ گیا اور مولانا سے بے ترتیب کتابیں پڑھتا رہا، حماسہ بھی مولانا سے پڑھا، ملا حسن، فلسفہ کا ایک آدھ رسالہ پڑھا یہاں تک کہ مولانا کا ٹونک بمرض فالج انتقال ہو گیا۔ پھر عدالت شرعیہ

ٹوئیک میں کئی سال تک ملازمت کر لی اس عرصہ میں مولوی الہ آباد، مولوی عالم پنجاب اور مولوی فاضل پنجاب کے امتحانات دیئے دورہ حدیث اور کتابیں پڑھنے کا شوق تھا آخر کار ملازمت چھوڑ کر رخت سفر باندھا اور مولانا حیدر حسن خان ”مظاہر علوم“ کی تعریف کرتے تھے اس لئے مظاہر علوم چلا گیا، حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ العزیز اس زمانہ میں جوان تھے ان کی زیارت ہوئی حضرت شیخ کو بخاری شریف کا پارہ لئے ہوئے اور تلاوت قرآن کرتے ہوئے راستہ میں چلتے ہوئے کئی بار دیکھا۔ دارالعلوم دیوبند چلا گیا، موقوف علیہ اور دورہ حدیث دارالعلوم دیوبند میں کیا حضرت مدنی قدس سرہ العزیز سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی پڑھی، ٹوئیک کے ایک ضلع ”چھبڑہ گوگور“ میں مفتی اور قاضی ہو گیا، عدالت شریعہ کو 16 قسم کے مقدمات کو فیصلہ کرنے کا حق تھا تا آنکہ ملک تقسیم ہو گیا۔ ہندو راج قائم ہو گیا، میرے خلاف ایک مقدمہ درج کر لیا گیا بڑی طویل داستان ہے ترک کرنا ناگزیر ہے۔

مدرسہ و افتاء: پاکستان آنے کے بعد دارالعلوم الاسلامیہ جس کا سابق نام مدرسہ عربیہ اسلامیہ تھا آ گیا، یہاں مختلف کتابیں پڑھائیں اب صحیح بخاری جامع ترمذی باوجود نالافتی کے پڑھا رہا ہوں اور افتاء کا بھی کچھ کام لیتا ہوں التخصص فی الفتۃ الاسلامی کا بھی شرف ہوں۔

فتنہ انکار حدیث: فتنہ انکار حدیث کو سب سے بڑا فتنہ سمجھتا ہوں اور کچھ رسالے بھی اس سلسلہ میں تصنیف کئے جو چھپ چکے ہیں۔ عائلی قوانین کے خلاف بڑا مبسوط تبصرہ لکھا جو عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں ان شاء اللہ شائع ہوتا والا ہے۔

بیعت: حضرت مولانا حامد اللہ ہالچوی سے پہلے بیعت ہوا کئی مرتبہ حضرت کی خدمت

میں حاضر بھی ہوا، یہاں تک کہ حضرت کا انتقال ہو گیا، حضرت شیخ الحدیث قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت کا اشتیاق تھا کیونکہ میں حضرت کو دارالعلوم دیوبند اور ”مظاہر علوم“ کے اکابر کی نسبتوں کا مجموعہ سمجھتا تھا اس لئے کئی مسجد میں جبکہ حضرت شیخ الحدیث تشریف لائے تھے بیعت کی درخواست کی بیعت تو کر لیا لیکن ڈانٹ بھی پڑی کہ علیحدہ کیوں بیعت ہو رہے ہو پورے مجمع کے ساتھ بیعت کیوں نہیں ہوئے، تسبیحات پڑھنے کو بتائیں اور فرمایا کہ مجھے بھی حضرت مولانا غلیل احمدؒ نے تعلیم و تدریس میں مشغولیت کی بنا پر یہی ذکر تلقین فرمایا تھا اور پھر حضرت جب افریقہ تشریف لے گئے اور اسٹینگر میں احکام فرمایا تو بندہ بھی حاضر ہوا، پہلے تو حضرت نے اعتکاف کی حالت میں غالباً ایک صاحب کو مقرر فرمایا کہ میرے متعلق معلومات رکھیں، یعنی میں زیادہ باتیں تو نہیں کرتا وغیرہ، وغیرہ ایک روز غالباً عشرہ اخیرہ میں حضرت نے یاد فرمایا اور اس سے پہلے فرما چکے تھے کہ تم بلا کھٹکے میرے پاس آ سکتے ہو لیکن میں ڈر کی وجہ سے جرأت نہیں کرتا تھا۔

اجازت و خلافت: عشرہ اخیرہ میں حضرت نے یاد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ میں تم کو اجازت دیتا ہوں جیسے مجھے بڑوں نے اجازت دی ہے۔ راقم نے عرض کیا کہ میں تو بالکل نااہل ہوں، فرمایا ایسے ہی نااہل اہل ہوں گے جن کو کما قال لیکن میں نے اس سے خود کو اہل نہیں سمجھا بلکہ نااہل سمجھنے لگا اور حضرت کے لوگوں میں سب سے زیادہ گندہ، نجس نااہل سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ قبر، آخرت میں لاج رکھ لے اور شرمندگی نہ ہو۔

خط و کتابت: بیعت اور اجازت سے پہلے حضرت سے کچھ خط و کتابت ہوئی تھی اور معمولی طالب علمانہ اشکالات بھی کئے تھے اب وہ یاد بھی نہیں آرہے البتہ حضرت

صوفی محمد اقبال زید امجد ہم نے ایک بار فرمایا کہ حضرت تمہارے خط مجھے دے دیئے تھے ایک والا نامہ میں حضرت نے ڈانٹ بھی لگائی تھی میں نے جب اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کی اطلاع دی اور تحریر میں ہجری تاریخ کی بجائے انگریزی تاریخ تحریر کی تو حضرت نے ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔

حضرت قدس سرہ کا آخری ذوق و خواہش: حضرت رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ کا جو آخری حال جس کی کچھ جھلکیاں راقم نے افریقہ کے سفر میں دیکھیں تو یہ محسوس کیا کہ حضرت کو ذکر سے بہت شغف تھا جس طرح حضرت گنگوہیؒ نے تدریس، طبابت تصنیف و تالیف سب مراحل طے کرنے کے بعد ذکر پر بہت زور دینے لگے تھے، اسی طرح ہمارے حضرت کا آخری حال ذکر تھا حضرت چاہتے تھے کہ ذکر کی نئی خانقاہیں آباد ہو جائیں کیونکہ پچھلی خانقاہیں ختم ہو چکی ہیں اور اس کی وجہ میری ناقص اور جاہلانہ رائے میں یہ ہے کہ آج کل قیامت کا دور ہے، دجال کا دور ہے اب صرف ذکر جو روح عالم ہے کی وجہ سے نجات ہو سکتی اور اب صرف دل والا اسلام ہی چلے گا، دماغ والا اسلام نہیں چلے گا۔

تربیت کے چند واقعات: تربیت کے سلسلہ میں حضرت کے کئی فرمودات پہلے یاد تھے اب کچھ یاد نہیں ہے ایک بات یاد آ رہی ہے ایک بار میں نے عرض کیا کہ ذکر چھوٹ گیا ہے اور درمیان میں کافی عرصہ گزر گیا حضرت نے تحریر فرمایا جب اس طرح ذکر چھوٹ جایا کرے تو غسل کر کے عطر وغیرہ لگا کر دو رکعت توبہ کی نیت سے پڑھ پھر ذکر شروع کر دو وساوس کی شکایت تحریر کی تو فرمایا اس کا علاج بھی کثرت ذکر ہے اور وساوس کا علاج اس کی طرف توجہ نہ کرنا ہے۔

خلافت و اجازت کے موقعہ پر مختلف مطالع کے رمضان اور عید کے متعلق مسئلہ دریافت فرمایا تھا اور پھر اس کی توثیق فرمادی تھی۔ حضرت کی اجازت سے پہلے بندہ تقریباً گولگا تھا تقریر وغیرہ نہیں کراتھا اسمتکر میں قیام کے موقع پر ایک جمعہ کو دریافت فرمایا کہ تقریر کر سکتے ہو احقر نے انکار کیا لیکن حضرت کے فیض سے ٹوٹی ہوئی زبان جلنے لگی اور تقریر کرنے لگا۔

تبلیغ کے کام کی اہمیت: تبلیغ کے سلسلہ میں حضرت کی ہدایت یاد ہے اور اسی پر کار بند ہوں کہ اگر موقعہ ہو تو تبلیغ میں حصہ لو اگر موقع نہ ہو تو نصرت کرو یہ بھی نہیں کر سکتے ہو تو تبلیغ کے متعلق اچھا خیال رکھو اور مخالفت قطعاً نہ کرو۔

متفرقات: حضرت سے تعلق کے بعد یہ خیال راسخ ہو گیا کہ پرانا درس نظامی کا نصاب (کیونکہ اس کی کتابیں مخدوم ہیں) ہی کامیابی کا ضامن ہے جدید نصاب سے ذہن بالکل یکسو ہو گیا ہے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ انکار حدیث کے فتنے کے خلاف کام کرنے کا ایک بار حکم فرمایا تھا وہ بھی قلب میں راسخ ہو گیا ہے۔ حضرت کا حدیث نبوی ﷺ سے اشتغال اور اس پر عمل اور چھوٹی چھوٹی سنت پر عمل پیرا ہونا یہ یاد رہا گیا و بس۔

نقطہ

ولی حسن ٹونگی

# مفتی اعظم پاکستان اور فقیہ العصر حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ

نام: ولی حسن خان۔ لقب: مفتی اعظم پاکستان اور فقیہ العصر۔  
والد کا نام: مولانا مفتی انوار الحسن خان۔  
ولادت: ۱۹۲۳ء بمقام ٹونک<sup>(۱)</sup> (انڈیا)

## نسب نامہ:

آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے، مفتی ولی حسن ابن مولانا مفتی انوار الحسن خان<sup>(۲)</sup>

(۱) ٹونک ہندوستان راجستھان میں ایک ریاست تھی جس کے بانی امیر الدولہ امیر الملک نواب محمد امیر خان بہادر شمشیر جنگ تھے جنہوں نے ۱۷۶۷ء سے ۱۸۳۳ء تک حکومت کی اور اس ریاست کے آخری حکمران عزیز الدولہ وزیر الملک نواب محمد اسطیغ علی خان تھے جنہوں نے ۱۹۲۸ء سے ۱۹۷۳ء تک حکومت کی اس کے بعد یکم مئی ۱۹۴۸ء میں یہ ریاست ختم ہوئی اور جب گیارہ ریاستوں پر مشتمل راجستھان یونین وجود میں آیا تو جملہ ان گیارہ ریاستوں کے ایک ریاست اس میں ٹونک بھی تھی۔ پھر ٹونک کو ایک ضلع کی حیثیت دے دی گئی۔

## (۲) مفتی انوار الحسن خان کے مختصر حالات

والد کا نام مفتی محمد حسن تھا۔ اپنی ریاست ٹونک کے مفتی تھے۔ مفتی ولی حسن نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے ہی حاصل کی تھی۔ چودھویں صدی کے دوسرے عشرہ میں ٹونک میں پیدا ہوئے اور ٹونک میں ہی تعلیم حاصل کی۔ ۱۲ مئی ۱۹۱۱ء کو عدالت شریعت ٹونک میں مفتی کے عہدے پر فائز ہوئے اور آخر عمر تک اس عہدے پر رہے۔ ہجری کے چھٹے عشرہ میں ٹونک میں ہی انتقال ہوا۔

(تذکرہ علماء ٹونک مصنفہ مولانا محمد عمران خان)

ابن مولانا مفتی محمد حسن خان<sup>(۱)</sup>، ابن مولانا مفتی احمد حسن خان۔ آپ ٹونک کے علاقے کے اصل رہنے والے نہیں تھے۔ جبکہ بنام ضلع ہزارہ صوبہ سرحد کے رہنے والے تھے اور آپ کا تعلق یوسف زئی قبیلہ سے تھا آپ کے پردادا محمد حسن خان نے پہلے بجنوری ہجرت کی اور پھر موٹنگ کے نواب وزیر الدولہ نجیب آباد کسی کام سے وہاں گئے تو آپ کے پردادا محمد حسن خان کے علم و معرفت سے متاثر ہو کر ٹونک آنے کی دعوت کی جس کو انھوں نے قبول فرمالیا اور پھر ٹونک کی طرف ہجرت فرما گئے۔ پھر ٹونک میں آپ کے خاندان کی علمی خدمات کی بناء پر ہمیشہ مفتی ٹونک کا عہدہ آپ کے خاندان کے پاس ہی رہا۔

### خاندانی حالات:

آپ کے والد۔ دادا، پردادا سب ہی اپنے دور کے نامور علماء مفتی اور عدالت شرعیہ ٹونک کے قاضی تھے۔ آپ کے اندر بھی ان سب کے پاکیزہ آثار پائے جاتے تھے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا آپ تو ان سب کے وارث تھے۔ بقول شاعر۔

### (۲) مفتی محمد حسن خان ٹونکی

یہ آپ کے دادا تھے۔ مفتی محمد حسن مولانا محمود حسن خان صاحب عجم المصنفین کے بڑے بھائی تھے۔ تیرھویں صدی ہجری کے آٹھویں عشرہ میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔ بہت سے علماء سے علم حاصل کیا جن میں شیخ حسین عرب بھی تھے۔

آپ ابتداء پر گند نیا میرہ میں عدالت شرعیہ کے مفتی مقرر ہوئے اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر عدالت شریعت صدر ٹونک میں تشریف لائے۔

۱۳۳۳ھ میں ٹونک میں ہی آپ کا انتقال ہوا۔

(تذکرہ علماء ٹونک مصنفہ مولانا محمد عمران خان)



باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو  
پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

آپ کا تمام خاندان علم کا آفتاب و مہتاب تھا مگر خاص کر آپ کے خاندان کے دو نامور عالم، اول مولانا محمد حسن خان ٹوکی اور دوسرے مصنف مجسم مصنفین حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹوکی (یہ حضرت مفتی صاحب کے والد کے چچا تھے) <sup>(۱)</sup>۔ ان لوگوں کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

(۲) مولانا حیدر حسن خان ٹوکی کے مختصر حالات

ولادت: مولانا حیدر حسن خان کی ولادت ریاست ٹوکی راجپوتانہ میں ۱۲۸۸ھ بمطابق ۱۸۷۲ء میں ہوئی۔ والد کا نام احمد حسن خان تھا۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی مفتی محمود حسن خان اور دوسرے بھائی (مصنف مجسم المصنفین) مولانا محمود حسن خان اور مولانا محمد حسن خان اور مولانا عبدالکریم صاحب سے پائی اور پھر ٹوکی سے لاہور کا سفر کیا۔ وہاں پر اس زمانہ میں مولانا غلام احمد صاحب نعمانی جیسے جید عالم سے اپنے علم کی بنیاد بھائی تمام ہی اساتذہ کی خوب خدمت کی اور تمام علوم عقلیہ، ریاضیہ نیز علم منطق فلسفہ اور فلکیات میں خوب مہارت حاصل کی ان علوم کے حاصل کرنے کے بعد جب مولانا حیدر حسن خان لاہور سے واپس ٹوکی آئے لگے تو ان کے استاد مولانا غلام احمد نے آخری نصیحت کے طور سے فرمایا کہ مولوی! میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں تم حدیث سے اشتغال رکھنا اور اس کے ذوق کو تمام ذوق پر غالب کرنے کی کوشش کرنا۔

اسی کا یہ اثر ہوا کہ پھر پوری زندگی اسی میں صرف کر دی۔ اور پھر مولانا سبیل بھائی شیخ حسین ابن محسن انصاری سے صحاح ستہ کا درس لیا اور سند حاصل کی اور مولانا سید نذیر حسین دہلوی کے درس حدیث میں بھی شرکت کی۔

بیعت و خلافت: جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو اس زمانہ میں مکہ میں شیخ العرب والدعیم حضرت حاجی ابراہیم علیہ الرحمہ جرجی زندہ تھے ان سے بیعت ہوئے اور پھر حاجی صاحب نے ان کو خلافت بھی مرحمت فرمائی۔

تدریس و خدمتِ علم: تحصیلِ علم کے بعد ٹوٹ آ گئے اور ٹوٹ کو ہی اپنے درس و تدریس کا مرکز بنایا اور جب ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شیخ محمد عرب استاد حدیث نے استعفیٰ دے دیا تو پھر تمام لوگوں کی نظر شیخ حدیث کے لئے مولانا حیدر حسن خان کی طرف مچی اور ان کو شیخ الحدیث کا عہدہ قبول کرنے پر اصرار کیا گیا۔ مگر اس عہدے کو مولانا حیدر خان نے قبول نہیں فرمایا۔ اس کی وجہ بعض مسائل تھے اس میں ان کے صاحبزادے عبدالرحیم خان کا انتقال بھی ہے اس کے چند ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ اگست ۱۹۲۱ء میں مولانا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تشریف لے آئے اور پھر ۱۳۵۱ھ سے ۱۳۵۸ھ تک مدرسہ کی نظامت بھی سنبھالی جب کہ انہیں مدرسہ اکڑ عبدالحی صاحب ٹوٹ چلے گئے تھے۔

علمی اشغال: اس سلسلہ میں ملی میاں فرماتے ہیں، مولانا کو پڑھنے پڑھانے کے سوا دنیا میں کسی کام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ سیاست کے کوچے سے تو بالکل نااہل بلکہ متوحش تھے۔ اخبارات و رسائل کا ان کے یہاں گزر نہ تھا۔ کوئی طالب علم کوئی بات سنا دے تو سن لیتے۔ مدرسین کا جلسوں میں جانا اور تقریر کرنا ان کو بہت پسند تھا۔

وہ سب کشتیاں جلا کر علم کے آستانہ پر آ کر پڑ گئے تھے کسی مسئلہ میں دلیل کا معلوم ہو جانا دنیا کی ہر لذت و نعمت سے بڑھ کر تھی۔ کوئی قلمی کتاب مل جائے یا حتمہ میں سے کسی کی نئی کتاب چھپ کر آ جائے تو پھر ان کے سرور اور محویت کا لہکا نہ تھا۔

طرز تدریس: صبح ہی سے مولانا کا درس شروع ہو جاتا۔ مراجع، رجال، اصول حدیث اور دوسرے فتون کی کتابیں کمرے میں ہی ہوتیں۔ طلباء کو حکم فرماتے کہ فلاں کتاب لاؤ فلاں جگہ سے کھولو اور پڑھو۔ ایک حدیث یا ایک مسئلہ کے لئے دس دس کتابیں کھل جاتیں۔ سوال کرنے والے طلباء سے بڑی محبت فرماتے۔ درس حدیث کا انداز محدثانہ تھا۔ شیخ حسین کے درس کا ٹکس تھا۔ یعنی علماء سے بہت تعلق اور ان کی کتابوں سے خوب استفادہ فرماتے۔

حتمہ میں کی کتابوں کے حوالہ دیتے جس میں امام طحاوی، علامہ طبری، ابن اثیر، ابن ہمام شامل ہیں۔ درود شریف کی کثرت کی برکت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت بار بار نصیب ہوئی خود فرماتے کہ کبھی کبھی کسی اختلافی مسئلہ میں بڑا استغراق ہوتا ہے تو خواب میں اس کے بارے میں رہنمائی یا

## تحصیل علوم:

فقیرہ العصر حضرت مفتی ولی حسنؒ کے آغاز زندگی ہی سے وہ آثار نمایاں تھے جو ان کے علم و فضل کا پتہ دے رہے تھے ذہانت، ذکاوت، قوت فکر، قدرت نے آپ کو غیر معمولی عطا فرمایا تھا۔

چنانچہ آپ نے کم عمری ہی میں ابتدائی کتابیں اپنے والد ماجد مفتی انوار الحسن خان سے پڑھ لی۔

## والد ماجد کا انتقال:

ابھی آپ گیارہ سال کی عمر کے ہی تھے کہ والد ماجد مفتی انوار الحسن کا بھی انتقال ہو گیا۔

والد کے چچا شیخ المحدث ندوۃ العلماء حضرت مولانا حیدر حسن خان ٹوکی نے آپ

اشارہ ہو جاتا ہے۔

سادگی: علی میاں فرماتے ہیں کہ مولانا کی سب سے نمایاں صفت ان کی سادگی اور طلباء کے ساتھ شفقت اور مساوات تھی اپنی اولاد اور طلباء میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ نیک ہونہار اور ذہین طلباء کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ ترجیح دیتے تھے۔

ٹوکی کی طرف واپسی: بعض ناگزیر حالات کی بناء پر مولانا حیدر حسن ۳ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کو چھوڑ کر واپس ٹوکی چلے گئے اور پھر وہاں دو بارہ درس و تدریس و تیرہ شروع کر دی۔

## وفات:

لائی حیات آئے تھا لے چلی چلے اپنی خوشی نہ آئے اور نہ اپنی خوشی چلے  
۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ مطابق ۳ مئی ۱۹۴۲ء کو اس دنیا فانی سے کوچ فرمایا اور ٹوکی کے مشہور قبرستان موتی باغ میں مدفون ہوئے۔

کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول کی اور پھر اپنے ساتھ سن ۱۹۳۶ء میں ندوۃ العلماء<sup>(۱)</sup> میں لے گئے۔ چار سال کے عرصہ میں درسی کتابوں کے علاوہ غیر درسی کتابیں بھی پڑھیں۔ اور پھر جب حضرت مولانا حیدر حسن خان نے ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ میں مدرسہ ندوۃ العلماء کو چھوڑ کر اپنے وطن مالوف ٹونک میں مستقل قیام کا ارادہ فرمایا تو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ نے بہت اصرار کیا کہ اس لڑکے (ولی حسن) کو مدرسہ مدرہ العلماء میں ہی رہنے دیا جائے ہم مزید اس کی تعلیم کا اہتمام کریں گے مگر مولانا حیدر حسن خان نے کسی کی بات نہ مانی اور اپنے ساتھ ٹونک لے آئے چلتے وقت مولانا حیدر حسن نے فرمایا کہ میں تو اس کو پرانے طرز کا عالم بنانا چاہتا ہوں۔

### (۱) مختصر تاریخ ندوۃ العلماء

اس کے بانی حضرت مولانا سید محمد علی موگیہری تھے۔ ندوۃ العلماء کا مقصد مولانا سید محمد علی یہ تحریر فرماتے ہیں:

افسوس صد افسوس، کوئی گروہ طلبہ کا ایسا نہیں لگتا ہے جو طہروں اور جدید فلسفوں کے اعتراضات کو اسلام سے دفع کرے جس کا زہریلا اثر سبب سیوچ ہے دینی و آرازی کے عالمگیر ہوتا جاتا ہے۔ اس کا مٹانا ہمارے علماء کا فرض ہے جس طرح ہو سکے فرض کثہ حالت تحصیل میں انہوں نے کسی علم دین اور بالخصوص ان علوم مذکورہ میں مہارت و مشق پیدا کی نہ اس کے بعد انہیں توبت آئی۔ آپ فرمائیے کہ دین کا کام کون کرے؟ زیادہ افسوس یہ ہے کہ زمانہ کی ضرورتوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے نہ تو کسی دینی امر کا انتظام کر سکتے ہیں نہ اس میں رائے دے سکتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت ایسے گروہ کی زیادہ ضرورت ہے۔ اب بتائیں کہ مقلدین وغیرہ مقلدین میں کیسی کیسی شرمناک باتیں ہوتی ہیں ایک بھائی دوسرے کے مال کا آدمی کا گس طرح خواہاں ہوتا ہے جب مذہب کے اجلاس میں مقدمات جاتے ہیں ہمارے محترم علماء بھروسوں کی طرح سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ گج بھاری، گج مسلم اور دیگر کتب حدیث ان کے جوتوں کے پاس ان کے نیچے دہراتی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خان کا انتقال:

۱۶ جون ۱۹۳۰ء بمطابق جمادی الاخریٰ ۱۳۶۱ کو شیخ الحدیث حضرت مولانا حیدر حسن خان صاحب کا انتقال ہو گیا اس کا حضرت مفتی ولی حسن صاحب پر بہت زیادہ اثر ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کا تعلیمی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

اور پھر آپ نے عدالت شریعہ ٹوٹک میں ملازمت اختیار کر لی۔

مولوی عالم اور مولوی فاضل کا امتحان:

جس زمانے میں آپ عدالت شریعہ ٹوٹک میں ملازم تھے تو آپ نے ”مولوی عالم“ اور ”مولوی فاضل“ کے بھی امتحانات دیے جس میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

مگر آپ کے دل میں جو ایک حصول علم کی آگ لگی تھی وہ برابر جلتی رہی اور دل کی خلش بڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ آپ نے فیصلہ کیا کہ اب دوبارہ حصول علم کے لئے کوشش کرنی ہے پھر یہی جذبہ آپ کو مظاہر علوم سہارن پور لے گیا اور پھر وہاں پر دو سال تعلیم حاصل کی اسی عرصہ میں آپ نے مختصر المعانی، ہدایہ آخریں پڑھیں اور پھر آخر میں دارالعلوم دیوبند<sup>(۱)</sup> میں داخلہ لیا اور پھر دارالعلوم دیوبند میں جا کر جو تحقیقی آپ

(۱) مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند

تیرہویں صدی کے ہندو آشوب ایام میں جب مغلیہ سلطنت کا ٹٹھٹھا چراغ بھی گل ہو گیا اور برصغیر ایک وسیع قتل گاہ کا مہر چیش کرنے لگا اور مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جانے لگا اس نازک وقت میں دارالعلوم دیوبند وجود میں آیا۔

قاری محمد طیب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی (مہتمم سادس) سے سنا کہ اس وقت تمام اولیاء اللہ کے دلوں پر بیک وقت یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں

محسوس کر رہے تھے اس کی سیرابی کی۔ مدرسہ دارالعلوم دیوبند<sup>(۱)</sup> جہاں پر اس وقت میں  
ایک ندر و زگار اساتذہ موجود تھے، ان سے حصول علوم فرمایا وہاں پر دو سال رہے اور درجہ  
سابعہ اور دورہ حدیث کی کتب وہاں پر پڑھیں۔

کی بھائی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ مدرسہ کھول کر محنت کی جائے۔

۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے حجۃ والی مسجد  
میں انار کے درخت کے نیچے ایک استاد (محمود نامی) دوسرا احطلم (محمود نامی یعنی شیخ الہند) سے مدرسہ کا  
افتتاح کروایا۔ چنانچہ پھر دارالعلوم نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ مسلمانوں کی داخلی رہنمائی کا کام سرانجام  
دیا۔ دوسری طرف انگریزوں کے مقابلہ کے لئے ایسے علماء کو پیدا کیا جنہوں نے ہر میدان میں انگریزوں  
کا مقابلہ کیا۔ آج برصغیر میں یا اس کی ترتیب پر دنیا میں جہاں پر بھی مدارس ہیں وہ سب دارالعلوم دیوبند کا  
ہی فیض اور اس کی شاخ ہیں۔ اللہ ترقی نصیب فرمائے اور بد نظری سے محفوظ فرمائے۔

(۱) جہاں پر دارالعلوم دیوبند قائم ہے وہاں پر ابتداء میں کوڑیاں پڑی ہوئی تھیں اس جگہ پر ۱۵ محرم الحرام  
۱۲۸۳ بمطابق ۱۸۶۷ء کو مدرسہ قائم کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ جب سید احمد شہید قدس اللہ سرہ کا گزر اس جگہ  
سے ہوا تو فرمایا کہ اس جگہ سے مجھ کو علم کی بو آتی ہے۔ اسی طرح سے حضرت مولانا قاضی محمد اسماعیل  
بگوری اکابر اولیاء اللہ اور صاحب کشف بزرگ گزرے ہیں جن کا زہد و تقویٰ شہرہ آفاق ہے وہ فرماتے  
ہیں کہ دارالعلوم دیوبند مدرسہ شاہی مراد آباد، مظاہر العلوم سہارن پور یہ خاص الہامات کے اشارے پر قائم  
کئے گئے ہیں۔

اسی طرح سے جب دارالعلوم دیوبند کا قیام وجود میں آیا تو حاجی رفیع الدین صاحب نے مکہ معظمہ میں  
حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے عرض کیا کہ ہم نے دیوبند میں مدرسہ قائم کیا ہے دعا فرمادیں اس پر حاجی  
امداد اللہ مہاجر مکی نے ارشاد فرمایا۔

”سبحان اللہ آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے یہ خیر نہیں کہ کتنی پیشانیوں  
اوقات بحر میں سرسبحہ دھو کر گزرتی رہیں کہ خداوند ہندوستان میں بقاء اسلام اور تحفظ  
اسلام کا کوئی ذریعہ پیدا فرما۔ یہ سب ان ہی بحر کا ہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔“

اساتذہ:

آپ کے اساتذہ جن سے آپ نے دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

جانشین شیخ الہند حافظ حدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی<sup>(۱)</sup> سے آپ سب

(۱) مولانا حسین احمد مدنی کے مختصر حالات

ہوئے نامور بے نشان کیسے کیسے زمین کھاگئی آسمان کیسے  
ولادت: ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ بمطابق ۱۸۹۷ء کو مانگر مشوخلع انڈیوپی (اٹلیا) میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی  
نام چراغ محمد تجویز ہوا۔

والد کا نام سید حبیب اللہ سید بر علی تھا۔

حلیہ: قد درمیان، رنگ سانولا، بارعب کتابی چہرہ، کھنٹی ڈاڑھی، کشادہ پیشانی، پیشانی پر سجدے کا نشان۔  
پُر اعتماد و لب و لہجہ تھا۔

تعلیم: ابتداء میں اسکول کی تعلیم حاصل کی کیونکہ والد صاحب بیڑا ستر تھے۔ ابھی اٹل کی تعلیم کا ایک  
سال باقی تھا۔ والد ۱۳۰۹ھ میں ۱۳ سال کی عمر میں دینی تعلیم دلانے کے لئے آپ کو دیوبند لے گئے۔  
وہاں شیخ الہند مولانا محمود الحسن کی زیر نگرانی آپ نے ۷۷ فتوے کی ۶ کتابیں ساڑھے چھ سال میں  
پڑھیں۔ شیخ الہند سے دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

بیعت و خلافت: آپ نے ۱۳۱۶ھ آپ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوئے اور پھر  
حضرت رشید احمد گنگوہی نے آپ کو خلافت عطا فرمائی۔

حجاز مقدس کا سفر: درس لکھنؤ کے فارغ ہونے کے بعد اپنے والد کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے  
گئے اور پھر مدینہ منورہ میں ہی درس حدیث شروع کیا جس کے بارے میں حضرت عاشق الہی میرٹھی  
فرماتے ہیں،

مولانا حسین احمد کا درس حرم نبوی میں الحمد للہ بہت عروج پر ہے عزت و جاہ بھی حق تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا ہے  
کہ ہندی علماء کو کیا کہنی ہاشمی بلکہ مدنی علماء کو بھی وہ بات حاصل نہیں۔ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء  
مدینہ منورہ میں کئی مرتبہ قیام کیا۔

پہلی مرتبہ دو سال کا قیام تھا ۱۳۱۷ھ تا ۱۳۱۸ھ

دوسری مرتبہ سات سال کا قیام تھا ۱۳۲۰ھ تا ۱۳۲۵ھ

تیسری مرتبہ دو سال کا قیام تھا ۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۳ھ

چوتھی مرتبہ چار سال کا قیام تھا ۱۳۳۳ھ تا ۱۳۳۵ھ

پھر اپنے استاد شیخ الہند کے ساتھ مالٹا ٹیل میں ۳ سال سات ماہ قید رہے۔

اور جب انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمن، علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ ذابیل تشریف لے گئے تو حضرت

حسین احمد مدنی سے دارالعلوم دیوبند تشریف لانے کی درخواست کی گئی جس کو حضرت مدنی نے ۱۹۳۸ھ

میں قبول فرمایا۔ بقول شاعر۔

علم والے علم کا دریا بہا کر چل دیئے      واعطان قوم سپہوں کو چکا کر چل دیئے

کچھ سنو رہے تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے      کچھ سمجھتے تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیئے

آپ کی مہمان نوازی بڑی معروف و مشہور ہے۔

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر      انا نہیں ہیں لاکھوں اور دل بے تاب ایک

تصانیف: (۱) نقل حیات۔ (۲) اشہاب الثقب علی المشرق الکاذب۔ (۳) معارف مدینہ

(۴) امیر مالٹا۔ (۵) مودودی دستور کی حقیقت۔ (۶) عمل و عقیدہ۔ (۷) احمدہ قومیت۔ (۸) تقریبات

شیخ الاسلام۔ (یہ آپ کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔)

وفات: نصف جولائی ۱۹۵۵ھ دوران سفر سانس کی تکلیف شروع ہوئی پھر دل کا عارضہ بھی شروع ہو گیا

مگر عبادات سبق وغیرہ کا معمول برقرار رہا۔

۲۸ محرم ۱۳۷۵ھ بمطابق ۲۵ اگست ۱۹۵۵ء کو بخاری شریف کا آخری درس دیا۔ بقول شاعر

خدا ہے سب کے لئے ہم پہ کچھ نہیں موقوف      ہا ہے ایک فقط ذات کبریاء کے لئے

یاد آخر ۱۳ فرمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۵۵ء کو کتبہ سے پہلے اس فانی دنیا کو چھوڑ کر اپنے آقا

حق تعالیٰ سے جا ملے۔ انا لله وانا الیہ راجعون

حکم المنیۃ فی البریۃ ج ۱

ماہلہ الدلیا بدار قرار

موت کا قانون پوری مخلوق پر جاری اور ساری ہے۔ حقیقت میں یہ دنیا بھلا و استغراہ کی جگہ نہیں ہے۔



سے زیادہ متاثر ہوئے جن سے آپ نے بخاری اور ترمذی پر مبنی اور شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی<sup>(۱)</sup> سے طحاوی شریف مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم

(۱) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی کے مختصر حالات  
نام: محمد اعزاز علی۔ لقب: اعزاز العلماء۔

آبائی وطن مراد آباد کے مصافقات میں ایک قصبہ امر دہ کے نام سے ہے، اس سے تعلق رکھتے تھے۔  
ولادت باسعادت: آپ کی ولادت بدیع شہر میں ۱۳۰۵ھ میں مغرب کی نماز کے قریب ہوئی۔  
تحصیل علوم: قرآن کی تعلیم آپ نے قطب الدین اور حافظ شرف الدین سے حاصل کی ہے۔ اردو اور فارسی کی تعلیم اپنے والد ماجد سے اور مدرسہ عربیہ گلشن فیض میں حاصل کی اور پھر شاہجہانپور کی مشہور دینی درسگاہ میں العلم میں تشریف لے گئے اور وہاں کچھ پڑھیں اور پھر عاشق الہی میرٹھی کے اصرار پر میرٹھ میں مدرسہ قوی خیر پور میں تکمیل کی اس تکمیل کرنے کے بعد دوبارہ دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث پڑھا۔ اور شیخ الہند سے بخاری، ترمذی اور ابوداؤد وغیرہ پڑھیں اور مفتی عزیز الرحمن سے فتویٰ نویسی کا کام سیکھا اور صرف کی اکثر کتب مولانا حمید الدین سے پڑھیں۔

بھاگلپور میں تدریس: دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد استاد محترم حضرت شیخ الہند نے ان کو مدرسہ نعمانیہ پور میں مصافقات بھاگل پور میں تدریس کرنے کا حکم دیا نعمانیہ سے تدریس شروع کر دی چند ہی دنوں میں لوگوں کا رجوع ہوتا شروع ہو گیا وہاں پر طلباء کی ایک بڑی جماعت نے مولانا اعزاز علی سے استفادہ کیا۔

پھر چند ناگزیر حالات کی وجہ سے مدرسہ نعمانیہ چھوڑنا پڑا۔ اسکے بعد آپ نے مدرسہ افضل المدارس شاہجہانپور میں تین سال تدریس کی۔

دارالعلوم دیوبند میں تدریس: ۱۳۳۵ھ کے شروع میں ۲۵ روپیہ مشاہرہ پر دارالعلوم دیوبند کی منتقلہ کمیٹی نے آپ کا تقرر کر لیا جب اس کی اطلاع مولانا کو پہنچی تو آپ نے بخوشی اسکو قبول کر لیا۔ یہاں پر نو سال تک بڑی جدوجہد سے تدریس کی یہاں تک کہ آپ کا شمار ممتاز اساتذہ میں ہونے لگا۔

۱۳۳۹ھ میں حیدرآباد دکن میں جانا پڑا مگر ایک ہی سال کے بعد جب دارالعلوم دیوبند سے مفتی عزیز الرحمن میرٹھ لے گئے تو دارالافتاء کو ایک تجربہ کار مفتی کی ضرورت تھی اس کے لئے دارالعلوم دیوبند کی کمیٹی

حقانیہ (اکوڑہ خٹک) سے پڑھی اور مشکوٰۃ شریف قاری طیب صاحب سے پڑھی۔  
تحصیل علوم کے بعد:

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ کی علمی شہرت عوام و خواص دونوں میں  
ہو چکی تھی۔ اور جب آپ واپس اپنے شہر ٹونک تشریف لے گئے۔ آپ عدالت شرعیہ  
کے قاضی اور مفتی بنادیا گیا۔ اور پھر آپ کو ضلع چھپڑہ گورکھ کا مفتی بنادیا گیا۔  
نکاح مسنون:

آپ کا نکاح ضلع بونیر کے قریب سلاء زو علاقہ کی ایک نیک خاتون سے ۱۹۵۱ء  
میں ہوا اس وقت حضرت مفتی صاحب کی عمر شریف ۲۳ یا ۲۸ سال کی تھی جب کہ ان کی

لے آپ کو ۱۳۴۲ھ میں دوبارہ بلا لیا اور پھر آپ تادم آخروارالعلوم میں ہی رہے۔  
وقت کی پابندی: حضرت مولانا اعجاز علی صاحب کی ایک امتیازی عادت یہ تھی کہ خواہ گرمی ہو یا سردی و  
برسات، بیماری یا تندرستی، خوشی یا غمی ہر صورت میں سبق ہوتا۔ گھنٹہ لگتے ہی ساتھ درس گاہ میں داخل ہوتے  
اور دھر گھنٹہ بجا دھر مولانا نے کتاب ہندی اور درس گاہ سے باہر تشریف لے آتے۔  
بیعت و سلوک: آپ حضرت رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوئے اور پھر حضرت مولانا سید احمد مدنی سے  
ایجازت و خلافت سے نوازے گئے۔

آپ کی زندگی میں سادگی حد درجہ پائی جاتی تھی کبھی قیمتی پوشاک آپ کے جسم پر نہیں دیکھی گئی۔ معمولی سا  
لباس ہمیشہ تن زیب فرمایا۔

تصانیف: آپ نے تدریس کے ساتھ ساتھ کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں جن میں سے بعض درس  
نظامی کے نصاب میں شامل ہیں کچھ العرب، حاشیہ نور الایضاح، حاشیہ دیوان مہار، حاشیہ کنز الدقائق،  
ترجمہ دیوان حسینی، حاشیہ شرح وقایہ غیرہ مشہور ہیں۔

وفات: آپ ۱۳۷۱ھ (۱۹۵۰ء) بروز چہار شنبہ صاوق کے وقت اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے۔  
دارالعلوم کے ہی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

اہلیہ کی عمر ۱۸ یا ۱۹ سال کی تھی۔

درس و تدریس اور خدمت دین:

تقسیم ہند کے بعد حضرت مفتی صاحب نے پاکستان آنے کا فیصلہ کر لیا اور کراچی شہر میں مستقل قیام فرمایا۔

میٹروپولیٹن ہائی اسکول میں تدریس:

پاکستان بننے کے بعد کراچی میں صرف ایک ہی مدرسہ مظہر العلوم تھا اس کے علاوہ اور کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ ایک مدرسہ میں کتنے علماء تدریس کر سکیں گے؟ اس لئے اولاً ۱۹۵۰ء میں حضرت مفتی ولی حسن صاحب نے میٹروپولیٹن ہائی اسکول (جو برنس روڈ کے علاقے میں واقع تھا) میں اسلامیات پڑھانا شروع کر دی۔

حضرت مفتی صاحب کی دینی عزت:

حضرت مفتی حسن صاحب میٹروپولیٹن اسکول میں طلباء کی دینی تربیت فرما رہے تھے مگر اسکول کی انتظامیہ پر مغربی ذہنیت کا اثر تھا۔ ان کو یہ بات کیسے منظور ہو سکتی تھی کہ ایک عالم دین ان کے طلباء کا دینی ذہن بنائے اس لئے انھوں نے حضرت مفتی صاحب کو اسکول سے نکالنے کا منصوبہ بنایا۔ اس پر عمل کرنے کے لئے انھوں نے حضرت مفتی صاحب سے ڈاڑھی منڈوانے کا مطالبہ کیا ان کو یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ یہ شخص ڈاڑھی منڈوانے کا نہیں اس طرح ہم اس بات کو بہانے بنا کر ہم اس سے معذرت کر لیں گے چنانچہ ان کو اپنے اس منصوبہ میں کامیابی حاصل ہوئی چنانچہ جب انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحب کے ڈاڑھی منڈوانے کا مطالبہ کیا تو حضرت

مفتی صاحب نے انکار کر دیا اس بناء پر اسکول کی انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحب سے معذرت کر لی اسکول سے فارغ و علیحدہ کر دیا۔

مدرسہ امداد العلوم میں تدریس:

اس سے علیحدہ ہونے کے بعد اس واقعہ کا ذکر جب حضرت مفتی صاحب نے اپنے ایک ہم درس دوست مولانا نور احمد<sup>(۱)</sup> جو مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب

(۱) مولانا نور احمد کے مختصر حالات

مولانا نور احمد نے ابتدائی تعلیم تو اپنے ملک بدما میں حاصل کی اور پھر علوم دین کی تحصیل کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں پر اپنی ذہانت اور ذکاوت سے اپنے تمام اساتذہ کے منظور نظر رہے۔ پاکستان کی طرف ہجرت ۱۹۴۹ء میں ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے آئے اور یہاں آنے کے بعد ملکی وقتی خدمات میں مصروف ہو گئے اور یہاں آ کر انہوں نے بہت سے اہم کام سرانجام دیے جس کے بارے میں مولانا تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں،

قیام پاکستان کی تحریک سے لے کر روز و فوات تک ملک و ملت کے نہ جانے کتنے اہم کاموں میں انہوں نے موثر حصہ لیا لیکن اس طرح کہ جب ان کاموں کی تاریخ مرتب کرنے والے تاریخ مرتب کریں گے تو شاید ان کاموں میں ان کا نام نہ آئے یا آئے تو سرسری اور مختصر انداز میں۔۔۔ (نقوش رفوگان ۲۴۲)

وہ شہرت و مصحف سے دور رہنے کو پسند کرتے تھے۔

بہت گستاخ بھی صحبت میں ان کی وہ اپنی ذات سے ایک مجنم ہیں کارنامے: مدرسہ دارالعلوم کراچی کے ناظم رہے اور اپنی صلاحیت سے مدرسہ کو خوب ترقی دی۔ نکلامت میں اسے معروف ہوئے کہ اپنے حلقہ احباب میں وہ ناظم صاحب کے ہی لقب سے جانے جکاتے جاتے تھے۔

پاکستان میں سوشلزم کے خلاف تحریک کے روح رواں تھے اور ۱۱۳ علماء کا مشہور فتویٰ مرحوم کی ہی مسامی جیلہ کا کارنامہ تھا۔

کے داماد اور مدرسہ امداد العلوم اور پھر بعد میں دارالعلوم کورنگی کے بھی ناظم تعلیمات رہے تھے ان سے کیا تو انھوں نے فوراً حضرت مفتی سے کہا کہ آپ آج سے ہمارے ساتھ کام کریں آپ کو ہم اسکول سے دو گناہ تنخواہ بھی دیں گے اور ڈاڑھی منڈوانے کے مطالبہ کے بجائے ہم آپ سے ڈاڑھی میں اہتمام سے نکھسا کرنے کو کہیں گے۔ کیونکہ مولانا نور احمد مفتی صاحب کے فضائل سے خوب واقف تھے۔ بقول شاعر۔

کسی کو کیا خبر کیا چیز ہیں وہ  
انہیں دیکھے کوئی میری نظر سے

حضرت مفتی صاحب نے مولانا نور احمد کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے مدرسہ امداد العلوم جو آرام پانچ کی باب الاسلام مسجد میں قائم تھا، وہاں پر پڑھانا شروع کر دیا۔ اس وقت وہاں پر حفظ کی درس گاہیں تھیں اور چند لڑکے جن میں مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب مہتمم دارالعلوم کورنگی اور حضرت مولانا تاقی عثمانی وغیرہ تھے ان کو حضرت مفتی صاحب نے فارسی اور عربی کتابیں پڑھانا شروع کر دیں۔

اسی طرح رابطہ موقر العالم الاسلامی جب قائم ہوا تو حضرت موصوف کو ہی اس کی نشر اشاعت اور دعوت و ارشاد کا ناظم بنایا گیا۔

تقریباً انہوں نے ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا جس سے اولاً قرآن مجید کو شائع کیا پھر علماء اہل سنن میں جلد پر مشتمل اور مصنف بن ابی شیبہ، بیسوط امام محمد، محیط البرہانی، احکام القرآن، قانونی، طبی شرح مشکوٰۃ کو اپنے اسی اشاعتی ادارے سے شائع کر کے علماء سے تحسین حاصل کی۔ ان میں اکثر ایسی کتابیں ہیں جو پاکستان میں پہلی بار طبع ہوئی ہیں۔

وفات: ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ بمطابق یکم فروری ۱۹۹۸ء کی شب دنیا فانی سے رخصت ہوئے۔

تائیک واڑہ میں تدریس:

۱۹۵۱ء میں جب مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب<sup>(۱)</sup> نے مدرسہ

(۱) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے مختصر حالات

آئی رہے گی تو اس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا  
ولادت: ۱۲۰۲ھ شعبان مطابق ۱۸۸۹ء کی درمیانی رات میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں  
پیدا ہوئے والد کا نام مولانا یاسین دیوبندی ہے جو جدید عالم دین تھے

تعلیم: پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحب کے پاس دارالعلوم میں قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔  
قرآن کے فہم ہونے کے بعد فارسی اور ابتدائی کتاب اپنے والد سے ہی پڑھی۔  
ریاض الجنان حساب کی تعلیم اپنے چچا مولانا جھکورا محمد صاحب سے حاصل کی۔

۱۰ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں درس الٹامی پڑھنا شروع کیا اور ۱۳۳۳ھ میں فارغ التحصیل ہو گئے  
آپ کے استادوں میں علامہ انور شاہ کشمیری مفتی اعظم دیوبند مولانا مہذب الرحمن علامہ شبیر احمد عثمانی سید اعتر  
دیوبندی مولانا عزا زکی وغیرہ شامل ہیں۔

تدریس: فراغت کے بعد دیوبند میں ہی تدریس شروع کر دی اور تقریباً تمام ہی کتابوں کا درس دیا مگر  
مقامات حریری اور ایبٹ آباد شریف کا درس آپ کا بہت مشہور ہوا۔ آپ نے تقریباً ۲۰ سال تک دیوبند میں  
تدریس کے فرائض انجام دیئے اور دوران تدریس آپ نے قانونی نویسی کا کام بھی شروع کر دیا تھا اور پھر  
بعد میں قانونی کی بھی تمام تر ذمہ داری آپ پر آ گئی۔

بیعت و سلوک: آپ نے ابتداً شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے ۱۹۴۵ء میں بیعت کی مگر پھر ۱۳۴۳ھ میں  
حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت ہوئے اور پھر انہوں نے ۱۳۴۹ھ میں آپ کو  
خلافت سے سرفراز فرمایا۔

بیس سال تک آپ حکیم الامت کی محبت میں رہے اور حکیم الامت کو آپ کے علم پر بڑا احسان تھا۔ آپ سے  
کئی کتابیں بھی لکھوائیں جن میں احکام القرآن، حلیہ، جز ۱۱ وغیرہ شامل ہیں۔

ایک موقع پر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مفتی محمد شفیع کی عمر وادارے،

امداد العلوم سے اپنے مدرسہ کو نایک واڑہ میں مستقل طور سے منتقل کیا تو حضرت مفتی ولی حسن کا بھی مدرسہ امداد العلوم برنس روڈ سے نایک واڑہ میں منتقل ہو گئے اور پھر باقاعدہ اپنی علمی خدمات اور اپنے علمی جوہر کا آغاز فرمایا۔

مجھے ان سے دو خوشیاں ہیں ایک تو یہ ان کے ذریعے مجھے علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں۔

قاری محمد طیب نے ایک موقع پر فرمایا کہ حضرت مفتی اعظم ہمارے شیخ حضرت حکیم الامت کے علمی اور روحانی ترجمان اور صحیح جانشین تھے ہمارے قدیم اسلاف کی نشانی تھے نقد و تفسیر میں امامت کا مرتبہ حاصل۔ ایک مایہ ناز مصنف ادیب اور شاعر تھے ایک شیخ کامل اور عارف کامل تھے۔

ہجرت پاکستان: علامہ شبیر احمد عثمانی اور دوسرے حضرات کے ساتھ آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ پاکستان کے قیام کے بعد دستور کے نفاذ قرار داد مقاصد کی تدوین و ترتیب اور اس کی منظوری میں اہم کردار ادا کیا اور اسلامیہ بورڈ کے اہم رکن نامزد ہوئے۔ بعد میں قانون کمیشن کے ممبر نامزد ہوئے۔

دارالعلوم کراچی کا قیام: آپ کو احساس تھا کہ کراچی میں کوئی بڑا مدرسہ نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی جو آج دارالعلوم کراچی کی صورت میں موجود ہے۔ جس میں تقریباً ۲ ہزار سے زائد طلباء علوم الہی حاصل کر رہے ہیں۔ اس مدرسہ کا شمار پاکستان کی عظیم درس گاہوں میں ہوتا ہے۔

تصانیف: آپ کی تصانیف تعداد ڈیڑھ سو سے متجاوز ہے جس میں تفسیر معارف القرآن، احکام القرآن، فتاویٰ دارالعلوم دہلی، آلاء جدیدہ، جواہر الفقہ، اسلام کا نظام اراضی، سیرت خاتم الانبیاء وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔

وفات: ۱۰ شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۶ اگست ۱۹۷۵ء کو آپ نے رحلت فرمائی ایک لاکھ سے زائد مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھی عارفانہ ہائے اکابر عبدالحی عارفی نے آپ کی جنازہ کی نماز پڑھائی اور احاطہ دارالعلوم کراچی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔

فردغ شیخ جو اب ہے رہے گی رہتی دنیا تک مگر محفل تو پر وہ انوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانہ کی  
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن میں تدریس:

۱۹۵۶ء میں جب طلباء کی تعداد دارالعلوم نانک واڑہ میں زیادہ ہو گئی اور وہ تنگ  
اور چھوٹی سی عمارت نا کافی ہونے لگی تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے کوئی وسیع جگہ  
پر اس مدرسہ کو منتقل کرنا چاہا آخر کار کورنگی شرانی گوٹھ جہاں پر آج کل عظیم الشان  
عمارت ہے وہاں پر ایک وسیع زمین آپ کو ملی اگرچہ وہاں پر اس وقت تک کوئی آبادی  
بھی نہیں تھی اللہ کا نام لے کر نانک واڑہ مدرسہ کو وہاں پر منتقل کر دیا۔ اس پر حضرت مفتی  
ولی حسن کو کچھ ایسے مسائل درپیش تھے کہ اپنا گھر چھوڑ کر مدرسہ میں مستقل طور پر قیام  
کرنا مشکل تھا اور دوسری طرف روزانہ کورنگی جانا بھی مشکل ترین کام تھا۔ اسی دوران  
شہر کے وسط میں ۱۹۵۳ء میں محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ<sup>(۱)</sup> نے

(۱) محدث العصر مولانا یوسف بنوریؒ کے مختصر حالات

لیس علی اللہ بمستکر ان یجمع عالم فی واحد  
نام: محمد یوسف۔ والد کا نام محمد زکریا تھا۔

ولادت: بروز جمعرات ۲ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد اور ماموں مولانا فضل حمدانی بنوری سے حاصل کی اور پھر صرف و نحو اور دیگر  
فنون کی ابتدائی تعلیم حافظ عبد اللہ بن خیر اللہ پشاور سی امیر حبیب اللہ کے دور میں کابل کے ایک مدرسہ میں  
حاصل کی۔ اور پھر مشہور عالم دین قاضی القضاۃ مولانا عبدالقید رافغانی اور شیخ محمد صالح الغلیبی افغانی  
وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ پھر آپ نے ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۳۷ھ تک دارالعلوم دیوبند میں رہ کر محقق علماء سے  
علم دین حاصل کیا۔ آپ کے استادوں میں مولانا شبیر احمد عثمانی اور خاص کر امام العصر محدث جلیل حضرت



مولانا محمد انور شاہ کشمیری شامل ہیں۔

اور آخر میں آپ نے حضرت انور شاہ کشمیری سے خوب استفادہ کیا یہاں تک کہ علماء نے فرمایا کہ مولانا محمد یوسف بنوری یہ علامہ انور شاہ کشمیری کے علم کے حامل ہیں اور ان کے علوم و معارف کے امین ہیں۔ اور جب امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری ڈابھیل تشریف لے گئے تو مولانا بنوری بھی ساتھ میں تشریف لے گئے۔

۱۹۳۰ء میں اپنے والد کی خواہش پر پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔

اور پھر ڈابھیل میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث بھی رہے اور مجلس عملی جلدی الاسلامیہ ڈابھیل نے آپ کو مجلس کا قاضی و رکن بھی بنادیا۔

جب کتابوں کی طباعت کے سلسلہ میں ۱۹۳۲ء میں مصر تشریف لے گئے تو وہاں پر شیخ محمد زاہد انکوشی اور دیگر علماء سے فیضیاب بھی ہوئے اور سند حدیث بھی حاصل کی۔

پاکستان کی طرف ہجرت: پاکستان بننے کے بعد آپ ۱۶ جنوری ۱۹۵۱ء کو پاکستان تشریف لے آئے۔ ابتداء آپ دارالعلوم الاسلامیہ نذوالہ یار میں شیخ التفسیر رہے اور تین سال تک وہاں پر طلباء کو سیراب فرماتے رہے۔

نیوٹاون مدرسہ کا قیام: نذوالہ یار کے بعد آپ نے ۱۹۵۳ء کو نیوٹاون مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ ابتداء کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر پھر اللہ جل شانہ نے اس ادارے پر کرم فرمایا اور اب یہاں سے ہزاروں کی تعداد میں علماء فارغ ہو کر دنیا کے مختلف مقامات پر دین کے کام میں مشغول ہیں۔

مولانا نے اپنے آپ کو صرف مدرسہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ باطل کا ہر میدان میں مقابلہ کیا۔

(۱) جب ایوب خان کے دور میں مدارس پر حکومت نے قبضہ کرنا چاہا تو حضرت مولانا بنوری نے اس کا مقابلہ کیا بالآخر حکومت کو اس منصوبے میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔

(۲) اسی طرح جب قادیانیوں کے خلاف تحریک چلی تو اس میں بڑے چڑھ کر حصہ لیا اور پھر بمشورہ میں قادیانیوں کے خلاف تحریک کی قیادت کی اور قادیانیوں کو اسمبلی کی منظوری سے آئینی طور سے خارج از اسلام قرار دلوایا۔

(۳) جب پردہ بڑھنے نے پاکستان میں اپنا قہر برپا کرنا چاہا تو ان کے خلاف مولانا نے حضرت مفتی ولی حسن سے ایک رسالہ مرتب کروایا جس سے تمام مکاتب فکر کے علماء نے اس قہر کو خاریج از اسلام قرار دیا اور یہ عظیم قہر فرو ہو گیا جس کی پشت پناہی غلام محمد گزرنہ جزل اور صدر ایوب جیسے لوگ کر رہے تھے۔

(۴) صدر جزل ضیاء الحق نے جب اسلامی نظریاتی کونسل بنائی تو حضرت مولانا کو اس کا رکن بنایا اور اس میں آپ نے بہت ہی اہم رہنمائی فرمائی۔

(۵) ڈاکٹر فضل الرحمن کو صدر ایوب نے امریکہ سے بلایا یہ شخص بددین لٹھ قسم کا آدمی تھا۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ ادارہ تحقیقات اسلامی قائم کر کے کتاب و سنت کی اشاعت کرے گا مگر مولانا بنوری نے اس قہر کو بھی جانچ لیا اور اس کے خلاف علماء کو متحد کیا اور پھر یہ قہر بھی ختم ہو گیا۔

اس کے علاوہ بھی آپ کی بہت سے نہ معلوم کتنے قہر ختم ہوئے۔

تصانیف: آپ کی کئی تصانیف ہیں اور سب اعلیٰ درجہ کی ہیں اور تمام کی تمام عربی زبان میں ہیں۔

(۱) معارف السنن شرح سنن الترمذی: یہ ترمذی شریف کی ایک محققانہ شرح ہے جو چھ جلدوں میں نامکمل ہے جو کتاب الناسک پر ختم ہو جاتی ہے۔ کاش کہ یہ مکمل ہو جاتی جس میں انور شاہ کشمیری کے علوم کو جمع کر دیا گیا ہے۔

(۲) عوارض السنن مقدمہ معارف السنن: ایک جلد میں ہے اس کو مستقل کتاب کی صورت میں لکھا جاسکتا تھا مگر یہ بھی نامکمل رہی۔

(۳) بغیۃ الارباب فی مسائل القیلة والحاریب: یہ کتاب آپ نے پہلی مرتبہ ۱۳۵۵ھ میں شائع کروائی۔

(۴) المعصر فی حیاۃ امام العصر الشیخ محمد انور: یہ کتاب مولانا انور شاہ کشمیری کے فضائل و کمالات اور خصوصیات پر لکھی ہے۔

(۵) حمد الہیان فی شیء من علوم القرآن: علامہ انور شاہ کشمیری کی کتاب مشکلات القرآن پر یہ مقدمہ ہے اور یہ مستقل کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۶) الاستاۃ المودودی وشیء من حیاتہ و افکارہ: اس کتاب میں مولانا بنوری نے مودودی کے غلط نظریات و افکار پر رد فرمایا ہے جس سے بہت سے لوگ ناواقف تھے۔ اس کا اردو میں ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ متعدد کتابوں پر مقدمہ اور تقاریر موجود ہیں۔

ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی ہوئی تھی۔ تو حضرت مفتی صاحب نے مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے  
عذر کر لیا اور پھر حضرت مفتی صاحب مدرسہ عربیہ اسلامیہ جو اب جامعہ العلوم  
الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن<sup>(۱)</sup> کے نام سے مشہور ہے اس سے منسلک ہو گئے اور پھر

وقات: یہ علم و معرفت کا آفتاب ۳ رذی قعدہ ۱۳۹۷ھ بمطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو بروز سوموار اپنے  
مالک و خالق سے جا ملا۔ اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی نماز جنازہ پہلی مرحبہ راولپنڈی میں مولانا عبدالحق نے پڑھائی اور پھر دوسری یادگراچی میں حضرت  
ڈاکٹر عبدالحق صاحب عارفی خلیفہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے پڑھائی۔

اور مدرسہ بنوری ٹاؤن کے ایک گوشہ میں آرام فرما رہے ہیں۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے      سبزہ نوحیر اس گھر کی عجببانی کرے

(۱) مختصر تاریخ جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

جامعہ العلوم الاسلامیہ کے بانی محدث العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد ابتداء علامہ  
محمد یوسف بنوریؒ نے خٹہ والد یار جامعہ اسلامیہ میں پڑھایا مگر کچھ مسائل کی وجہ سے اس سے علیحدگی اختیار کرنی  
پڑی۔ اس کے بعد آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے وہاں پر علامہ و مشائخ کے مشورے کے ساتھ کراچی میں  
ایک مدرسہ کی بنیاد رکھنا شروع کیا۔ حکومت نے ایک جگہ مدرسہ کے لئے دی۔ وہ حب ندی کے قریب لال میوہ  
نامی مقام پر کراچی سے تقریباً آٹھ میل دور تھی۔ جس کو علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے قبول نہ فرمایا۔

جامع مسجد نبوٹاؤن (گرو مندر) کے ملحق ایک زمین کا حصہ خالی پڑا ہوا تھا جس پر مسجد کی کمیٹی کے احباب  
مدرسہ بنانے کی ہی نیت رکھتے تھے مگر وسائل نہ ہونے کی وجہ سے ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ ۱۹۵۳ء میں  
مولانا نے ان سے بات کی تو وہ بخوشی راضی ہو گئے۔ حاجی سلیم الدین سے مولانا نے تین سو روپے قرض  
لے کر مدرسہ کا افتتاح کر دیا۔ ابتداء میں، بارہوی طالب علم داخل ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ پاکستان  
کے صف اول کے مدارس میں کا شمار ہونے لگا۔

اس وقت جامعہ العلوم الاسلامیہ کی ۷ شاخیں ہیں تقریباً دو ہزار کے قریب اساتذہ اور عملہ ہے۔ طلباء کی  
تعداد اس ہزار کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ حریر ترقی نصیب فرمائے۔

حاجات اسی کے ہو گئے۔

حضرت مفتی صاحب علمی جامعیت:

آپ علم کا ایک گراں مایہ خزینہ اور بیش بہا گنجینہ بلکہ ایک ٹھانصیں مارتا دریا تھے گویا آپ سراپا علم تھے۔ آپ کو ہر فن پر عبور حاصل تھا۔ حضرت مفتی عبدالسلام چانگامی آپ کے علم کے بارے میں فرماتے ہیں،

حضرت الاستاد مفتی صاحب کا علم ہمہ فنون سے یکساں معمور ہوتا تھا اس لئے ان کے لئے کسی بھی فن میں آپ کی خصوصیت بیان کرنا مشکل ہے اس لئے جب آپ حدیث شریف پڑھتے تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ ماہر علوم حدیث ہیں اور جب ادب پڑھتے تو ماہر ادب معلوم ہوتے اور جب فقہ و اصول فقہ پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ فقہ و اصول میں ایسے ماہر ہیں کہ فقہ و اصول فقہ کی کلیات و جزئیات کو احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ مگر حضرت مفتی صاحب کو فقہ اور حدیث سے جو دلچسپی اور تعلق تھا وہ بمثل عشق کے تھا۔

حضرت مفتی صاحب کی فقہ سے غیر معمولی دلچسپی:

عند اللہ اور عند الناس جو علم ہے وہ فقہ ہے یہی وجہ ہے کہ شیطان جس قدر ایک فقیہ سے گھبراتا ہے اتنا کسی عابد سے نہیں گھبراتا حدیث شریف میں ارشاد نبوی ﷺ ہے،

فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد

ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔

فقہ ایک ایسا علم ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں خواہ وہ امیر ہو یا غریب، حاکم ہو یا

محکوم، تاجر ہو یا مزدور، ظالم ہو یا مظلوم، مرد ہو یا عورت۔ غرض یہ کہ ہر وقت ہر آدمی فقہ کے محتاج ہیں اور انسانی زندگی میں جس قدر واسطہ انسان کو اس علم سے ہوتا ہے وہ کسی اور سے نہیں۔

جہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو دوسرے علوم میں مہارت عطا فرمائی تو وہاں پر فقہ سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی۔ حضرت مفتی صاحب ایک فقیہ المثل فقیہ کے ساتھ ساتھ محدث، شیخ کامل، محقق اور حق گو عالم دین جس کی مثال موجودہ دور میں ملنا مشکل ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی فقہ میں دلچسپی کے سلسلہ میں حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ صاحب تحریر فرماتے ہیں،

”فقہ حضرت مفتی صاحب کا خصوصی موضوع تھا اور یہ بھی ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہدایہ اولین ان سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں فقہ سے خصوصی دلچسپی پیدا ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب اپنے درس میں نہ صرف یہ کہ ہدایہ کے مباحث کو بڑے دل نشین پیرائے میں سمجھاتے بلکہ متعلقہ مسئلے کے اصولی پہلو پر بطور خاص روشنی ڈالتے اور مسئلے سے نکلنے والی اصولی ہدایات کی نشاندہی بھی فرماتے اور بسا اوقات یہ بھی بتاتے کہ ان اصولی ہدایات سے نئے مسائل میں کیسے کام لیا جاسکتا ہے اس کے ساتھ ہی حضرت مفتی صاحب عصر حاضر کی تمام فکری تحریکوں سے پوری طرح باخبر تھے اور جدید مسائل کے بارے میں اپنے آپ کو تازہ معلومات سے مزین رکھتے تھے چنانچہ ان کے درس میں بھی یہ ساری

معلومات اس طرح منعکس ہوتی تھیں کہ طالب علم کی فقہی بصیرت کو جلا اور ترقی ملتی تھی مختصر یہ کہ کہنے کو ہدایہ اولین کا درس ایک درس تھا جو دن میں دو گھنٹے ہوا کرتا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس درس کے دوران حضرت مفتی صاحب نے سوچ کا ایک ایسا رخ عطا کیا جس نے ہمارے طالب علم کی صورت گری میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ ایک دوسری جگہ یہ مولانا تقی عثمانی تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کی فقہ سے خصوصی مناسبت کی بناء پر میرے والد ماجد (مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہ نے حضرت مفتی صاحب کو دارالافتاء میں فتویٰ نویسی کی خدمات بھی جزوی طور پر سپرد کر دی تھیں۔ اسی زمانے میں جب شعبان رمضان کی تعطیلات آئیں تو حضرت مفتی صاحب مدرسہ جانے کے بجائے ہمارے گھر کی بیٹھک میں بیٹھ کر فتویٰ کا کام کرتے تھے۔“

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بھی ہم بکثرت حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں جا کر بیٹھ جاتے تھے اور ان کا وقت خراب کر کے اپنا فائدہ اٹھائے اسی دوران ایک مرتبہ میں حضرت مفتی صاحب کے سامنے خاموش بیٹھا ہوا تھا حضرت مفتی صاحب کو بہت سے فتاویٰ کا جواب لکھتا تھا جو ان کے سامنے رکھے ہوئے تھے اچانک انھوں نے ایک استثناء پڑھنے کے بعد مجھ سے فرمایا کہ دیکھو یہ کتنا آسان سوال ہے اس کا جواب تم ہی لکھ دو میں اس وقت ہدایہ پڑھتا تھا اور حضرت مفتی صاحب کا یہ فرمانا مجھے شروع میں مذاق محسوس ہوا۔ لیکن مفتی صاحب نے سنجیدگی کے ساتھ اصرار فرمایا تو

میں نے ڈرتے ڈرتے جواب لکھ دیا مفتی صاحب نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ جواب ٹھیک ہے اور فرمایا اسی طرح رفتہ رفتہ انسان فتویٰ سیکھ لیتا ہے۔ یہ کہہ کر مفتی صاحب نے فتویٰ پر اپنے دستخط فرمادیئے یہ میرا پہلا فتویٰ تھا اور اسی طرح فتویٰ کے میدان میں بھی یہ پہلا قدم رکھوانے کا سہرا بھی حضرت مفتی صاحب کے سر ہے۔

علامہ یوسف بنوریؒ کی نظر میں مفتی ولی حسن کی فقاہت:

حضرت مولانا علامہ یوسف بنوریؒ بھی آپ کی فقاہت کے مدوح تھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مولانا بنوریؒ بہت ہی کم لوگوں کے مدوح ہوتے تھے کیونکہ انھوں نے جتہ اللہ الارض حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ<sup>(۱)</sup> جیسے آدمی کی محبت پائی تھی اس لئے

(۱) امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے مختصر حالات

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے پشم تو نے وہ سمجھائے مگر تم ایسے کیا کئے؟

ولادت باسعادت: ۲۷ ذوال ۱۹۹۲ء مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۵ء مقام دو جواں علاقہ لولاب کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب نامہ شیخ مسعود زوی کشمیری سے ملتا ہے جن کے بزرگوں کا اصل وطن بغداد تھا وہاں سے ممان اور پھر لاہور اور آخر میں کشمیر میں اقامت کی۔

تعلیم: چار یا پانچ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد مولانا معظم شاہ سے قرآن پڑھنا شروع کیا اور چھ سال کی عمر میں قرآن مجید کے علاوہ فارسی وغیرہ کی کتاب بھی پڑھ لی۔

پھر مولانا غلام محمد سے فارسی اور عربی کتابیں پڑھیں اور پھر تین سال تک ہزارہ و سرحد کے متعدد علماء کی خدمت میں رہ کر علوم عربیہ کی پیاس بجھائی۔ آخر میں ۱۳۰۷ھ میں علم کی پیاس ان کو دارالعلوم دیوبند لے گئی اور چار سال تک وہاں پر شیخ الہند محمود الحسن مولانا غلیل احمد سہارنپوری مولانا اسحاق امرتسری اور مولانا غلام رسول ہزاروی وغیرہ سے علم حاصل کیا۔

تدریس: ۱۳۱۲ھ میں فراغت کے بعد آپ مدرسہ امینیہ میں مدرس اول رہے اور پھر کشمیر تشریف لے

گئے اور پھر ۱۳۲۳ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے اور پھر حج کی واپسی پر آپ نے کشمیر میں ایک مدرسہ فیض عام کی بنیاد ڈالی اور تقریباً تین سال تک وہاں پر پڑھایا۔

اور پھر دارالعلوم دیوبند میں مدعو کیا گیا اور وہاں پر آپ سنن ابوداؤد اور صحیح مسلم کا درس کئی سال تک پڑھاؤا دیتے رہے۔

والحد کے انتقال پر دوبارہ کشمیر گئے مگر احباب دیوبند کی طرف سے اصرار تھا کہ جلد واپس آ جائیں۔ آپ دوبارہ دیوبند مدرسہ تشریف لے گئے اور جب شیخ الہند محمود الحسن حج کے لئے تشریف لے جانے لگے تو آپ کے ذمہ بخاری اور ترمذی کا درس آ گیا۔ اور پھر آپ ۱۳۲۵ھ سال تک یہ درس دیتے رہے۔ درمیان میں چند سالوں کے لئے ڈاکٹر تشریف لے گئے تھے۔ شاہ صاحب کی فطری قابلیت اور قوت حافظہ کی وجہ سے لوگ اس قدر گرویدہ ہو چکے تھے کہ آپ کے درس کے لئے لوگ دور دور سے آنے کو سعادت سمجھتے تھے۔

تصانیف: آپ کی کئی تصانیف ہیں ان میں سے مشکلات القرآن، تجوید الاسلام فی حیاتِ نبوی علیہ السلام، اکتام المسحورین، التصریح تو اتر فی نزول المسح، نبل الفرقین فی مسئلہ فہم الیدین، مدح الیدین، کشف الشر عن صلوٰۃ الوتر، الملاء فیض الباری، تقریر بخاری وغیرہ مشہور ہیں۔

وفات: ۳ صفر ۱۳۵۲ھ رات کے آخری حصہ میں ساٹھ سال کی عمر میں دیوبند میں ہی رحلت فرمائی۔

اللہ والہ واجعون

مٹی میں کیا سمجھ کے دہاتے ہو دوستو مخفیہ علوم ہے یہ گنج زر نہیں  
آپ کے بارے میں علماء کی آراء: حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ میرے نزدیک حقانیت اسلام کی دلیلوں میں ایک دلیل مولانا محمد انور شاہ کشمیری کا امت مسلمہ میں وجود ہے اگر دین اسلام میں کسی جسم کی کبھی یا خرابی ہوتی تو آپ دین اسلام سے کنارہ کش ہو جاتے۔

مصر کے عالم علامہ سید رشید رضا نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔

مید مناظر احسن گیلانی کی تحقیق ہے کہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری کو کم سے کم پچاس ہزار عربی اشعار یاد تھے۔



ان کو کوئی بھی متاثر نہیں کر سکتا تھا۔ مگر حضرت مفتی صاحب کے بارے میں علامہ بنوریؒ نے فرمایا کہ آپ کے فقہ اور فہم کے آثار آپ کی پیشانی سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی طرح ایک موقع پر دارالحدیث میں سبق کے دوران کسی مسئلہ کے بارے میں کسی نے کہا کہ فلاں مفتی سے معلوم کر لیتے ہیں اس پر حضرت علامہ یوسف بنوریؒ نے فرمایا کہ وہ تو ابھی پاؤ بھر کا مفتی ہے۔ اگر مسئلہ معلوم کرنا ہے تو مفتی ولی حسن سے معلوم کرو کہ وہ سیر بھر کے مفتی ہیں۔

زمانہ حاضر کے فقیہان کرام اس بات کے قائل ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کے اندر اجتہادی شان تھی اور جو بھی ان کے فقہی مقالات کو دیکھے گا وہ بھی اس بات کا اقرار کرے گا اسی وجہ سے جو طلباء بنوریؒ ناؤن میں تخصص فی الحدیث یا تخصص فی الفقہ میں داخل ہوئے علامہ یوسف بنوریؒ ان پر لازم قرار دیتے کہ وہ حضرت مفتی کے درس

مولانا الیاس کاندھلویؒ فرماتے ہیں، انور شاہ صاحب کے حافظہ کا عالم یہ تھا کہ جو ایک مرتبہ دیکھ لیا اور جو ایک مرتبہ سن لیا وہ ضائع ہونے سے محفوظ اور مامون ہو گیا گویا آپ اپنے زمانے کے امام زہری تھے۔ مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ آپ کو چل پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے۔

شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں، مصر و شام کا کوئی آدمی مجھ سے پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شیخ النقی الدین ابن دینیؒ العبد اور شیخ عزیز الدین بن عبد السلامؒ کو دیکھا ہے تو میں یہ کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے کیونکہ صرف زمانہ کا تقدم و تاخر ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے شاہ صاحب کے تعویذی جلسہ میں جب تقریر شروع کی تو سب سے پہلے یہ شعر پڑھا،

ہزاروں سال زمرگس اپنی بے فوری پہ روتی ہے      بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ و درپیدا  
اور کہا کہ اسلام آخری پانچ سو سال تاریخ میں مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔  
علامہ کوثریؒ نے لکھا ہے ابن ہمام کے بعد استخراج مسائل میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی نظیر نہیں ملتی۔

ہدایہ ثانی۔ و ثالث میں ضرور شریک ہوا کریں۔ تاکہ مفتی صاحب کی فتاہت سے ان کو استفادہ ہو۔

اسی طرح سے ایک مرتبہ مفتی عبدالباقی نے لندن سے ایک ہی استفتاء دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم کراچی اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کو بھیجا۔ اس میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ آیا دارالحرب کے مسلمان کفار سے سود لے سکتے ہیں یا نہیں اس سوال کے جواب میں دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم کراچی والوں کا جواب ایک تھا کہ سود لے سکتے ہیں۔ جب کہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن سے جو جواب دیا گیا وہ اس کے خلاف تھا کہ سود کا لینا جمہور امت کے نزدیک ناجائز ہے ہاں جو مسلمان کافر ملکوں میں تجارت کی غرض سے یا سیر و سیاحت کی غرض سے گئے ہوں تو ان کے لئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سود لینے کی گنجائش ہے مگر ان کو بھی سود کا دینا جائز نہیں ہے جب کہ اس مسئلہ میں جمہور امت اور دوسرے ائمہ مجتہدین اس کے خلاف ہیں۔ محققین علماء کے نزدیک یہ خلاف احتیاط ہے۔ جن دنوں میں یہ فتویٰ لکھا گیا اتفاق سے حضرت مولانا یوسف بنوریؒ لندن میں مفتی عبدالباقی کے یہاں ہی قیام پذیر تھے۔

مفتی عبدالباقی صاحب نے اس مسئلہ کے بارے میں حضرت الشیخ بنوری رحمہ اللہ سے بھی تذکرہ کیا اور آپ کی رائے معلوم کی۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا کہ موجودہ حالات میں کفار مسلمانوں کو جس انداز سے نقصان پہنچا رہے ہیں اس کو دیکھ کر میری رائے تو یہ ہے کہ امام صاحب کے قول پر فتویٰ دینا چاہیے، پھر بھی دارالافتاء والوں کا کیا رجحان ہے معلوم نہیں یہ بات ان سے ہی معلوم ہو سکتی ہے اور انہی سے معلوم کرنا چاہیئے۔ جناب مفتی عبدالباقی صاحب نے دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم

کراچی، جامعہ بنوری ٹاؤن کے فتاویٰ حضرت مولانا رحمہ اللہ کو دکھا کر کہا کہ دونوں بڑے اداروں کے فتاویٰ بالکل آپ کی رائے کے موافق ہیں اور خود آپ کے اپنے جامعہ کے دارالافتاء کا فتویٰ آپ کی رائے کے خلاف ہے، تو حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ بہت غصہ ہوئے۔ جناب میر غلام خاں لغاری صاحب اور جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب بھانجی کو وہاں سے جو خطوط لکھے ان میں آپ نے شدید قسم کے غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ بہر حال جب حضرت مولانا رحمہ اللہ جب کراچی تشریف لائے دوسرے روز سب سے پہلے دارالافتاء سے مفتی عبدالسلام کو دفتر میں بلایا اور فرمایا آپ نے غلط فتویٰ لکھا آپ کی وجہ سے ہمارا دارالافتاء بدنام اور ہماری بدنامی ہوئی ہے۔ اس پر مفتی عبدالسلام نے عرض کیا حضرت ہم تو ابھی کچے لوگوں میں سے ہیں، حضرت مفتی صاحب کچے لوگوں میں سے ہیں ان کی تصدیق پر اعتماد کر کے کام چلا لیتے ہیں، بہت ممکن ہے غلطی ہو گئی ہوگی دوبارہ کتاب وغیرہ دیکھ لیتے ہیں۔ حضرت مولانا نے فرمایا فتویٰ میں غلطی ہوئی ہے، ساری کتابوں کو جمع کر کے اچھی طرح مطالعہ کرو، فتویٰ کا کام آسان نہیں ہے۔ اور فرمایا میں بھی مفتی ہوں اور اچھا مفتی ہوں جس زمانہ میں فتویٰ لکھتا تھا حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب اس کی تصحیح فرمایا کرتے تھے اور میرے کسی فتویٰ پر کبھی بھی شاہ صاحب نے اعتراض نہیں فرمایا۔ صرف ایک عنوان پر وہ بھی میں نے شاہ صاحب کے القابات زیادہ لکھ دیئے انھوں نے ان القابات کو کاٹ دیا اور فرمایا آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ کشمیری لکھنے کا حق ہے اس سے زیادہ القاب لکھنے کا نہیں۔

بہر حال دوسرے دن مولانا یوسف بنوری صاحب نے حضرت مفتی ولی حسن

صاحب کو اپنے گھر مدعو کیا۔ مفتی صاحب امداد الفتاویٰ بھی اپنے ساتھ لے گئے اس میں حضرت اشرف علی تھانویؒ<sup>(۱)</sup> نے دارالحرپ میں سود لینے کے جواز اور عدم جواز پر (۱) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مختصر حالات نام اشرف علی۔

ولاوت باسعادت: ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم آپ نے مولانا فتح محمد صاحب سے تھانہ بھون میں پڑھی۔ اور ذیل عقدہ ۱۲۹۵ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا ۱۳۰۹ھ میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ آپ کے استادوں میں سے مولانا محمد یعقوب نانوتوی، شیخ الہند محمود الحسن، سید احمد، قاری محمد عبداللہ مبارک و غیرہ ہیں۔ تدریس: ۱۳۱۰ھ میں آپ کانپور تشریف لے گئے اور وہاں مدرسہ فیض عام میں پڑھانا شروع کیا اور چودہ سال یہاں پڑتدریس کی اور مختلف کتابیں پڑھائیں۔

۱۳۱۵ھ میں تھانہ بھون تشریف لے آئے اور امداد اللہ مبارک کی کی خانقاہ کو آباد کیا اور ایک مرتبہ اشرفیہ کے نام سے قائم کیا۔ اور پھر تادم حیات یہاں ہی رہے۔

بیعت و سلوک: ابتداء تو مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہونے کا ارادہ تھا مگر جب مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے اور پھر دو پارہ سفر ہوا حجاز مقدس کا تو چھ ماہ حاجی امداد اللہ کی خدمت میں رہے اس کے بعد حاجی امداد اللہ نے خلافت بھی عطا فرمادی اور آپ کے مواعظ، تصانیف و غیرہ سے ہزاروں انسانوں کو فائدہ حاصل ہوا۔

اپ کو امت کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ایک موقع پر فرمایا مسلمانوں کی موجودہ حالت اور اس کے علاج کا تصور کرکھانے سے پہلے آجاتا ہے تو بھوک اڑ جاتی ہے اور سونے سے پہلے آجاتا ہے تو نیند اڑ جاتی ہے۔ آپ کے متعلمین کی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہے ان میں سے آپ نے ۱۲۹ کو خلافت مرحمت فرمائی۔ تصانیف: آپ کی تقریباً ایک ہزار کتابیں مختلف عنوانات پر تحریر فرمائیں۔

وفات: حضرت اشرف علی تھانویؒ مرض ضعف و اسہال میں دس ماہ تک جلا رہے۔ ۶ رجب ۱۳۶۲ھ ۱۹۴۱ء جولائی کی شب ۱۰ بجے مغرب کے بعد وصال فرمایا۔ اس وقت حضرت کی عمر ۹۲ سال ۱۰ ماہ ۱۰ دن کی تھی۔ جنازے کی نماز مولانا تقی محمد عثمانی نے پڑھائی اور تھانہ بھون میں ہی مدفون ہوئے۔

جو بحث فرمائی ہے حضرت مفتی صاحب نے وہ جگہ نکال کر مولانا یوسف بنوری کو دکھائی تو حضرت مولانا یوسف بنوریؒ نے ایک مرتبہ پوری بحث پڑھ لی۔ پھر جب دوبارہ مطالعہ شروع کیا تو فرمانے لگے کہ عجیب بات ہے کیا اچھی بات لکھی ہے کسی اچھی تحقیق کی ہے۔

اس بحث کی بناء پر تو آپ لوگوں کا جواب صحیح ہے مگر دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم کراچی والوں کا جواب غلط ہو جاتا ہے یہ بھی عجیب لوگ ہیں اتنی واضح بحث کے ہوتے ہوئے بھی ان لوگوں نے کیسے مفتی عبدالباقی کو لکھ دیا ہے کہ وہاں پر موجودہ حالات میں سود لینا جائز ہے مجھے ان پر ہمتا زیادہ اعتماد تھا اتنا آپ لوگوں پر اعتماد نہیں تھا۔ اس واقعہ کے بعد سے مزید حضرت مولانا بنوریؒ صاحب مفتی ولی حسن صاحب سے مزید متاثر ہوئے اور حضرت مولانا نے مفتی صاحب کو ارشاد فرمایا کہ آپ کو مجھ سے جو تکلیف پہنچی ہے وہ آپ مجھے معاف کر دیں۔

مولانا یوسف بنوریؒ حضرت مفتی صاحب کی فتاہت سے اتنے متاثر تھے کہ فرماتے تھے ”ہمارے مفتی صاحب فقیر العصر ہیں۔“

تاریخی فتویٰ اور حق کا واشگاف اعلان:

غیر کے سامنے جھک جائے یہ سر ناممکن

اس نے اے جان جہاں آپ کا درد دیکھا ہے

آپ نے اپنی زندگی میں بہت اہم فتاویٰ تحریر فرمائے یہاں پر صرف ایک تاریخی فتویٰ لکھا جاتا ہے جس فتویٰ کی وجہ سے آپ کی دینی حمیت و جرأت اور بہادری معلوم ہوتی ہے۔ اور اسی فتویٰ کے بعد عوام اور خواص میں آپ مفتی اعظم پاکستان کے نام سے مشہور ہوئے۔

سنہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء کو جناب صدر ضیاء الحق مرحوم کے دور میں اخبارات میں شرعی کورٹ پاکستان کی جانب سے ایک ”فتویٰ“ شائع ہوا اور اس کے عملی نفاذ کا حکم شرعی عدالت کی جانب سے جاری ہوا۔ جناب صدر صاحب کا شاید یہ پہلا تجربہ تھا کہ عدالت کے انگریزی خواں ججوں کے ذریعہ فتویٰ صادر کرایا جائے، پھر اس کی حقیقت بھی اسی عدالت کے ذریعہ عمل میں لائی جائے تاکہ فتویٰ کی قانونی حیثیت زیادہ مؤثر ثابت ہو۔ سوال اور اصل فتویٰ کے الفاظ تو آج تک ہماری نظر سے نہ گزرے البتہ اخبارات میں جو اس کا خلاصہ شائع کیا گیا وہ یہاں پر ذکر کرتا ہوں۔

حکومت کے جاری کردہ فتویٰ کا خلاصہ:

جو مساجد سرکاری اراضی پر حکومت کی اجازت کے بغیر بنائی گئی ہیں وہ شرعاً مساجد نہیں ہیں ان میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہیں ملتا اور حکومت نے شرعی فتویٰ کے تحت ایسی مساجد کو مسمار کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے لئے حکم نامہ جاری کر دیا ہے۔ شریعت کورٹ کے جن جج صاحبان کے دستخطوں سے فتویٰ کی بنیاد پر حکم نامہ

جاری ہوا ہے ان کے نام یہ ہیں:

- ۱۔ جسٹس آفتاب حسین صاحب، ۲۔ جناب جسٹس ظہور الحق صاحب، ۳۔ جسٹس علی حسین صاحب، ۴۔ جسٹس چودھری محمد صدیق صاحب، ۵۔ جسٹس ملک غلام علی صاحب۔

اسلامی مساجد کے بارے میں اخبارات میں اتنے بڑے اور سخت حکمنامہ کا اجراء اور پھر وہ بھی حکومت کی مکمل تائید و حمایت سے اعلیٰ عدالت کی جانب سے ہونا معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس فتویٰ کی زد میں کراچی کی نصف مساجد نہیں تو ایک تہائی مساجد یقیناً آجاتی ہیں اس لئے ملک بھر کے عوام خصوصاً کراچی والوں کو بڑی تشویش لاحق ہوئی کیونکہ بیس بیس سال بلکہ بعض مساجد میں تو تیس سال سے نمازیں پڑھائی جا رہی تھیں اور لوگوں نے اپنی علاقائی ضرورت کے تحت یہ مساجد بنائی تھیں، کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں بلکہ سرکاری افتادہ (بے آباد) زمین پر بنائی تھیں، جو کام درحقیقت حکومت کو کرنا چاہیے تھا عوام نے اپنے خرچ سے کیا تھا اور عرصہ دراز سے ایسی مساجد میں باجماعت نماز ہو رہی تھی جمعہ وعیدین کی نمازیں اور احکامات بھی ہو رہا تھا۔ ان میں بعض مساجد حکومت کی طرف سے ٹرسٹ شدہ بھی تھیں۔ حکومت نے ان میں بجلی پانی کا انتظام بھی کیا تھا۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے مساجد کو مسمار کرنے کے حکمنامہ کی وجہ سے عوام میں تشویش ہونا بجا تھا لہذا لوگوں نے مختلف دینی اداروں سے رجوع کیا۔ استثناء لکھے، اس نوع کا ایک سوالنامہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں آیا، دوسرے اداروں سے بھی یقیناً فتوے کے جواب آئے ہوں گے لیکن حکومت کی جانب سے ان کو شاید خاص اہمیت نہیں دی گئی تھی۔

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء کی جانب سے سوالنامہ کا جواب

حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ نے خود لکھا تھا اور ایسے موقع پر حکومت کے خلاف فتویٰ دینا کلمۃ حق عِنْدَ سُلْطَانِ جَانَو کا مصداق تھا۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ نے بحیثیت صدر دارالافتاء اس سرکاری فتویٰ کے رد کو مفصل اور مدلل طریقہ سے لکھا، یہ فتویٰ ماہنامہ بینات میں اشاعت کے لئے دیا گیا۔ بعد میں اخبار جنگ نے بھی اپنے صفحات میں اسے شائع کیا۔ اس سلسلے میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے دارالافتاء میں جو سوالنامہ آیا اور اس کا جواب دیا گیا یہاں پر صرف خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

سوال:

بعض اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ جو مساجد سرکاری اراضی پر حکومت کی اجازت کے بغیر بنائی گئیں ہیں وہ شرعی مساجد نہیں ہیں؟ حکومت نے ایسی مساجد کو مسمار کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ اور اس حکم کی زد میں بہت سی ایسی مساجد بھی آئیں گی جو مسلمانوں نے اپنی علاقائی ضرورت کی بناء پر بنائی تھیں اور ایک طویل عرصے سے ان میں نماز پڑھتے آ رہے ہیں کیا ایسی مساجد کو شہید کرنا جائز ہے۔ اگر جائز نہیں تو مسلمانوں کو کیا اقدام کرنا چاہیے؟

(سائل نور حسین مکان نمبر ۱۴۹، گلی نمبر ۲ لیاقت اشرف کالونی)

حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ کا جواب نو صفحات پر مشتمل تھا پھر پاکستان بھر کے جید علماء کرام کے دستخطوں کے ساتھ اب یہ منفقہ فتویٰ ۳۲ صفحات پر محیط ہو گیا۔

جواب کا خلاصہ:

(الف) مساجد شعائر اللہ میں سے ہیں۔ قرآن وحدیث کی نصوص میں مساجد کی



فضیلت اور اس کے شرف و فضل کو اہتمام سے بیان کیا گیا ہے۔

(ب) دین اسلام میں مساجد کی اہمیت کے پیش نظر شریعت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیہ) نے اسلامی حکومت کا اولین فریضہ رکھا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے زیر اثر شہروں اور آبادیوں میں مساجد تعمیر کرے اور بیت المال کی خاص مدد سے اس کے مصارف برداشت کرے۔

اگر مسلمانوں کی کوئی حکومت یا اس کا سربراہ اس میں کوتاہی کرے تو عامۃ المسلمین کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اپنی دینی تعلیم اور عبادت کے لئے ضرورت کے مطابق مدارس و مساجد تعمیر کریں۔

(ج) تعمیر مسجد کے بعد حکومت کی جانب سے ٹرسٹ ہو جانا، بجلی پانی کی منظوری دینا، نقشہ جات کا پاس کرنا بھی شرعاً حکومت کی جانب سے اجازت منظور ہوتی ہے۔  
(د) بعض مساجد میں برسہا برس سے بیٹھ وقتہ نمازیں، جمعہ، عیدین کی نماز ہوتی رہی ہیں۔ حکومت نے باوجود علم ہونے کے کوئی اعتراض نہیں کیا تو یہ بھی ایک نوع کی اجازت ہے۔

(ه) ایسی تمام مساجد شرعی مساجد ہیں مذکورہ طریق سے مساجد ایک دفعہ بن جانے کے بعد ان کو ختم نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عمارت کو مسمار کرنے کے بعد بھی وہ جگہیں شرعی طور پر مساجد کے حکم میں ہو جاتی ہیں ان پر ہمیشہ مساجد کے احکام لاگور ہیں گے۔  
(و) فقہاء کرام نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مسلمانوں کو اگر کسی جگہ مسجد کی ضرورت ہو اور حکومت کے ذریعہ یا مالک زمین مسجد کے لئے جگہ نہ دیتا ہو تو زبردستی اس پر مسجد تعمیر کی جاسکتی ہے۔ البتہ عامۃ المسلمین یا کمیٹی کے لئے ضروری ہے کہ

حکومت یا مالک کو اس وقت کے اعتبار سے قیمت ادا کر دے مگر پھر بھی بلا اجازت تعمیر شدہ مسجد شرعی مسجد کے حکم میں ہوتی ہے۔ (شامی)

(ز) استثناء میں جن مساجد کا ذکر ہے یہ سب شرعی مساجد ہیں ان کو اب نہ بند کیا جاسکتا ہے نہ انہیں دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے بلکہ تاقیامت یہ مساجد ہی رہیں گی ان میں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا جو اس کے خلاف کہتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

(ح) جس جج صاحب کی طرف منسوب کر کے حکم نامہ جاری کیا گیا ہے۔ اس سے قبل انہوں نے نے رجم جیسے حکم شرعی کا انکار کیا تھا لہذا وہ اس کا اہل ہی نہیں کہ اس کو اس اعلیٰ منصب پر فائز کیا جائے شاید اسلام مخالف لابی نے اپنا انداز بدل کر اسلام کے خلاف اب عدالتوں کے ذریعہ کام شروع کر دیا ہے۔ عوام و خواص کو چاہیے کہ ایسی مساجد کو جب اہل کار گرانے آئیں تو ان کو گرانے نہ دیا جائے بلکہ مساجد کی حفاظت کریں۔

بہر حال تعمیر مسجد اور انہدام کے بارے میں شرعی حکم پر مبنی یہ فتویٰ جب اخبارات میں شائع ہوا تو حکومت وقت نے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی رحمہ اللہ علیہ اور جو اس فتویٰ کی اشاعت میں معاون بنے سب کے نام تو جین عدالت کا مقدمہ دائر کر دیا اور ۹۔ اپریل ۱۹۸۳ء کو سندھ ہائی کورٹ کراچی میں پیشی اور جواب دعویٰ کے لئے سمن جاری کیا گیا۔ اجراء سمن سے علماء کرام اور مسلمان عوام و خواص میں ایک بے چینی سی پیدا ہو گئی کہ حکومت وقت کی نیت درست نہیں، اسلامی ہونے کی دعویدار حکومت کے لئے یہ کپ روا ہے کہ وہ شرعی مفتی کے خلاف تو جین عدالت کا مقدمہ قائم کرے؟ اس سے قبل تاریخ میں بے شمار واقعات ہیں کہ علماء دین نے حکومت وقت اور ان کے نمائندہ ججوں اور قاضیوں پر تنقید کی ہے مگر

ان کے خلاف کبھی توہین عدالت کا مقدمہ قائم نہیں کیا گیا۔ بہر حال توہین عدالت کے مقدمے کے واسطے سمن جاری کرنے کے بعد حضرت مفتی ولی حسن صاحب اور حضرت مولانا ادریس میرٹھی صاحب رحمہما اللہ علیہ نے جواب دعویٰ کے لئے مواافراہم کرنے کے لئے مفتی عبدالسلام چانگامی نائب رئیس دارالافتاء جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کو حکم دیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اساتذہ کرام کی دعاؤں کی برکت سے پانچ روز کی محنت سے جواب دعویٰ کا مضمون مع دلائل تیار کر لیا جو دونوں حضرات نے ایک نظر دیکھ بھی لیا اور بہت خوش ہوئے۔

۹ اپریل ۱۹۸۳ء کو کراچی کی عدالت میں پیشی ہوئی، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے اساتذہ و طلباء کے علاوہ کراچی کے دوسرے مدارس کے طلباء اور عام لوگوں میں دیندار طبقے کا ایک بڑا جم غفیر تھا۔ عدالت کے کمرے بلکہ پورا احاطہ علماء اور طلباء سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا ادریس میرٹھی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے مقدمہ میں معاونت کے لئے سپریم کورٹ کے وکیل جناب ایڈوکیٹ اقبال صاحب اور ایڈوکیٹ خولجہ شرف الدین صاحب بھی موجود تھے۔ شریعت کورٹ کے پانچ جج صاحبان آئے ہوئے تھے۔ عدالت کی کارروائی شروع ہوئی، جناب چیف جسٹس آفتاب صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو مخاطب کر کے کہا آپ کا وکیل کون ہے؟ حضرت نے فرمایا بیان میں خود دوں گا، میرے معاون جناب اقبال صاحب ہوں گے۔ اس کے بعد جناب چیف جسٹس صاحب نے کہا کہ حکومت کی جانب سے تعمیر مساجد اور ان کے انہدام کے بارے میں فتویٰ پر آپ نے تنقید کی جب کہ حکومت کی جانب سے جاری کردہ فتویٰ کی بنیاد مفتی اعظم پاکستان

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے جو فتاویٰ دارالعلوم میں مذکور ہے۔  
بہر حال آپ مفتی ہونے کی حیثیت سے فتویٰ پر تنقید کر سکتے ہیں مگر عدالت کے ججوں  
پر ذاتی حملے نہیں کر سکتے، آپ نے ذاتی حملے کئے ہیں اس کا جواب دیں۔

حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ نے اپنے عام سادہ لباس میں کھڑے ہو  
کر خطبہ مسنونہ کے بعد حضرت حمیم داری کی روایت ”الَّذِينَ النَّصِيحَةُ“ کو پڑھا اور  
اس کی تشریح کرنی شروع کر دی۔ جناب چیف جسٹس نے غصے کے لہجے میں کہا آپ  
کا دھڑسنے کے لئے ہم یہاں نہیں بیٹھے ہیں، بلکہ توہین عدالت کی بناء پر جو مقدمہ  
آپ کے خلاف قائم کیا گیا ہے اس کا جواب دیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا  
اس کا جواب تو دے رہا ہوں اگر میرا بیان سننا چاہتے ہیں تو سنیں، فتویٰ سے میرا مقصد  
کسی کی توہین نہ تھا نہ جج صاحبان پر تنقید مقصود تھی۔ اگر آپ اس کو مانتے ہیں تو اچھا  
ہے ورنہ میں اپنے فتویٰ پر اور تنقید پر قائم ہوں اگر آپ مجھ سے معافی منگوانا چاہتے  
ہیں تو سنئے میرا تعلق علماء دیوبند سے ہے، علماء دیوبند نے آج تک کبھی بھی انگریزی  
طرز کی عدالت سے معافی نہیں مانگی ہے آپ جو چاہیں کریں۔ یہ سننا تھا کہ کمرہ  
عدالت بلکہ پورے احاطہ میں نعرہ تکبیر اللہ اکبر، مفتی اعظم زندہ باد، مفتی ولی حسن زندہ  
باد، علماء دیوبند زندہ باد کے نعرے شروع ہو گئے۔ تقریباً دس پندرہ منٹ تک چاروں  
طرف نعرے ہی گونجتے رہے۔ جج صاحبان اس منظر کو دیکھتے ہوئے اٹھ کر اپنے خاص  
کمرہ میں تشریف لے گئے۔ نعرے ختم ہونے کے پانچ دس منٹ کے بعد دوبارہ اپنی  
نشستوں پر آ کر بیٹھے اور مفتی صاحب سے مخاطب ہو کر کہا آپ یہ کرائے کے لوگ  
لائے ہیں اس پر تو دوسرا مقدمہ قائم ہو سکتا ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا میں

نے نہ کسی کو بلایا ہے نہ کسی کو آنے کو کہا ہے۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے اس پر آپ جیوت پیش نہیں کر سکتے یہ محض مجھ پر الزام ہے۔ عدالت کا وقت ختم ہو گیا چیف جسٹس صاحب نے اعلان کیا کہ آئندہ عدالت کی کارروائی ۲۵ اپریل ۱۹۸۴ء کو اسلام آباد میں ہوگی وہاں پر پیش ہو کر جواب دیجئے گا۔

۲۵ اپریل کو جب دوبارہ پیشی کا وقت آیا تو اس وقت پاکستان کے مختلف علاقوں سے بھی علماء و طلباء اور بہت سے دیندار مسلمان عدالت میں پہنچنے والے تھے، حکومت وقت نے اس کو محسوس کیا۔ دو روز قبل اسلام آباد کے چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی گئی، فوج متعین کر دی گئی تاکہ باہر سے کوئی وارنٹی والا شخص اسلام آباد کی حدود میں داخل نہ ہو سکے مگر سخت چیکنگ اور پہرے کے باوجود بہت سے لوگ عدالت کے باہر ایک درخت کے نیچے جمع ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ کمرہ عدالت میں گنجائش بہت کم تھی، عدالت کی کارروائی سننے والوں میں مجلس شوریٰ کے رکن مولانا سمیع الحق صاحب، قاری امین الحق صاحب راولپنڈی والے، سواد اعظم پاکستان کے ناظم اعلیٰ مولانا اسفندیار صاحب، جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا مفتی احمد الرحمان صاحب رحمہ اللہ، مدیر بیانات مولانا اور لیس میرٹھی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹوکی رحمہ اللہ ان کے ہمراہ معاون کی حیثیت سے ایڈوکیٹ شرف الدین صاحب وغیرہ تھے مقدمہ میں جواب دعویٰ کے لئے تیار کئے گئے مضمون کی پانچ کاپیاں بنائی گئی تھیں تاکہ پانچوں جج صاحبان کو الگ الگ دیا جاسکے۔ عدالت کی کارروائی شروع ہو گئی مگر عدالت کا رویہ آج سخت ہونے کے بجائے نرم رہا۔ چیف جسٹس صاحب نے پرانے فتویٰ کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی صاحب اور خواجہ

شرف الدین صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ حکومت نے جو فتویٰ شائع کیا ہے اس کی بنیاد مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا فتویٰ ہے۔ جناب صدر ضیاء الحق صاحب نے استثناء کیا اور جسٹس پیر کرم الہی صاحب نے جواب لکھا ہے اور دیگر جج صاحبان نے اس سے اتفاق کیا ہے۔ اگر مفتی ولی حسن صاحب پہلے سے ان باتوں کی تحقیق کر لیتے تو اس قسم کی صورت حال پیش نہ آتی۔ مزید یہ کہ جناب مفتی صاحب، صاحب علم ہیں انہوں نے بعض ججوں کے رحم کے فیصلے پر تنقید کی تھی مگر یہ فیصلہ کالعدم قرار دیا گیا ہے اور اب اس کے تہ کرے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

چیف جسٹس صاحب کے وضاحتی بیان کے بعد ایڈووکیٹ شرف الدین صاحب نے کہا کہ میرے موکل مفتی ولی حسن صاحب کا مضمون اصلی مسئلہ کی صورت حال کی وضاحت تھی پھر اس میں ججوں کے خلاف جو بات آگئی وہ بغرض تنقید ہے، توہین کی نیت نہیں تھی۔ اس پر چیف جسٹس نے کہا کہ علماء کا دینی فریضہ ہے کہ وہ غلطیوں کی اصلاح کریں اور اس سلسلے میں علماء کرام کو کسی بھی غلط بات پر تنقید کرنے کا حق تو ہے مگر کسی پر ذاتی حملہ اور توہین کا حق قطعاً نہیں ہے۔ اس پر حضرت مفتی ولی حسن صاحب نے فرمایا میرے مضمون سے میرا مقصد تعمیر مساجد کے سلسلے میں حکومت کی جانب سے جو فتویٰ بدوین کسی حوالے کے شائع ہوا ہے اس پر تنقید کرنا ہے ججوں کا ذکر ضمنی طور پر بغرض تنقید آیا ہے اس سے میرا مقصد توہین ہرگز نہیں ہے۔ کیا میری کسی کے ساتھ دشمنی ہے؟ میں ان کی اکثریت کو ذاتی طور پر جانتا بھی نہ تھا میری کسی سے ذاتی عداوت تو ہوا ہی تھی؟

اس پر چیف جسٹس صاحب نے کہا جو مضمون آپ نے زبانی اختیار کیا ہے اس کو

مختصر الفاظ میں تحریر میں لے آئیں کیونکہ جواب دعویٰ کا تیار شدہ مضمون لمبا ہے اس کو پڑھنے کا وقت نہیں مسئلہ کو آج ہی نمٹانا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب نے ایک صفحہ کا مضمون حدیث شریف کے حوالہ اور نظائر کے ساتھ لکھ دیا کہ علماء تنقید کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد عدالت نے مفتی صاحب پر سے توہین عدالت کا مقدمہ خارج کر دیا اور آپ کو باعزت بری قرار دیدیا گیا۔ چونکہ مقدمہ میں اصل آپ ہیں اس لئے آپ کے بری ہونے کے بعد دوسرے حضرات خود بری ہو جاتے ہیں۔ لہذا حضرت مولانا اور لیس میرٹھی صاحب اور دوسرے متعلقین بھی بری ہو گئے۔ البتہ مالک جنگ اخبار میر ظلیل الرحمان صاحب کی جانب سے اس سے قبل معافی نامہ داخل کیا گیا تھا اور حاجی ذکی صاحب کسی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے۔ اس کا رروائی کے بعد جج صاحبان کی طرف سے مفتی صاحب اور آپ کے رفقاء کو چائے کی دعوت دی گئی لیکن حضرت مفتی ولی حسن صاحب اور ان کے رفقاء نے معذرت کر لی۔

اس کے بعد پنڈی میں دو تین مدارس میں مفتی صاحب نے خطاب کیا پھر وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز شام کو کراچی پہنچے۔ کراچی ائر پورٹ پر اکثر مدارس کے اساتذہ و طلباء کے ساتھ ویدار مسلمانوں کی بڑی تعداد نے آپ کا شاندار استقبال کیا۔

ائر پورٹ کی فضا نعرہ بکبیر اللہ اکبر مفتی اعظم زندہ باد، علماء دیوبند زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ ائر پورٹ کے باہر کا علاقہ استقبال کرنے والوں سے کچا کھج بھرا ہوا تھا۔ ائر پورٹ سے پورے چھ گھنٹے میں آپ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن پہنچے، راستے میں، احباب کے اصرار پر جامعہ فاروقیہ تشریف لے گئے۔ وہاں تھوڑی دیر آپ نے مقدمہ کا مختصر احوال سنایا اور تقریر فرمائی اس کے بعد وہاں

سے بنوری ٹاؤن پہنچے۔

اس مقبولیت عامہ کے بعد آپ کا لقب مفتی اعظم ہو گیا اور مفتی اعظم پاکستان کے نام سے مشہور ہوئے ورنہ کسی ادارہ نے باقاعدہ آپ کو مفتی اعظم نہیں بنایا تھا نہ ہی ایسا کوئی ادارہ پاکستان میں ہے اور حکومت کی جانب سے بھی کوئی ایسا عہدہ نہیں ہے نہ دینی جماعتوں اور شخصیات کی جانب سے کوئی ایسا قانون یا اصول ہے کہ خاص شرائط کے ساتھ کسی کو مفتی اعظم قرار دیا جائے بلکہ یہ بات تو لوگوں کی زبان پر آگئی تھی ”آوازِ خلق کو نفاذِ خدا سمجھو“ قدرت کی جانب سے آپ کی شہرت چہار سو سے عالم میں پھیل گئی۔ اس کے بعد اہل علم و علماء بھی مفتی اعظم پکارنے اور لکھنے لگے۔ جنگ اخبار میں شائع ہونے والی رپورٹ ملاحظہ فرمائیے:

وفاقی شرعی عدالت نے مفتی ولی حسن، مولانا ادریس میرٹھی

اور روزنامہ جنگ کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ خارج کر دیا

اسلام آباد ۲۵۔ اپریل (نمائندہ جنگ) وفاقی شرعی عدالت نے آج ممتاز عالم دین مفتی ولی حسن، ماہنامہ ”بینات“ کے ایڈیٹر مولانا محمد ادریس، روزنامہ جنگ کے ایڈیٹر انچیف میر ظلیل الرحمان، پرنٹرز پبلشر میر جاوید الرحمن اور جنگ کے صفحہ اقرام کے انچارج جناب محمد جمیل کے خلاف توہین عدالت کا مقدمہ خارج کر دیا جب کہ ماہنامہ ”بینات“ کے پرنٹر حاجی محمد زکی کے خلاف آئندہ کسی تاریخ کو مقدمہ کی سماعت ہوگی کیونکہ وہ آج بوجہ عدالت عدالت میں حاضر نہیں تھے۔ جنگ کے ایڈیٹر انچیف، پرنٹر پبلشر اور جناب محمد جمیل نے عدالت کو تحریری معافی نامہ پیش کیا جب کہ مفتی ولی



حسن اور مولانا محمد ادریس میرٹھی نے بھی عدالت میں تحریری بیانات داخل کئے۔ وفاقی شریعت عدالت جناب جسٹس آفتاب حسین، جناب جسٹس علی حسین قزلباش، جناب جسٹس ظہور الحق، جناب جسٹس چوہدری محمد صدیق اور جناب جسٹس مولانا ملک غلام علی پر مشتمل تھی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مساجد کی تعمیر کے سلسلے میں مفتی ولی حسن کا مضمون ۱۱ مارچ روزنامہ جنگ میں شائع ہوا تھا جس کا عدالت نے نوٹس لے کر مفتی ولی حسن اور جنگ کے ایڈیٹر انچیف، پرنٹر و پبلشر کو توہین عدالت کے نوٹس جاری کئے تھے۔ ۹ اپریل کو اس مقدمہ کی کراچی میں پہلی پیشی تھی۔ اس روز جنگ کے ایڈیٹر انچیف میر غلیل الرحمان نے عدالت میں پیش ہو کر بتایا تھا کہ زیر بحث مضمون ماہنامہ ”بینات“ کراچی سے نقل کیا گیا تھا۔ جنگ پہلے ہی اس سلسلے میں معذرت شائع کر چکا ہے۔ اس روز عدالت نے ”بینات“ کے ایڈیٹر مولانا محمد ادریس، پرنٹر حاجی محمد ذکی اور جنگ کے صفحہ اقرء کے انچارج محمد جمیل کو بھی نوٹس جاری کرنے کی ہدایت کی تھی۔ میر جاوید الرحمان اس وقت ملک سے غیر حاضری کی بناء پر عدالت میں پیش نہ ہو سکے۔ مفتی ولی حسن کے وکیل نے عدالت سے استدعا کی تھی کہ انھیں کیس کی تیاری کے لئے وقت دیا جائے اس پر عدالت نے آج کی تاریخ مقرر کی تھی۔ آج عدالت نے توہین عدالت کے نوٹس خارج کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ مفتی ولی حسن کے تحریری بیان اور زبانی وضاحت کو قبول کر لیا جائے۔ فاضل عدالت نے مولانا محمد ادریس کے وکیل کو بھی موقع دیا کہ وہ اگر چاہیں تو اپنا تحریری بیان واپس لے کر مفتی ولی حسن صاحب کے تحریری بیان اور زبانی موقف کو اپنائیں۔ اس پر مولانا محمد ادریس کے وکیل نے عدالت کو بتایا کہ وہ اپنے موکل مولانا محمد ادریس کی ہدایت کے مطابق ان کا تحریری

کردہ بیان واپس لیتے ہیں اور مفتی ولی حسن صاحب کے بیان سے اتفاق کرتے ہیں۔ عدالت نے مولانا محمد اور بیس کو تحریر بیان واپس لینے کی اجازت دے دی۔ قاضی عدالت نے جنگ کے ایڈیٹر انچیف اور پرنٹر و پبلشر اور صفحہ اقرام کے انچارج کا معافی نامہ بھی منظور کر لیا۔ چونکہ ماہنامہ ”بینات“ کراچی کے پرنٹر حاجی محمد زکی نے عدالت کی بناء پر آج کی پیشی سے معذرت کی تھی اس لئے عدالت نے انہیں علیحدہ کسی دوسری تاریخ پر حاضر ہونے کا حکم صادر کیا۔ اس سے قبل وکیل صفائی خواجہ شرف الاسلام نے توہین عدالت کا معاملہ شریعت عدالت سے مربوط نہ ہونے کے بارے میں نکتہ پیش کرنے کی کوشش کی تو قاضی چیف جسٹس آفتاب حسین نے کہا کہ اس وقت ایسی کوئی درخواست عدالت کے روبرو پیش نہیں ہے اس کے لئے علیحدہ سے درخواست دی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد وکیل صفائی نے اپنے موکلوں سے مشورے کے لئے عدالت سے استدعا کی کہ پانچ منٹ کا وقفہ کیا جائے۔ عدالت نے اس استدعا کو منظور کرتے ہوئے وقفہ کر دیا۔ وقفہ کے بعد مفتی ولی حسن نے وفاقی شریعت عدالت کو زبانی بتایا کہ انھوں نے اپنے فتوے میں جو کلمات تحریر کئے ہیں وہ بدعتی پر مبنی نہیں تھے اور نہ ہی کسی کی توہین مقصود تھی۔

**مفتی ولی حسن کا تحریری بیان:**

مفتی ولی حسن نے درج ذیل تحریری بیان وفاقی شرعی عدالت اسلام آباد میں داخل کیا۔ مساجد سے متعلق میرا جو فتویٰ رسالہ ”بینات“ بابت ماہ مارچ ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا ہے وہ میری بصیرت اور علم کی حد تک صحیح ہے اور میں اب بھی اس پر قائم ہوں، اس فتویٰ پر ملک بھر کے علماء اور مفتیان کرام کے دستخط موجود ہیں جنہوں نے فتویٰ کے

دلائل اور اس کے پورے الفاظ کی توثیق و تصدیق کی ہے۔ فتویٰ میں عدالت عالیہ نے جن الفاظ کو قابل اعتراض قرار دیا ہے اس سے میرا مقصد عدالت یا کسی شخص کی توجہ پر قطعاً نہیں تھا۔ نیت کا اعتبار اسلامی قانون اور جدید قانون دونوں میں مساوی ہے۔ وفاقی شریعت عدالت کے ساتھ توہین عدالت کا قانون غیر مربوط ہے۔ اسلام کے ذریعے اور شاداب دور میں قضاۃ اور ولایۃ اور امراء کو سخت ست کہا گیا لیکن ان کو کوئی ہرجا نہیں دی گئی۔ اس قسم کے محاسبہ کی مثالیں عبدالعزیز البدری کی کتاب ”..... اسی طرح“ اخبار القضاۃ“ وغیرہ میں ہیں ایک مثال قاضی معاذ بن معاذ کی ملتی ہے رسول اکرم ﷺ نے جب ایک فیصلہ بطور حکم فرمایا تو آپ ﷺ سے کہا گیا کہ مدعی آپ ﷺ سے رشتہ داری ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا چہرہ بدل گیا البتہ کہنے والے کو کوئی سزا نہیں دی۔ (اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے صحیح بخاری کتاب الشہادت ج ۱ ص ۳۷۱) اور اپنے اس موقف کو ۹۹ پر پیل کو میں زبانی پیش کر چکا ہوں۔

### انتظامات:

آج کسی ناخوشگوار واقعہ کی روک تھام کے لئے صبح سے اسلام آباد کے مختلف راستوں پر پولیس کی کافی تعداد موجود تھی وفاقی شرعی عدالت کی کارروائی سننے کے رجسٹرار نے مختلف افراد کو خصوصی پاس جاری کئے تھے۔ متعدد علماء کرام عدالت عالیہ عمارت کے باہر بیٹھے ہوئے فیصلے کا انتظار کرتے رہے۔ جب فیصلہ سنایا گیا اور مولیٰ حسنؒ اور مولانا محمد ادریسؒ مدیر ”مہجرات“ عدالت عالیہ کے احاطے سے باہر آئے باہر بیٹھے ہوئے علماء کرام نے انھیں گھیر لیا اور تمام علماء جلوس کی شکل میں راولپنڈی روانہ ہو گئے۔ مقدمہ کی کارروائی سننے کے لئے جو علماء کرام عدالت میں موجود تھے

میں مولانا اسفندیار خان، مفتی احمد الرحمان، قاری محمد یوسف، قاری محمد امین، دارالعلوم تعلیم القرآن کے قاضی احسان الحق، مجلس شوریٰ کے رکن مولانا سمیع الحق اور مولانا چراغ الدین شاہ شامل تھے۔ مفتی ولی حسن اور مولانا محمد ادریس کی طرف سے خواجہ شرف الاسلام ایڈووکیٹ نے بیرونی کی۔ جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی نائب امیر اور سرحد کے عالم دین مولانا محمد ایوب جان بنوری جب وفاقی شرعی عدالت میں مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن کی پیشی کے سلسلے میں اسلام آباد پہنچے تو انھیں عدالت عالیہ تک جانے سے روک دیا گیا اور حافظہ محمد زمر د خان، ناظم اعلیٰ مدرسہ خدام الدین انک کو فیکسلا میں روک لیا گیا۔ مولانا ایوب بنوری نے ایک بیان میں وفاقی شریعت عدالت کی کارروائی دیکھنے کے لئے آنے والے لوگوں کو ضلعی انتظامیہ کی طرف سے رکوانے پر افسوس کا اظہار کیا۔

### مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کا قیام اور اس کی رکنیت:

اس میں ایسے علماء کو رکھا گیا تھا جن کے علم، تقویٰ، فہم، بصیرت پر امت کو اعتماد ہو۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ جو جدید مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں ان کی تحقیق کے لئے کبار علماء کی ایک جماعت قائم کی جائے تاکہ نووارد مسائل کی تحقیق کرے اس مجلس میں جہاں پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ و حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ صاحب حضرت مولانا مفتی محمودؒ<sup>(۱)</sup> صاحب حضرت مولانا

(۱) قائد ملت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات

نام: محمود۔ لقب: قائد ملت۔

ولادت: باسعادت: ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ بمطابق ۱۹۱۹ء میں (لاہور) ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم مقامی علماء سے حاصل کی اور پھر تحصیل کے لئے مدرسہ شاہی مراد آباد جواس دور میں بڑا مشہور مدرسہ تھا جس میں بڑے بڑے علماء محدثین تھے وہاں تشریف لے گئے۔

تدریس: آپ نے ابتداء تدریس مدرسہ معین الاسلام عسلی خیل ضلع میانوالی میں شروع کی اور پھر بابا خیل میں تدریس کی۔ اس تدریس میں چار چاند اس وقت لگا جب آپ ۱۹۵۵ء میں صدر مدرس قاسم العلوم ملتان میں شیخ الحدیث بنے اور بخاری کا درس بڑے شان کے ساتھ دیا۔

بیعت و سلوک: آپ نے بیعت کا سلسلہ سید عبدالعزیز کے ساتھ قائم کیا۔ بہت ہی جلدی آپ نے سلاسل اربعہ میں مجاز ہو گئے۔

سیاست میں حصہ: مراد آباد کے پڑھائی کے زمانے میں ہی آپ نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اور پھر ۱۹۳۳ء کے انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کی وجہ سے چھ ماہ محبوس کر دیا گیا۔ پھر ۱۹۳۹ء میں جب علماء کوٹن کا اجلاس ہوا جس کی صدارت وقت کے قسب حضرت احمد علی لاہوری نے فرمائی تو جمعیت علماء اسلام کی نگہداشت کی ذمہ داری آپ کو دی گئی۔ اور پھر آپ کو نائب امیر بنادیا گیا۔

۱۹۶۲ء کے انتخابات میں حصہ لیا اور عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔

اسمبلی میں پہنچ کر ہمیشہ حق کی آواز بلند کرتے رہے۔

۱۹۷۲ء میں آپ وزیر اعلیٰ سرحد بنے آپ نے اپنے دور وزارت میں قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی۔ وزیر اعلیٰ بننے کے ساتھ ہی آپ نے پورے صوبے میں شراب پر مکمل پابندی عائد کر دی۔ اسکول اور کالج کی ابتدائی کلاس میں میٹرک کے ساتھ ناظرہ قرآن اور نماز با ترجمہ یاد کرنے کو لازم قرار دے دیا۔ سوہو قرار بازی پر پابندی لگا دی۔ وزیر اعلیٰ کی قیام گاہ پر اذان اور نماز ہوتی اور وزیر اعلیٰ خود ہی امامت کرواتے۔

نومائیک آپ اس عہدے پر رہے پھر بعض حالات کی وجہ سے حکومت چھوڑ دی۔

۱۹۷۳ء میں تحریک ختم نبوت کی بے مثال اور کامیاب قیادت کی۔ اور آپ کی ہی قیادت میں یہ عظیم الشان کارنامہ اسمبلی نے سر انجام دیا کہ دستور میں ترمیم کر کے تقاضا دیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

مفتی رشید احمد<sup>(۱)</sup> صاحب تھے تو اس میں حضرت مفتی ولی حسن صاحب بھی اس مجلس اعلیٰ: آپ نے اپنی زندگی ایک طرف تو سیاست میں مشغول رکھی دوسری طرف درس تدریس بھی جاری رکھی۔ اس کے باوجود آخری سالوں میں آپ نے ترمذی شریف کی عربی شرح لکھنا شروع کی اور جب آپ ابواب القدر والا ایمان تک پہنچے تو پیغام اجل آگیا۔ اللہ وانا الیہ راجعون۔

وفات: آپ کی وفات ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء میں اس طور پر آئی کہ آپ عزم بیت اللہ کے ساتھ کراچی پہنچے اور پھر علماء کی مجلس میں زکوٰۃ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے جب دائمی حق نے عداوی تو انتظار کئے بغیر ایک کہہ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔

(۱) مفتی رشید احمد لدھیانوی کے مختصر حالات

نام: رشید احمد۔ لدھیانہ سے تعلق تھا۔ آپ کے والد حضرت اشرف علی قانوی سے صحبت یافتہ تھے اور بزم اشرف میں صاحب الروایات کے نام سے مشہور تھے۔

ولادت: باسعادت: ۳۰ صفر ۱۳۳۱ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء۔

تعلیم و تربیت: والد ماجد نے ابتدا قرآن مجید، نماز وغیرہ کی تعلیم دی پھر آپ نے پرائمری اسکول میں چھٹی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر عربی تعلیم کے لئے مکتبہ شریف ملتان کے قریب مدرسہ میں فارسی وغیرہ کی کتب پڑھیں۔

پھر ۱۳۵۳ھ میں جہانگیر آباد تحصیل قانوال میں فارسی کے ساتھ عربی کی تعلیم حاصل کی۔

اس کے بعد گنہر ضلع گوجرانوالہ اور پھر جھنگ میں بھی کچھ مدت تک پڑھا اور پھر مدرسہ داراللمدنی ٹھٹھہ (سندھ) میں پڑھا۔

۱۳۵۹ھ میں مقبولات پڑھنے کے لئے گجرات (پنجاب) تشریف لے گئے ایک سال میں آپ نے تیس کتابیں پڑھیں۔

۱۳۶۰ھ میں آپ دورہ حدیث کے لئے مشہور زمانہ دینی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور دورہ حدیث وہاں پڑھا۔

درس تدریس: دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے تدریس کی ابتداء مدرسہ دارالعلوم ضلع حیدرآباد سندھ سے کی۔

۱۳۶۳ھ آپ کو وہاں پر صدر مدرس بنادیا گیا اور اسی سال آپ نے بخاری اور دوسری بعض کتب احادیث بھی پڑھائیں۔

۱۳۶۶ھ سے ۱۳۶۹ھ تک آپ اس مدرسہ کے شیخ الحدیث ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کے افتاء کا بھی تمام کام سنبھالتے رہے۔

۱۳۷۰ھ میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب کی فرمائش پر آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی تشریف لائے اور پھر ۱۳۷۶ھ سے ۱۳۸۳ھ تک دارالعلوم کورنگی میں شیخ الحدیث رہے۔ اسی دوران دارالافتاء کی ذمہ داری بھی آپ پر رہی۔

فقہ سے مفتی صاحب کو غیر معمولی دلچسپی تھی۔ گویا فقہ آپ کے رگ و پے میں سمویا ہوا تھا اور حنا بچھوٹا آپ کا نقیہ بن گیا تھا۔

۱۳۸۳ھ کو آپ نے اپنے شیخ و مربی حضرت مولانا شاہ عبدالغنی چلوپوری کی خواہش پر دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کی بنیاد رکھی۔ یہاں پر فارغ التحصیل علماء کو ترین و افتاء کروایا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ جمعہ کے دن خصوصی اور ہر روز عمومی طور پر عصر کے بعد روزانہ آپ کی مسجد میں اصلاحی مجلس ہوتی تھی جس میں کثیر تعداد میں مرد و خواتین فیضیاب ہوتے تھے اور بہت سے لوگوں کی اس مبارک مجلس سے اصلاح ہوئی۔

تصانیف: آپ نے مختلف مفاہات پر تقریریں اور سو رسائل لکھے ان میں سے احسن الفتاویٰ آپ کے یادگار فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

اس کے علاوہ ارشاد القاری، دلی مجمع البخاری، حقیقت شیعہ، فقہ انکار حدیث، مودودی اور تحریب اسلام، اسلام کا عادلانہ نظام معیشت، تقسیم وراثت کی اہمیت کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

وفات: ۶ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۹ فروری ۲۰۰۲ء کو اس دار فانی سے دار باقی کی طرف رخصت ہوئے۔ انا لله وانا الیه راجعون۔

کے رکن رکیمن تھے اور اس کے ہر اجلاس میں حضرت مفتی صاحب اپنے علم و فضل اور  
فقہ سے لوگوں کو متاثر کرتے اور جب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب حضرت  
مولانا یوسف بنوریؒ اور مفتی محمود وغیرہ دنیا سے رخصت ہو گئے اس کے بعد تو اس مجلس  
کی روح حضرت مفتی صاحب ہی ہوا کرتے تھے۔ ان اکابرین علماء کے رخصت ہو  
جانے کے بعد ارشاد فرمایا کرتے کہ اب پہلے والی بات نہیں رہی ہے اب اس مجلس میں  
جانے کا جی نہیں چاہتا اور وہ حضرات علم والے تھے ان کے ساتھ علمی بحث بھی ختم  
ہوگی۔ نیز ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ اب اجلاس میں شرکت کرنے کا جی بھی نہیں چاہتا  
کیونکہ اب تحقیق کرنے والے نہ رہے اور نہ اب کوئی علمی بحث ہوتی ہے اب تو حال یہ  
ہے کہ جس کو بھی تقریر آتی ہے وہ بڑا مفتی ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ آپ مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے اجلاس میں تقریباً دس بارہ سال تک  
اہتمام سے شرکت فرماتے رہے اور جب کبار علماء دنیا سے رخصت ہو گئے تو پھر  
شرکت ترک کر دی ہاں بعض مرتبہ اہل علم کے اصرار کرنے پر کبھی کبھار اس کے اجلاس  
میں شرکت فرما لیتے تھے۔

### نگران تخصص فی الفقہ الاسلامی:

۱۹۵۳ء میں وقت کے محدث العصر علامہ یوسف بنوریؒ نے جب جامعہ العلوم  
الاسلامیہ کی بنیاد رکھی تو ان کی تمنا یہ ہوئی کہ یہاں پر تخصص فی الفقہ الاسلامی کا سلسلہ  
شروع کیا جائے جس میں درس نظامی سے فارغ التحصیل طلباء کو فقہ کی بنیادی کتب مثلاً  
بدائع الصنائع، درالمنہاج، جامع الفصولین، شرح الاشیاء والنظار وغیرہ اور ان میں قضاء



واقفہ کی بھی تربیت اس طرح سے دی جائے کہ پیش آمدہ مسائل وحالات کو ان کتابوں کے مسائل کی روشنی میں حل کر سکیں اس اہم کام کے لئے حضرت مولانا یوسف بنوریؒ کی نظر حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ پر ہی پڑی جو اس کام کے لئے بالکل موزوں تھے۔ اسی طرح یہ تخصص فی الفقہ الاسلامی کا اجراء جامعہ العلوم الاسلامیہ میں شروع ہو گیا۔ اس تخصص کی ابتداء پورے ایشیاء میں پہلی مرتبہ جامعہ العلوم الاسلامیہ میں ہی ہوئی اور اس کے نگران حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ ہوئے اور اس ذمہ داری کو حضرت مفتی صاحبؒ اپنے اس اصول وقوانین کے ساتھ پچیس سال تک اس بڑی آن و شان کے ساتھ نبھایا جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اس میں بھی سیکڑوں علماء نے آپؒ سے پورا فائدہ اٹھایا۔

دارالافتاء کی صدارت:

جس میں دنیا بھر کے مختلف ممالک اور پاکستان کے گوشہ گوشہ سے آنے والے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ نیز روزانہ بیسیوں حضرات زبانی اور ٹیلی فون کے ذریعہ مسائل کو دریافت کرتے ہیں۔ اس دارالافتاء کی بھی ذمہ داری شروع سے ہی مولانا یوسف بنوریؒ نے حضرت مفتی صاحبؒ پر اعتماد کرتے ہوئے انہی کو دی ان پر اعتماد کرتے ہوئے۔ کیونکہ اور جامعہ العلوم الاسلامیہ کے فتویٰ کی جو مقبولیت عوام اور خواص میں ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ آپؒ نے یہاں بیٹھ کر ہزاروں فتوے جاری کئے اور ہزاروں لوگوں کی علمی پیاس کو بجھایا۔

## حضرت مفتی ولی حسن کے فتاویٰ کی خصوصیت

آپ کی طبیعت میں بہت زیادہ نرمی تھی، اس نرمی کا اثر آپ کے فتاویٰ میں بھی ظاہر ہوتا تھا کوشش یہ فرماتے کہ کسی طرح سے اس مسئلہ میں گنجائش نکل آئے۔ یہی ایک مفتی کی صفت ہونا چاہیے جسے حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں،

وفی عمدة الاحکام من کشف البزوری يستحب للمفتی الاخذ  
بالرخص تيسراً على العوام مثل التوضی بماء الحمام والصلوة فی  
الاماکن الطاهرة بدون المصلی الخ.

کشف البزوری کے حوالہ سے عمدة الاحکام میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مفتی کے لئے مستحب ہے کہ عوام کی آسانی کی وجہ سے رخصتوں پر فتویٰ دے جیسے حمام کے پانی سے وضو کرنا اور پاک جگہوں میں بغیر جائے نماز کے نماز پڑھنا وغیرہ۔  
دوسری جگہ پر شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں،

ينبغي للمفتی ان ياخذ بالایسر فی حق غیره خصوصاً فی حق  
الضعفاء قوله عليه الاسلام ابی موسیٰ الاشعری ومعاذ حینما بعث الی  
البن یسراً ولا تعبراً.

مناسب یہ ہے کہ مفتی ایسا قول اختیار کرے جو دوسروں کے حق میں خصوصاً کمزوروں کے حق میں آسانی پیدا کر دے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو ارشاد فرمایا تھا کہ تم دونوں آسانی کرنا اور تنگی نہ کرنا۔

حضرت مفتی صاحب کے فتویٰ سے یہ بات واضح تھی کہ جہاں تک گنجائش اور آسانی ہوتی مفتی صاحب ضرور گنجائش اور آسانی فرماتے۔ اس کی بہت سی مثالیں آپ کے فتاویٰ میں ملیں گی ان میں سے نمونہ کے طور پر ایک دو مسائل حسب ذیل ہیں:

جب تک پھل کے بارے میں کئی علماء فرماتے کہ اس کا کھانا حرام ہے۔ مگر حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں کوئی نفع یا فتنی جزئیہ نہیں اسکے کھانے والوں کو گناہ کا رنہ کہا جائے اور نہ کھانے والے اصرار کریں۔ نہ کھائیں۔

اسی طرح حکومت کا زکوٰۃ وصول کرنا۔ حضرت مفتی صاحب کی رائے تو یہ تھی کہ صدر ضیاء الحق ویندار آدمی ہیں۔ دین کی خاطر کچھ اچھے اقدامات کریں گے اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے اس لئے آپ جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ مگر جب صدر ضیاء الحق کی حکومت ختم ہوئی تو فرمایا کرتے کہ اب کھیل ختم ہو گیا یہ امید بھی ختم ہوئی۔ اس کے بعد عدم جواز کا فتویٰ دیتے۔

غلطی ہونے پر فوراً رجوع کر لینا:

مفتی کے لئے علماء نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ اس میں ضد اور عناد نہ ہو اگر اس نے کوئی فتویٰ دیا اور اس میں غلطی ہو تو فوراً رجوع کرے اپنی غلطی پر بھاندر ہے۔ خود امام ابو حنیفہؒ کے حالات میں یہ بات ملتی ہے کہ کوئی بات جب قرآن و حدیث کے خلاف آتی تو آپ اپنے طے کردہ مسئلہ کو چھوڑ کر اس کی طرف رجوع فرما لیتے تھے فقہ

کی کتابوں میں اس کی ایک دو نہیں دیکھی گئی ہیں۔ جن میں امام ابوحنیفہ کا رجوع ثابت ہے۔ یہ بات حضرت مفتی صاحب کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی آپ کی زندگی میں بھی ایک دو نہیں متعدد دیکھی گئی ہیں۔ مثلاً

ایک موقع پر چند تاجر لوگوں نے مضاربہ کے نام پر ایک کاروبار شروع کیا حضرت مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے جواز کا فتویٰ دے دیا مگر اس کاروبار میں کئی خرابیاں تھیں اور کسی نے اس کی طرف توجہ دلائی تو آپ نے فوراً رجوع کر لیا۔ اسی طرح سے اعضاء انسانی کی پیوندکاری کے بارے میں آپ نے ایک مرتبہ جواز کا فتویٰ دیا تھا اور فقہ کی مشہور مستند کتاب ہدایہ سے استدلال کیا تھا مگر بعد میں جب تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ استدلال صحیح نہیں اور انسان کی اعضاء کی پیوندکاری جائز نہیں ہے تو آپ نے فوراً رجوع فرما لیا۔

مفتی اعظم پاکستان کا لقب:

فقہ اور مفتی تو بہت سے ہوتے ہیں مگر جن کو فقہ انفس کہا جائے یہ نہ ہونے کے برابر ہیں علم فقہ حضرت مفتی صاحب کے رگ و ریشہ میں اس طرح رچ بس گیا تھا کہ مسئلہ کی ساری دقیق اور مشکل کیوں نہ ہو ذرا سی دیر میں حل فرما دیتے تھے جس پر سب مطمئن بھی ہو جاتے تھے۔ اور آپ تمام کتب فقہ کی سیرابی سے مسئلہ کی تک پہنچ جاتے تھے۔

ایں سعادت بزور ہازد نیست

تائید بخشد خداے بخشندہ

مفتی اعظم کا اقبہ عوام اور علماء نے حضرت مفتی ولی حسن کے لئے دیا جو اس کے بالکل مستحق تھے۔

### حضرت مفتی صاحب کا حدیث سے شغف:

علم حدیث کی شرافت اور عظمت ہر مسلمان کے دل میں ہے جو بیان محتاج نہیں۔ قرآن کے بعد حدیث ہی کا درجہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بنیادی مقاصد میں ایک حکمت بھی ہے جس کو علماء "حدیث" سے تعبیر فرماتے ہیں۔ امت کی اجتماعی بھلائی اسی وقت تک ہے جب کہ یہ حدیث رسول اللہ پر عمل کرتی رہی کی درس نظامی میں آخری سال میں بڑے اہتمام کے ساتھ احادیث کو پڑھایا جاتا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ترمذی شریف ہے۔

اس کتاب کو اس لحاظ سے بہت زیادہ نمایاں مقام حاصل ہے کہ اکابر علماء خاص کر علماء دیوبند فقہ اور حدیث کے تفصیلی مباحث اسی کتاب میں بیان کرتے ہیں۔ اور امام ترمذی نے اپنی کتاب ترمذی شریف میں ایسی تمام احادیث کو جمع کیا ہے جو کسی نہ کسی فقیہ کے نزدیک عمل میں ہیں۔ پوری کتاب میں صرف دو حدیثیں ایسی ہیں جو بقول امام ترمذی کسی بھی امام کے نزدیک معمول نہیں ہے۔ مگر احناف اس پر بھی عمل کرتے ہیں۔ اس کے بارے میں علامہ شمس الدین ذہبی نے لکھا ہے کہ امام ترمذی نے جب یہ کتاب یعنی جامع ترمذی تصنیف فرمائی تو اسے علماء غر اسان، حجاز، مصر اور شام کے سامنے پیش کیا جس کو بالاطلاق سب نے ہی پسند کیا اور اس کی اشاعت پر سب نے زور دیا خود امام ترمذی اپنی کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔

من كان عنده هذا الكتاب الجامع فكان عنده نبيا يتكلم.  
یعنی جس کے پاس ترمذی شریف موجود ہو گیا ایسا ہے کہ نبی ﷺ اس سے گفتگو فرماتے ہیں۔

بہر حال ترمذی شریف کی اہمیت بہت زیادہ ہے تو اس کے پڑھانے والے بھی اسی اہمیت کے حامل ہونے چاہئیں۔

اسی اہمیت کے پیش نظر شروع میں جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ خود ترمذی شریف پڑھاتے تھے مگر پھر علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے یہ کتاب حضرت مفتی ولی حسنؒ کی صلاحیت کو دیکھتے ہوئے پڑھانے کے لئے دے دی۔

### مفتی ولی حسنؒ کا ترمذی شریف کا درس:

علامہ یوسف بنوریؒ مفتی ولی حسنؒ کی شخصیت سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے اس اہم کتاب کے پڑھانے کے لئے حضرت بنوریؒ نے آپ کو منتخب فرمایا۔

اس سلسلہ میں علامہ یوسف بنوریؒ فرماتے تھے کہ میں ترمذی شریف کے بارے میں فکر مند تھا کہ کس استاد کو پڑھانے کو دوں؟ شروع میں کچھ تردد تھا لیکن بعد میں میرا شرح صدر ہو گیا تو اس کتاب کے پڑھانے کے لئے سب سے زیادہ مستحق حضرت مفتی صاحبؒ ہیں۔ اس کے بعد ترمذی شریف کا سبق حضرت مفتی صاحبؒ کے حوالے کر دیا گیا جس کو حضرت مفتی صاحبؒ نے اپنے مرض تک نبھایا۔

موسم گل میں پوچھتے ہو کیا حال تم اس دیوانے کا

جس نے ایک ہی گل کے اندر سارا گھستاں دیکھا

علامہ محمد یوسف، خود ہی جو کہ حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کے حامل تھے اور اس کو محفوظ کروانا چاہتے تھے ایک طرف تو انھوں نے معارف السنن (جو ترمذی شریف کی بہترین شرح ہے) لکھی<sup>(۱)</sup> جس میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے علوم کو (۱) معارف السنن کا مختصر تعارف:

جامع ترمذی شریف کو تمام سبب حدیث اور خصوصاً صحاح ستہ میں اپنی افادیت، جامعیت اور علوم و مسائل کے اعتبار سے محدثین کرام کے نزدیک فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ عام امتیازی صفات جو بقیہ صحاح ستہ میں نہیں مثلاً ہر مسئلے میں فقہائے کرام کے مذاہب نقل کرنا، ہر حدیث پر حکم لکھ دینا، متعلقہ مسئلے میں ذخیرۂ احادیث کی طرف اشارہ کرنا، راویوں کے نام اور حالات ذکر کرنا ایسی صفات اور خصوصیات ہیں جن کے سبب جامع ترمذی شریف مقبول خاص و عام اور علماء کرام کی توجہ کا مرکز بن چکی ہے۔ ان مجموعی فوائد کے اعتبار سے جو بقول امام ابن العریقیؒ چودہ علوم ہیں، ادا اس اسلام میں کافی اہتمام کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے۔

اس افادیت اور جامعیت کو طویل رکھتے ہوئے تقریباً ہر دور میں اس کتاب کی شروحات لکھی گئی ہیں۔ شرح "معارف السنن" قدیم اور جدید شرحوں میں ممتاز مفید اور جامع ہے۔ یہ شرح پچانوے مصر محدث اعظم استاد العرب والعم حضرت شیخ السید محمد یوسف انھوری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حضرت مولانا نے یہ شرح بڑی عرق ریزی اور جانفشانی اور ایک طویل مدت میں لکھی ہے جو صرف مائیک جی و عمر و یک چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ چھ جلدیں مولانا کی حیات میں ان کے اہتمام میں طبع ہو چکی ہیں۔ معارف السنن کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ یہ شرح حضرت شیخ محدث البند مولانا السید محمد انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث و صدر المدین دارالعلوم دیوبند کے افادات و تقاریر کی روشنی میں لکھی گئی ہے جو متن حدیث کے امام اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بعد ہندوستان کے سب سے بڑے محدث گز رہے ہیں۔

۲۔ تمام ساہتہ شرح کا خلاصہ اور نمونہ ہے۔

جمع کر دیا دوسری طرف حضرت علامہ بنوری صاحب حضرت انور شاہ کشمیریؒ کے نکلات حدیث اور انداز حدیث کو حضرت مفتی صاحب کو بتانا چاہتے تھے۔ اس لئے علامہ یوسف بنوریؒ صاحب نے حضرت مفتی صاحب کو ترمذی شریف کا سبق حوالے کرنے سے پہلے حضرت مفتی سے فرمایا کہ مجھے آپ سے سخت کام لینا ہے۔ اس کے لئے آپ کو تکلیف دوں گا شاید آپ کو ناگوار بھی ہو لیکن مجھے تو آپ سے کام لینا ہے۔

یہ جملہ سن کر حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا کہ بندہ حاضر ہے جو خدمت آپ لینا چاہتے ہیں اگر میرے بس کی بات ہے تو بندہ اس کے لئے تیار ہے۔ اس بات کو مولانا یوسف لدھیانوی شہیدؒ اس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت مولانا محمد

۴۔ ہر بحث میں متداول کتابوں کے علاوہ نادر کتابوں کے حوالہ جات نقل ہیں۔

۵۔ زیادہ تحقیق کرنے والوں کے لئے ہر مسئلے کے اخیر میں کتابوں کی بڑی فہرست اور ان کے ابواب و صفحات کی وضاحت ہے تاکہ حریج بحث اور تحقیق میں مزاحمت کی آسانی رہے اور شخص کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ہو۔

۶۔ ہر مذہب کی نقل کے لئے مذہب کی اصل کتابوں سے عبارات نقل کی گئی ہیں اور صرف دوسروں کی نقل پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے۔

۷۔ ہر مسئلے میں افراط و تفریط کے درمیان اعتدال کی راہ کو اختیار کیا گیا اور افراط و تفریط کرنے والوں کا علمی اور تحقیقی محاسبہ کیا گیا ہے۔

۸۔ مذہب حق کی تحقیق پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، جو کتاب کا طرہ امتیاز ہے اور احاطہ پر بڑا احسان ہے۔ بعض غیر مقلدین کی طرف سے تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر مذہب حق پر بعض مسائل میں جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو مدلل اور متعلقانہ اور مسکت جوابات دئے گئے ہیں۔

۹۔ علم حدیث کے جو اہم اور مشکل مباحث ہیں ان کی ایسی مفصل تحقیق کی گئی ہے جو کسی دوسری کتاب میں آپ کو ایک ہی جگہ میں نہیں ملے گی۔



یوسف بنوریؒ نے حضرت مفتی صاحب کو اپنی تعریف معارف السنن کا ایک قلمی نسخہ دیا اور ارشاد فرمایا کہ خوب تحقیق مطالعہ کے بعد میرے ترمذی شریف کے سبق میں شرکت فرمایا کریں چنانچہ مسلسل تین سال تک جناب مفتی صاحب معارف السنن کے حوالوں کی روشنی میں پوری تیاری کے ساتھ حضرت بنوری کے درس ترمذی میں نہایت اہتمام و التزام کے ساتھ شریک ہوتے رہے اس کے بعد مولانا بنوریؒ نے ترمذی شریف کا سبق حضرت مفتی صاحب کے حوالے کر دیا۔

بخاری شریف کا درس:

اور جب بحوالہ ۱۹۷۷ء میں حضرت محدث العصر علامہ یوسف بنوریؒ کا انتقال ہوا تو حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ حضرت علامہ یوسف بنوریؒ کے علمی جانشین تھے اس لئے جامعہ کی انتظامیہ نے حضرت مفتی صاحب کو درس بخاری بھی حوالہ کر دیا اس کو بھی آپ نے مرض وفات تک اس اہتمام کے ساتھ پڑھایا کہ آپ مرجع الخلق بن گئے۔

آپ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے انتقال کے بعد آپ کو بخاری کا سبق پڑھانے کو کہا گیا تو آپ نے تقریباً دس، بارہ دن تک سبق ہی نہیں پڑھایا، فرماتے کہ میں اسکا مستحق نہیں ہوں۔ پھر اس کے بعد ایک دن خواب میں علامہ محمد یوسف بنوریؒ کی زیارت ہوئی کہ میں بخاری شریف کا سبق پڑھا رہا ہوں اور علامہ محمد یوسف بنوریؒ میرے قریب خاموش بیٹھے ہیں اور میں ان کی موجودگی میں بخاری شریف پڑھا رہا ہوں۔

پھر دوسرا خواب یہ دیکھا کہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ دارالحدیث میں اساتذہ کی جگہ اپنی لائٹھی لے کر بیٹھے ہیں اور مجھے اشارہ فرما رہے ہیں کہ مفتی صاحب کتاب پڑھانا

شروع کریں۔ میں اساتذہ کی جگہ سے نیچے اتر کر علامہ بنوری کے دائیں طرف جا کر بیٹھ گیا اتنے میں آنکھ کھل گئی اس خواب کے بعد سے آپ نے درس بخاری شروع فرما دیا اور تادمض وقات تک بڑے ہی اہتمام کے ساتھ پڑھاتے رہے اور اپنی مثال آپ بن گئے۔<sup>(۱)</sup>

### حضرت مفتی صاحب کے حلقہ درس کی خصوصیات:

آپ کے درس کے بارے میں آپ کے شاگرد خاص مفتی عبدالسلام چانگامی تحریر کرتے ہیں کہ حضرت استاذ عجیب و غریب شخصیت کے مالک تھے، ماہر فنون و علوم ہوتے ہوئے ظرافت اور خوش طبعی، سمجھانے کا انداز اور ذہنک کچھ الگ ہی تھا، ایسے استاذ ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ایک ہوتے ہیں۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحب کے درس کا حال یہ تھا کہ اعلیٰ سے اعلیٰ استعداد کا طلب علم بھی اپنی استعداد کے موافق علوم و فنون کے نکات اور اصول و فروع سمیٹ رہا ہوتا اور ادنیٰ سے ادنیٰ استعداد کا طالب علم بھی کتاب سمجھنے سے محروم نہیں رہتا تھا، (الا ان یکون محروم القسم) یہ ایک الگ موضوع ہے، لیکن بندہ حقیر جیسے ضعیف الاستعداد اور ضعیف القول لوگوں کے لئے آپ علوم کا سمندر تھے، جب آپ درس دیا کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ علوم کا سمندر تلاطم و جموج میں ہے، قوی الاستعداد اور متوسط الاستعداد و طلباء تو اس میں مستغرق ہوتے اور علوم و فنون کے موتیوں کو جمع کرتے نظر آتے۔ جب کہ ضعیف الاستعداد و طلباء بھی وجد میں ہوتے ایسا معلوم ہوتا کہ انھوں نے کبھی ایسا درس سنا ہی نہیں ہے۔ حضرت مفتی ولی حسن صاحب جب بعض طلباء کو پوری توجہ سے درس

سننے ہوئے نہ پاتے تو ان الفاظ کے سمجھ فرمایا کرتے تھے "سن تو دوست" دوست سنو، یہاں پر عجیب مضمون بیان کیا جا رہا ہے، وغیرہ وغیرہ اس سے طالب علم چونک جاتے اور اپنی غفلت پر خود تادم ہو جاتے۔

(۲)۔ اس کے علاوہ آپ درس حدیث میں فقہی اصول کی طرف بھی نشان دہی فرماتے رہتے تھے۔

(۳)۔ حدیث سے مستنبط جزئیات کو بھی بیان فرماتے تھے۔

(۴)۔ درس میں نہایت سلیس اور دھیمی رفتار ہوتی تھی سمجھنے والا ایک ایک لفظ سمجھ سکتا تھا۔

بقول حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ آپ مشکل سے مشکل بحث کی تقریر اس طرح فرماتے کہ مسئلہ پانی ہو کر رہ جاتا۔

(۵)۔ مشکل مقامات کو نہایت ہی آسان مثالیں دے کر سمجھاتے تھے۔

(۶)۔ حسب ضرورت حدیث کی سند اور راوی کے جرح و تعدیل پر بھی بحث فرماتے تھے۔

(۷)۔ درس کے بعد کچھ دیر اپنی جگہ پر تشریف فرما ہوتے کہ اگر کسی طالب علم نے کوئی بات سمجھنی ہوئی تو وہ سوال کر لیتا تھا۔

(۸)۔ شروع سے آخر تک سبق پورے اہتمام سے ہوتا۔

(۹)۔ حدیث کی وضاحت اس انداز میں فرماتے کہ وہ اسی وقت ذہین نشین ہو جاتی۔

(۱۰)۔ حدیث کا مفہوم اور اس کے مسائل اور اگر حدیث میں کوئی بظاہر تعارض ہو تو پہلے اس کو نہ بانی سمجھا کر پھر عبارت کو اس پر تفسیق دیتے تھے جس سے کتاب کی عبارت

بھی اچھی طرح حل ہو جاتی۔

(۱۱)۔ درس کے دوران دلچسپ واقعات بھی سنا کر متوجہ فرماتے رہتے تھے۔ زبان کی معصومانہ لکنت درس کی لذت میں کمی کرنے کے بجائے اور اضافہ کرو جتی تھی۔

(۱۲)۔ اختلافی مسائل کو بیان فرما کر آخر میں مذہب احناف کو بیان فرما کر اس کی وجہ ترجیح بھی بیان فرماتے۔

(۱۳)۔ مشکل حدیث کا با محاورہ ترجمہ اور کبھی ترکیب نحو کی بھی بیان فرماتے۔

(۱۵)۔ عصر حاضر میں تمام فکری تحریکوں سے بھی مفتی صاحب اچھی طرح باخبر تھے اس کا بھی وقتاً فوقتاً ذکر فرماتے۔

(۱۶)۔ نئے پیدا ہونے والے مسائل کے بارے میں طلباء کو تازہ ترین معلومات سے مستفید فرماتے رہتے۔<sup>(۱)</sup>

(۱۷)۔ حضرت مفتی صاحب کا درس طلباء میں غیر درسی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق و شوق پیدا کرتا تھا۔ اس سلسلہ میں مولانا تقی عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں ہم جب حضرت مفتی صاحب کے پاس عربی کا معلم پڑھتے تھے، اسی وقت سے حضرت مفتی صاحب نے ہمارے اندر مطالعہ کے ذوق کی آبیاری شروع کرائی تھی، اور مجھے یاد ہے کہ اسی زمانے میں جب میری عربی تعلیم کی بالکل ابتداء تھی اور ابھی عربی کتابوں سے براہ راست استفادہ کا تصور مشکل تھا، ایک روز حضرت مفتی صاحب نے مجھے بلا کر فرمایا میں تمہیں ایک بڑی مزیدار کتاب بتلاتا ہوں۔ اس کا نام ہے ”فہمہ اللغة“ یہ ابو منصور ثعلبی کی تالیف ہے اور اس میں عربی زبان کے بڑے لطائف اور ظرائف

موجود ہیں یہ کتب خانے میں فلاں جگہ رکھی ہوئی ہے اس کا مطالعہ کیا کرو۔ اس سے  
 تھیں عربی ادب کی کتابوں میں مدد ملے گی۔ چنانچہ احقر نے حضرت مفتی صاحب  
 کے اس ارشاد پر عمل کیا اور اب خیال آتا ہے کہ عربی کا معلم پڑھنے والے ایک طالب  
 علم کو شبلی کی ”فقد المخذ“ پڑھنے کا مشورہ دینا حضرت مفتی صاحب کے ذوق تربیت  
 ہی کی جنت تھی۔ اگرچہ اس وقت ”فقد المخذ“ سے کما حقہ استفادہ شاید میں نہ کر سکا۔  
 لیکن اول تو اس کتاب تک رسائی حاصل ہو جانے کے بعد آئندہ سالوں میں بھی وہ  
 میرے مطالعہ میں رہی اور واقعتاً عربی ادب کی تعلیم میں اس سے بڑی مدد ملی۔ دوسری  
 طرف اس طرح کتب خانہ سے ایک رابطہ پیدا ہو گیا اور یہ بات دل میں بیٹھ گئی کہ اپنا  
 مطالعہ صرف درسیات تک محدود نہ رکھنا چاہیے بلکہ عام مطالعہ بڑھانے کی کوشش بھی  
 ایک طالب علم کے لئے ضروری ہے غرض کہ آپ کا درس جامع ہوتا تھا ایسا تحقیقی طرز  
 تدریس بہت کم دیکھنے اور سننے میں آتا ہے۔ بقول شاعر۔

جب مھر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے

تو مجھ کو بھری بزم میں تھا نظر آیا

## بیعت و خلافت

فقاہ اور تصوف کا آپس میں بہت ہی زیادہ گہرا تعلق ہے کیونکہ فقہ پر عمل تصوف  
 کے بغیر اور تصوف پر عمل فقہ کے بغیر ممکن نہیں اسی تصوف کو حدیث میں لفظ ”احسان“  
 کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

اعمال ظاہری (نماز، زکوٰۃ، حج وغیرہ) کو درست کرنے کے لئے فقہ کی ضرورت

پڑتی ہے تو اس طرح اعمالِ باطنہ (مثلاً تقویٰ، اللہ کی محبت، رسول اللہ ﷺ سے محبت، اخلاص، توکل، صبر و شکر، تواضع، خشوع، قناعت، سخاوت، وغیرہ اور حسد و کینہ وغیرہ سے بچنے کے لئے تصوف کا سہارا لینا ہوتا ہے۔ یہی بات علامہ شامی فرماتے ہیں،  
هو علم لعرف به انواع الفضائل و کیفیۃ اكتسابها و انواع الرذائل و کیفیۃ اجتنابها۔

تصوف وہ علم ہے جس سے اخلاقِ حمیدہ کی قسمیں اور ان کو حاصل کرنے کا طریقہ اور اخلاقِ رذیلہ کی قسمیں اور اس سے بچنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا حماد اللہ ہالچوی سے بیعت:

حضرت مفتی صاحبؒ نے ابتداء میں بیعت کا تعلق سندھ کے ایک بزرگ قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا حماد اللہ ہالچوی<sup>(۱)</sup> سے رکھا۔ جن کے بارے  
(۱) حضرت حماد اللہ ہالچوی کے مختصر حالات

نام: حماد اللہ۔ سکر کے قریب ایک گاؤں ہالچا کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام میاں محمود بن حماد اللہ ہے۔  
ولادت باسعادت: ۱۳۰۱ھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔

تعلیم و تربیت: والد صاحب کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا۔ ماسوں نے تعلیم و تربیت کا انتظام کیا اور قرآن کو پختہ کروانے کے ساتھ ساتھ قاری کی ابتداء بھی کروائی۔ درمیان میں تعلیم منقطع ہوئی پھر کچھ عرصہ کے بعد مولانا محمد واصل بروہی جو بھتیجا ابراہیم میں تھے وہاں دوبارہ تعلیم شروع کی اور خوب انہماک سے تحصیلِ علم کیا جس کو حضرت ہالچوی نے اپنے ان الفاظ میں بیان فرمایا،  
مجھے حصولِ علم میں بہت مشغوریت تھی کوئی دوسرا کام یا تحصیلِ تفریح یا نکل پند نہیں تھی۔

اس کے بعد مولانا قمر الدین جو استاد العلماء کے نام سے مشہور تھے نیز مولانا فضل حق خیر آبادی سے باقی کتابیں پڑھیں۔ اور ایک یا دو کتابیں مولانا عبید اللہ سندھی سے بھی پڑھیں۔ علم میں اتنا کمال حاصل کر لیا

کہ مولانا بد عالم میرٹھی فرماتے ہیں کہ:  
مولانا حماد اللہ کو عارف باللہ سارا عالم تسلیم کرتا ہے مگر نکاحی علوم میں بھی ان کے پائے کا کوئی عالم نہیں ہے۔  
درس تدریس: فراغت کے بعد اپنی ہی ہستی میں درس دینا شروع کر دیا۔ متعدد لوگوں نے آپ سے علم حاصل کیا۔

بیعت: آپ نے اپنی اصلاح کے لئے مولانا سید تاج محمد اور وئی سے تعلق قائم کیا۔ علوم استدلال و فروع و احکام کی تعلیم ملاقات میں حضرت امروٹی نے شیخ حماد اللہ کو خلافت مرحمت فرمادی۔ شیخ حماد اللہ کو اپنے شیخ سے حد درجہ محبت تھی۔

حضرت حماد اللہ ہانچہ کی اتباع سنت کا بے حد لحاظ رکھنے والے تھے۔ زندگی نہایت سادہ و سخی۔ تواضع اور انکساری حد درجہ تھی۔ حضرت حماد اللہ ہانچہ کی بزرگی کی ہم عصر علماء نے بہت بلند الفاظ میں تعریف فرمائی ہے۔

حضرت مولانا حسین احمد دہلوی نے ایک موقع پر فرمایا کہ حماد اللہ صاحب آپ کا احسان اودھا کہ آپ دیر بند تشریف لائیں تاکہ ہم معرفت الہی اور تعلق مع اللہ کو آپ سے سیکھیں۔

حضرت عطاء اللہ بخاری نے فرمایا کہ حضرت ہانچہ کی کے دل مبارک پر گناہ کا تصور بھی نہیں آتا کیونکہ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔ اسی طرح مولانا یوسف بخاری، مولانا نظام اللہ خان وغیرہ سب نے بہت اچھے الفاظ میں تعریف کی ہے۔

تصانیف: متعدد ایفادات ہیں:

(۱) الیاقوت والمرجان۔ اس میں قرآن کے نکات کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب کی تعریف مولانا یوسف بخاری نے بہت فرمائی نیز اس کتاب پر مقدمہ بھی لکھا ہے۔

(۲) الاشارات والخواص: کُل معصلات القرآن کے حاشیہ پر دوران مطالعہ کچھ حواشی اور تعلیقات جو تحریر کئے اس کو مولانا محمد امین نے ترتیب دے کر شائع کروایا ہے۔

(۳) شرح حکومہ ماہی۔ یہ سال الیاقوت والمرجان کے ساتھ ہی شائع ہوا ہے۔

(۴) الیاقوت الصافی فی حکم المسائل الثمینیہ: یہ قاری میں ہے اس میں حضرت حماد اللہ نے آٹھ سوالات

میں حضرت مولانا یوسف بنوریؒ فرماتے تھے،

”سرزمین سندھ میں حضرت مولانا حماد اللہ ہالنجویؒ ان اکابر امت میں سے تھے کہ ان کے کمالات کو یا تو کسی نے صحیح طور پر پہچانا نہیں یا پھر صحیح فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ پیر مرشد تھے اور متبع سنت۔ وہ حکیم بھی تھے نہایت ماہر جاذب بھی۔ وہ عالم بھی تھے نہایت محقق۔ وہ زاہد تھے جن کے زہد کی نظیر میں نے اپنی زندگی میں نہ دیکھی نہ سنی وہ عارف تھے تصوف کے رموز و اسرار اور ان کے لطائف و افکار کے دانا تھے ان کی یہ خصوصیات تو ایک مکمل مقالے کی محتاج ہیں دو چار ملاقاتوں میں ان کی زندگی کے ایسے گوشے نظر آئے کہ حیرت ہوئی۔ ان کی مختصر مجالس اور مختصر قیام میں چند باتیں سنی تھیں جن کی طلاوت و لذت سے اب بھی سرشار ہوں۔“<sup>(۱)</sup>

اس کے علاوہ حضرت مفتی صاحب شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی روحانیت

کے دلائل جواہرات دیئے ہیں۔

(۵) تجلیات شیخ ہالنجویؒ: یہ حضرت کے مکتوبات کا مجموعہ ہے اصل کتاب فارسی میں ہے مگر اب اس کا ترجمہ مکتبہ حادویہ نے شائع کر دیا ہے اس کے علاوہ بعض کتابیں اور بھی ہیں مگر وہ سب غیر مطبوعہ ہیں۔  
وفات: بہر حال ۹۲ ذی قعدہ ۱۳۸۱ھ چار شنبہ کے دن صبح کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا اور واصلِ مہذبِ حق ہوئے اور ہالنجی شریف میں ہی مدفون ہوئے تھے۔

(۱) جنات کراچی شعبان ۲۳

(۲) حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ کے مختصر حالات

ولادت: باسعادت: ولادت ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد صالح خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے



کے بھی بڑے مداح تھے ان کی خدمت میں بھی تشریف لے جاتے اور جب وہ کراچی تشریف لاتے تو اہتمام کے ساتھ ان کی مجالس میں بھی شرکت فرماتے۔

برکت العصر قطب العالم حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا سے بیعت اور خلافت: جب ۱۳۸۱ میں حضرت حماد اللہ ہالچوی کا انتقال ہو گیا تو اب حضرت مفتی صاحب

ہمدرد شیدائے پور گوجراں کے ماحول میں ہوئی۔ والد کے علاوہ مفتی فقیر اللہ مولانا فضل احمد وغیرہ ان کے استاد رہے۔ مگر دورہ حدیث کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے جہاں پر اس وقت حضرت انور شاہ کشمیری کی شہرت تھی۔ ساتھ میں دیگر اکابر دیوبند سے بھی استفادہ کیا۔

تدریس: دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے علاقے میں واپس تشریف لے گئے اور مدرس شیدائے پور گوجراں میں تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔

پاکستان کی طرف ہجرت: پاکستان بننے کے بعد آپ نے پیچھے وطنی ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں میں ہجرت فرمائی اور یہاں پر زمیندارہ کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کا ایک کتبہ جاری فرمایا اور ساتھ میں اپنے متوسلین کے لئے ایک جھونپڑی بنائی۔

بیعت و سلوک: ابتداً بیعت حضرت شیخ الہند سے کی اس کے بعد حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری سے تعلق قائم کیا اور پھر ان کے انتقال کے بعد ان کے خلیفہ قطب العالم حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہ سے بیعت فرمائی اور بعد میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔ آپ سے پانچویں استفادہ کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ بلکہ قلب احباب آپ کو ماوراء نوبلی سمجھتے ہیں۔

وفات:

تاریک ہوئی ہے شہستان اولیاء اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی غموش ہے آخری ایام آپ نے کوہ نور معراج الحان نصر اللہ صانع جو آپ کے معتقد خاص تھے ان کا پورا ہی گمراہ حضرت سے بیعت تھا ان کے یہاں قیام فرمایا۔ وصال بھی اسی جگہ ہوا۔ نماز جنازہ حضرت مولانا مفتی زین العابدین نے پڑھائی اور پھر جنازہ کو پیچھے وطنی لایا گیا تو آپ کے برادر زادہ عزیز مولانا عبدالعلیم نے یہاں پر نماز جنازہ پڑھائی۔

نے برکتِ انصر قطب العالم حضرت مولانا ذکر کیا صاحب<sup>(۱)</sup> سے اپنا روحانی تعلق جوڑ لیا

(۱) شیخ الحدیث مولانا ذکر کیا کے مختصر حالات

ہوتا ہے کہ وہ دہشت میں پیدا ہوئے۔ وہ مرد جس کا فقر خرف کو کرے رہیں  
ولادت باسعادت: آپ ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام مولانا سخی اور چچا  
بانی تبلیغ مولانا الیاس تھے۔

وطن: اصل وطن کاغذ محلہ ہے اسی ہیبت سے آپ کو کاغذ ملوی بھی کہتے ہیں۔  
تعلیم: آپ نے مکمل تعلیم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی۔

آپ کے مشہور اساتذہ میں سے مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا عبداللطیف، مولانا الیاس وغیرہ ہیں۔  
احادیث آپ نے اپنے والد ماجد مولانا سخی صاحب اور مولانا ظلیل احمد سہارنپوری سے پڑھیں۔

تدریس: پوری زندگی تدریس اور اصلاح امت میں وقت گزارا۔ فراغت کے فوری بعد ۱۳۳۵ھ میں  
تدریس شروع کی۔ آپ کا درس حدیث عشق نبوی اور حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہوتا تھا۔ آپ کا  
درس حدیث انتہائی سوز و گداز اور قلبی توجہات کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ اس کا پورا مجمع پر اثر ہوتا تھا اور اسی وجہ  
سے مجمع پر گریہ اور آہ و بکا کی کیفیت بھی طاری ہو جاتی تھی۔ خاص کر کے جب آپ مرض وفات کا درس  
دیتے تو حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا لوگ سمجھتے تھے کہ یہ عظیم ساتھ آٹھویں آج ہے اور یہ ہر سال  
کی کیفیت ہوتی تھی۔ آپ کے حلقہ ہزاروں کی تعداد میں پوری دنیا میں کام کر رہے ہیں۔

بیعت و سلوک: ۱۳۳۳ھ میں آپ نے بیعت و تربیت کے لئے مولانا ظلیل احمد سہارنپوری کا انتخاب  
کیا اور پھر چند سال کے ہی عرصہ میں ذی قعدہ ۱۳۴۵ھ میں سفر حجاز کی واپسی پر مولانا ظلیل احمد سہارنپوری  
نے ان کو اپنا خلیفہ بنا لیا اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ مولانا ظلیل احمد نے اپنا عہدہ سر سے اتار کر مولانا  
حسین احمد مدنی کے بیٹے بھائی مولانا سید احمد فیض آبادی قم مدنی کو عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس کو مولانا  
ذکر کیا کے سر پر ہاتھ دو۔ جب مولانا ذکر کیا کے سر پر عہدہ ہاتھ عطا کیا تو مولانا ذکر کیا پر ایسا گریہ طاری ہوا  
جس سے مولانا ظلیل صاحب خود آبدیدہ ہو گئے۔ مولانا ذکر کیا نے انتہائی تواضع سے مولانا عبدالقادر رائے  
پوری جو اس وقت موجود تھے۔ ان کے پاؤں پکڑ لئے کہ اس خلافت کی بددستان والوں کو اطلاع نہ کرے۔

مگر بعد میں ایسی تصدیق ہوئی کہ آپ امام قطب بن گئے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ جو آپ کو مشق اور محبت تھی وہ الفاظ میں بیان نہیں کی جاسکتی اس کا تعلق دیکھنے کے ساتھ ہی تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا۔ اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علی میاں نے جو آپ کے عشق و محبت کا نقشہ کھینچا ہے ان کے الفاظ میں ہی بیان کر دیا جائے۔

شیخ کے علم، تصنیفی انجھاک، وقار و سکنت اور ضبط و تحمل کے قانون میں عشق و محبت کا ایسا مسئلہ تھا جو جاننے والوں کی نگاہوں سے مستور نہیں ان کا خیر عشق و محبت کے اس جوہر سے گوہر حاکم کیا تھا جو سوائے اپنے شعر میں بیان کیا۔

آدمی کا جسم جبکہ عناصر سے مل بنا کچھ آگ، کچھ رسی جی سو عاشق کا دل بنا عشق و محبت کے اس جوہر کا اندازہ اس وقت ہوتا اور ان کے شرارے اس وقت نظر آتے جب عشق ایسی ذات رسالت پناہی اور اعلان پارگاہ الہی کا تذکرہ ہو۔

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر ادا نہیں ہیں لاکھوں اور دل بے تاب ایک قصاصت: قرام کاموں کے ساتھ آپ کی طبیعت میں تصنیفی ذوق بھی تھا آپ کے قلم فیض سے متعدد کتابیں وجود میں آئیں ان میں سے چند یہ ہیں:

- (۱) او جز السالك شرح سوا طامام مالک۔ (۲) الکوکب الدرری۔ (۳) لایع الداری علی جامع الفقاری۔
- (۴) شلالت اللہیت۔ (۵) فضائل نبوی شرح شمائل ترمذی۔ (۶) فضائل نماز۔ (۷) فضائل قرآن۔
- (۸) فضائل رمضان۔ (۹) فضائل ذکر۔ (۱۰) فضائل تبلیغ۔ (۱۱) فضائل حج۔ (۱۲) فضائل صدقات۔
- (۱۳) حکایات صحابہ۔ (۱۴) فضائل درود شریف۔ (۱۵) اعتدال فی مراتب الرجال۔ (۱۶) حجتہ الوداع والاعرات۔ (۱۷) تاریخ مشائخ چشت۔ (۱۸) مشائخ تصوف۔ (۱۹) اکابر کارمضان۔ وغیرہ۔

وفات:

موت سے کس کو استغاری ہے آج وہ کل ہماری پاری ہے زندگی بھر دیار رسول ﷺ میں دفن ہونے کی جو تمنا تو آپ تھی وہ تک لائی چنانچہ مدینہ منورہ میں ۲۵ مئی

اور پھر ساؤتھ افریقہ کے شہر اینڈ میں جب حضرت مفتی صاحب اپنے پیر مرشد قطب العالم مولانا زکریا صاحب کے ساتھ اعتکاف میں تھے تو اعتکاف کے دوران ہی حضرت مولانا زکریا صاحب نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔  
مجالس مرشد و ہدایت:

دن و رات طالبین دین و تشنگان محبت حضرت مفتی سے فائدہ اٹھاتے رہتے تھے آپ نے اپنی زندگی اشاعت دین کے لئے وقف کر رکھی تھی آخری عمر میں آپ کے یہاں بیعت و ارشاد کا بھی حلقہ قائم ہو گیا تھا جو بہت مشہور ہوا اس میں عوام کے علاوہ علماء اور طلباء کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی جو ہر بدھ کو عصر کے بعد ہوا کرتی تھی یہ مجلس بھی ایک کیسیاے اکسیر اور عجیب تاثیر تھی۔ اس میں شرکت کرنے والے کا دل چند ہی ہفتوں میں پلٹ جاتا اور ایک حیرت انگیز انقلاب آ جاتا تھا لوگ مکررات اور بدعات سے توبہ کر کے سنتوں پر آنے لگے۔ مگر افسوس کہ حضرت مفتی صاحب پر فالج کا اثر ہو گیا۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا مگر پھر یہ موقوف ہو گیا۔  
وسعت مطالعہ:

حضرت مفتی صاحب کو کتابوں سے عشق تھا اسی وجہ سے ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ فرماتے۔ عموماً لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ اپنی متعلقہ کتابوں کو ہی مطالعہ میں رکھتے ہیں بخلاف حضرت مفتی صاحب کے کہ ان کے یہاں جوئی کتاب ہاتھ آگئی اس کا مطالعہ شروع فرما دیا اور کتاب جب تک ختم نہ ہو جائے نہیں چھوڑتے تھے۔ اسی وجہ سے جب بھی کوئی کسی قسم کا سوال کرتا تو اس کا جواب حضرت مفتی صاحب کے پاس

۱۹۸۲ء کو اس دار فانی سے کوچ فرمایا اور جنت البقیع میں اپنے استاد و مرشد حضرت مولانا غلیل احمد سہارنپوری کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

موجود ہوتا۔ اور بار بار یہ بات ارشاد فرماتے تھے کہ لوگوں کو پناؤ زردہ کھانے میں مزہ آتا ہے مجھ کو تو کوئی نئی بات مطالعہ میں آ جائے تو اس میں مزہ آتا ہے اس بات کا اندازہ وہ احباب لگا سکتے ہیں جن کو حضرت مفتی صاحب سے پڑھنے کا موقع ملا ہے درس میں حضرت مفتی صاحب علوم و معارف کے سمندر تشنگان علوم کی پیاس بجھاتے تھے اور طلباء کی واقفیت کے دائرے کو انتہائی وسیع کر دیتے۔

### تلامذہ

مشہور مقولہ ہے کہ پھل کا اچھا ہونا درخت کے اچھے ہونے کی علامت ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے ہزاروں تلامذہ اس بات کی نشانی ہیں۔ چالیس سال سے زائد درس و تدریس کی مدت میں حضرت مفتی صاحب کے حلقہ درس سے علم و عمل اور فضل و کمال کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب تیار ہوئے جو آج دنیا کے مختلف ممالک مثلاً ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، کینیڈا، امریکہ، آسٹریلیا، فرانس، ملائیشیا، رگن، بنگلہ دیش، ایران، جرمنی، سعودی عرب، عرب امارات، عمان وغیرہ میں نمایاں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں جن کی فہرست بہت طویل ہے۔ ابتداء سن کے لحاظ سے تعداد لکھی جاتی ہے اور پھر چند مشہور شاگردوں کے اسماء ذکر کئے جائیں گے:

سن	تعداد طلباء	سن	تعداد طلباء
۱۳۷۶ھ	۱۶	۱۳۷۷ھ	۲۰
۱۳۷۸ھ	۱۰	۱۳۷۹ھ	۲۰
۱۳۸۰ھ	۲۸	۱۳۸۱ھ	۲۵
۱۳۸۲ھ	۱۸	۱۳۸۳ھ	۳۳
۱۳۸۴ھ	۱۹	۱۳۸۵ھ	۱۹

۲۷	۱۲۸۷	۲۶	۱۲۸۶
۳۱	۱۲۸۹	۳۶	۱۲۸۸
۴۰	۱۲۹۱	۳۳	۱۲۹۰
۱۶	۱۲۹۳	۱۸	۱۲۹۲
۳۴	۱۲۹۵	۳۹	۱۲۹۴
۶۴	۱۲۹۷	۲۸	۱۲۹۶
۵۱	۱۲۹۹	۴۵	۱۲۹۸
۶۴	۱۳۰۱	۴۳	۱۳۰۰
۸۱	۱۳۰۳	۹۱	۱۳۰۲
۱۰۰	۱۳۰۵	۸۱	۱۳۰۴
۱۲۴	۱۳۰۷	۹۶	۱۳۰۶
۱۵۳	۱۳۰۹	۱۱۳	۱۳۰۸

\*\*\*\*\*

آتی ہی رہے گی حیرے انفاس کی خوشبو

گلشن حیرتی یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

آپ کے علاوہ کی تعداد تو فہرست سے معلوم ہوگئی ان میں سے چند مشہور کے

اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ شیخ الحدیث و نائب مہتمم دارالعلوم کورنگی - کراچی

(۲) حضرت مولانا رفیع عثمانی مدظلہ مہتمم دارالعلوم کورنگی - کراچی

(۳) مفتی احمد الرحمن سابق مہتمم بنوری ٹاؤن - کراچی

(۴) مولانا حبیب اللہ بخاری شہید سابق مہتمم بنوری ٹاؤن، کراچی

(۵) مفتی محمد نعیم صاحب مہتمم جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی

- (۶) مفتی زرولی خان مجتہم احسن العلوم کراچی  
 (۷) مولوی دین محمد افغانی ۱۳۷۷ھ  
 (۸) مولوی محمد قاسم ایرانی ۱۳۷۹ھ  
 (۹) مولوی محمد شاہ ولد امین، کراچی ۱۳۸۳ھ  
 (۱۰) مولوی محمد زبیر ولد محمد امین مکی مسجد ۱۳۸۳ھ  
 (۱۱) مولوی محمد مفیض الدین (بنگلہ دیش) ۱۳۸۶ھ  
 (۱۲) مولوی نور الدین (بنگلہ دیش) ۱۳۸۶ھ  
 (۱۳) محمد حبیب اللہ (بنگلہ دیش) ۱۳۸۷ھ  
 (۱۴) عبدالمنان (بنگلہ دیش) ۱۳۸۷ھ  
 (۱۵) میر محمد (افغانستان) ۱۳۸۸ھ  
 (۱۶) سلطان محمد (افغانستان) ۱۳۸۸ھ  
 (۱۷) امین الدین بن ابراہیم (موزمبیق) ۱۳۹۰ھ  
 (۱۸) اسماعیل بن محمد شطیح وراجیا (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۰ھ  
 (۱۹) فیض الحق بن احمد بن محمد (مغربی افریقہ) ۱۳۹۶ھ  
 (۲۰) عبدالقادر مدنی بن خالد محمد (مدینہ منورہ) ۱۳۹۶ھ  
 (۲۱) ہارون بن اسماعیل (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۶ھ  
 (۲۲) ابراہیم بن آدم (موزمبیق) ۱۳۹۶ھ  
 (۲۳) شعبان بن مردان (یوگنڈا) ۱۳۹۶ھ  
 (۲۴) عبدالحمید یوسف (امریکہ) ۱۳۷۱ھ  
 (۲۵) محمد ابراہیم غراہی (ملائیشیا) ۱۳۹۲ھ  
 (۲۶) ابو بکر بن موسیٰ مانجیدی (افریقہ) ۱۳۹۲ھ

- (۲۷) محمد مصطفیٰ بن محمد عظیم (افغانستان) ۱۳۹۲ھ  
 (۲۸) محمد زاهد اللہ بن عبداللہ (بنگلہ دیش) ۱۳۹۲ھ  
 (۲۹) شیر احمد بن یوسف سلوٹی (افریقہ) ۱۳۸۹ھ  
 (۳۰) محمد سعید گارڈی (موزمبیق) ۱۳۹۸ھ  
 (۳۱) محمد رفیق بن احمد ہتھورائی (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۸ھ  
 (۳۲) محمد اقبال بن احمد ہتھورائی (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۸ھ  
 (۳۳) عبدالقادر عثمان بن یوسف عثمان (جنوبی افریقہ) ۱۳۹۹ھ  
 (۳۴) شفیع احمد مدگا (موزمبیق) ۱۳۹۹ھ  
 (۳۵) علی بھائی فقیر (موزمبیق) ۱۳۹۹ھ  
 (۳۶) اسماعیل ٹیل (انگلینڈ) ۱۴۰۰ھ  
 (۳۷) عبدالغنی قہائی (قہائی لینڈ) ۱۴۰۰ھ  
 (۳۸) حبیب الرحمن مظہری (ایران) ۱۴۰۱ھ  
 (۳۹) عمران موسیٰ (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۱ھ  
 (۴۰) محمد حسن ولد عربی ولی (ری یونین) ۱۴۰۱ھ  
 (۴۱) محمد ایرانی فدا حسین (ایران) ۱۴۰۱ھ  
 (۴۲) محمد تمی ولد تحت محمد (سری لنکا) ۱۴۰۲ھ  
 (۴۳) حامد بی (سری لنکا) ۱۴۰۲ھ  
 (۴۴) محمد بشیر (سری لنکا) ۱۴۰۲ھ  
 (۴۵) عبدالجبار (سری لنکا) ۱۴۰۲ھ  
 (۴۶) یوسف عبداللہ (جنوبی افریقہ) ۱۴۰۲ھ  
 (۴۷) درش بشری کندم (انڈونیشیا) ۱۴۰۲ھ



- (۳۸) محمد رولس آدم جی (سری لنکا) ۱۳۰۲ھ  
 (۳۹) محمد شمیم بن عبدالحمید (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۲ھ  
 (۵۰) عبدالقادر (موزمبیق) ۱۳۰۳ھ  
 (۵۱) داؤد آدم (موزمبیق) ۱۳۰۳ھ  
 (۵۲) سلیم محمد کریم (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۳ھ  
 (۵۳) حسن قاسم (موزمبیق) ۱۳۰۳ھ  
 (۵۴) محمد یونس (برطانیہ) ۱۳۰۳ھ  
 (۵۵) سلیم محمد کریم (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۳ھ  
 (۵۶) عبدالصمد سلیمان مانگا (موزمبیق) ۱۳۰۳ھ  
 (۵۷) منصور راشد (مدینہ منورہ) ۱۳۰۳ھ  
 (۵۸) محمد خالد اللہ بخش (مدینہ منورہ) ۱۳۰۳ھ  
 (۵۹) عبدالبرہان بن مولانا عاشق الہی (مدینہ منورہ) ۱۳۰۳ھ  
 (۶۰) اسماعیل ملک (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۴ھ  
 (۶۱) محمد منور ولد شیخ داؤد (سری لنکا) ۱۳۰۴ھ  
 (۶۲) عبدالحمید احمد بھٹی (سری لنکا) ۱۳۰۴ھ  
 (۶۳) محمد فردوس محمد امیر الدین (سری لنکا) ۱۳۰۴ھ  
 (۶۴) محمد عصری ولد یوسف (ملیشیا) ۱۳۰۴ھ  
 (۶۵) ظہیر احمد راجی (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۵ھ  
 (۶۶) نذیر ولد یعقوب (موزمبیق) ۱۳۰۵ھ  
 (۶۷) احمد افریقی محمد کردار (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۵ھ  
 (۶۸) ابراہیم بھاشی (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۵ھ

- (۶۹) محمد اقبال بن محمد قاسم (سری لنکا) ۱۳۰۵ھ  
 (۷۰) بہارون بن میراجی (سری لنکا) ۱۳۰۶ھ  
 (۷۱) شفیق احمد جاتی (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۶ھ  
 (۷۲) محمد رفائی بن محمد خالد (سری لنکا) ۱۳۰۶ھ  
 (۷۳) محمد روح اللہ بن مفتی نور الحق (بنگلہ دیش) ۱۳۰۶ھ  
 (۷۴) محمد ابوالکلام بن شفیق الرحمن (بنگلہ دیش) ۱۳۰۶ھ  
 (۷۵) بلال احمد بن کلام احمد (بنگلہ دیش) ۱۳۰۶ھ  
 (۷۶) محمد شمس الاسلام میاں حسن (بنگلہ دیش) ۱۳۰۶ھ  
 (۷۷) محمد الیاس محمد یوسف (برطانیہ) ۱۳۰۶ھ  
 (۷۸) محمد رضوی محمد ابراہیم (سری لنکا) ۱۳۰۶ھ  
 (۷۹) عبدالخالق ابراہیم (جنوبی افریقہ)  
 (۸۰) شہید الاسلام محمد شمس الحق (بنگلہ دیش) ۱۳۰۷ھ  
 (۸۱) محمد عبدالغفار محمد عبدالباری (بنگلہ دیش) ۱۳۰۷ھ  
 (۸۲) محمد قازی نور الدین (سری لنکا) ۱۳۰۷ھ  
 (۸۳) محمد اسحاق قطب الدین (بنگلہ دیش) ۱۳۰۷ھ  
 (۸۴) محمد الیاس محمد فضیل (سری لنکا) ۱۳۰۷ھ  
 (۸۵) محمد نظام الدین جلال الدین (سری لنکا) ۱۳۰۷ھ  
 (۸۶) عبدالرحمن بن علی (ایران) ۱۳۰۷ھ  
 (۸۷) محمد سفیر الدین محمد سکندر خان (بنگلہ دیش) ۱۳۰۸ھ  
 (۸۸) محمد کمال الدین احسان خان (بنگلہ دیش) ۱۳۰۸ھ  
 (۸۹) محمد روح الامین و نور محمد (بنگلہ دیش) ۱۳۰۸ھ

- (۹۰) محمد نضار بن سلیمان بسید (سری لنکا) ۱۳۰۸ھ  
 (۹۱) محمد معاذ فی کے مہات (سری لنکا) ۱۳۰۸ھ  
 (۹۲) ابراہیم (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۹ھ  
 (۹۳) محبوب الرحمن (بنگلہ دیش) ۱۳۰۹ھ  
 (۹۴) اختر اللہ خان (بنگلہ دیش) ۱۳۰۹ھ  
 (۹۵) محمد سلیمان (بنگلہ دیش) ۱۳۰۹ھ  
 (۹۶) یونس اسماعیل (جنوبی افریقہ) ۱۳۰۹ھ  
 (۹۷) عبد الحفیظ (کینیا) ۱۳۰۹ھ

## سادگی

حضرت مفتی صاحب مزاج بے حد سادہ واقع ہوئے تھے اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ میں تھا۔ تکلف سے کوسوں دور تھے۔ تاوائف احباب دیکھ کر یہ سمجھ نہیں سکتے تھے کہ یہ اتنے بڑے مفتی ہیں۔ بکرا رہے یہ سادگی ان کے لباس سے بھی نمایاں تھی معمولی سا کرتا اور پانچجامہ، سر پر لمبی ٹوپی، پاؤں میں نہایت معمولی قیمت کا جوتا۔

کبھی بھی حضرت مفتی صاحب کے جسم پر زرق و برق پوشاک قیمتی ملبوس نہیں دیکھا گیا جسم کی آرائش و زیبائش ان کے نزدیک پسندیدہ نہیں تھی اس سے ان کو بے حد نفرت تھی۔ بقول شاعر۔

شاید مفتی کو آرائش کی کچھ حاجت نہیں

بجہ و سجادہ سج اور جبہ دستار پہنچ

کہیں آنے جانے میں کسی کو اپنے ساتھ لے جانا پسند نہیں فرماتے تھے کسی سے

پاؤں یا جسم دہانے سے بہت زیادہ احتراز فرماتے۔ غرض یہ کہ امتیازی شان بالکل آپ کو پسند نہیں تھی۔

ذرا پی کر بہک جانا یہ کم ظرفوں کا شیوہ ہے  
جو عالی ظرف ہیں جتنی عینیں وہ کب ہیکتے ہیں

اس سادگی کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے حضرت مفتی صاحب کو جن صفات اور خصوصیات سے نوازا تھا وہ بمشکل ہی کسی ایک شخصیت میں جمع ہوتی ہیں۔ علم و فضل کے مقام بلند کے ساتھ ساتھ ان کی سادگی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ کوئی اجنبی دیکھنے والا پتہ ہی نہیں لگا سکتا تھا کہ اس سادہ سے پیکر میں علم و فضل کے کیسے خزانے جمع ہیں۔ ان کے حسین چہرے پر بلا کی معصومیت تھی جو دیکھنے والے کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔ لیکن اس علم و فضل اور اس معصومیت کے ساتھ ان کے مزاج میں ظرافت اس قدر تھی کہ وہ جس بے تکلف مجلس میں بیٹھ جاتے، اس کو باغ و بہار بنا کر چھوڑتے۔ ایسی مجلسوں میں ان کے منہ سے بے ساختہ ایسے ظریفانہ جملے برآمد ہوتے، جنہیں ظریفانہ ادب کا شاہکار کہنا چاہیے اور ان جملوں میں اکثر اوقات علمی تلمیحات کی ایسی چاشنی ہوتی جو ان کی معنویت میں چار چاند لگا دیتی، وہ اپنے شاگردوں اور چھوٹوں سے بھی بہت بے تکلف تھے۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے عبادات و طاعات کا بھی خاص ذوق عطا فرمایا تھا۔ اور ان کی ظرافت کو غور سے دیکھو تو ایسا لگتا تھا کہ انھوں نے اپنی بزرگی کو

طنز و مزاح کے پردے میں چھایا ہوا ہے، اور اس حقیقت کے ادراک کے بعد حضرت مفتی صاحب کے طرز عمل میں حضرت محمد بن سیرینؒ کی شہادت آنے لگتی تھی کہ جن کے بارے میں ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ:

كُنَّا نَسْمَعُ ضَحْكَهُ بِالنَّهَارِ وَ بِاللَّيْلِ.

(یعنی ہم دن کے وقت ان کے ہنسنے کی آواز سنتے تھے اور رات کے وقت ان کے رونے کی) (۱)

آپ کی سادگی کے بارے میں حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ فرماتے ہیں،

”حضرت مفتی صاحب شروع ہی سے نہایت سادہ مزاج اور صوفی منش تھے، دیکھنے والا ان کی وضع قطع کو دیکھ کر یہ اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے عالم، ایسے عظیم فقیہ، اتنے جلیل القدر محدث اور ایسے بلند پایہ صاحب نسبت ہیں اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہیں، جو جتنا بڑا اور اونچا مرتبہ رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو اسی قدر بچھاتا چھپاتا اور سادہ رکھتا ہے۔“

ایک مرتبہ رائے وطن کے مدرسہ میں امتحان کے لئے تشریف لے گئے واپسی پر لاہور جانا تھا ریل گاڑی میں کافی رش تھا کچھ دیر کے بعد ایک مال گاڑی آئی اس میں وہ ڈبہ جس میں جانور کو لے جاتے ہیں اس میں آپ بے تکلف سوار ہو گئے اور ایک کونے پر اپنا رومال بچھا کر بیٹھ گئے کسی نے کہا حضرت یہ تو حیوانات کا ڈبہ ہے فرماتے ہیں چھوڑا رہا ہم بھی تو حیوان ناطق ہیں۔ (فن منطق کی اصطلاح میں انسان کو حیوان ناطق کہتے ہیں یعنی بولنے والا حیوان)۔

## حکام سے اجتناب

حضرت مفتی صاحب حکام سے ملنے ملانے سے بہت زیادہ احتراز فرماتے تھے۔ خود کسی سرکاری حاکم سے ملنا تو دور کنارا اگر وہ ملاقات کرنا چاہتا تو اس سے بھی کنارا کشتی فرماتے تھے۔ سرکاری لوگوں سے اجتناب حضرت مفتی صاحب کے بارے میں اتنا معروف و مشہور ہے کہ اس کا انکار کوئی معاند بھی نہیں کر سکے گا۔

## اخلاق سیرت و عادات

انسان میں کمال اس کی صفات سے آتا ہے۔ ظاہری صورت کے بجائے شریعت مطہرہ نے انسان کی باطنی کیفیت پر زور دیا ہے اور اسی پر دین و دنیا کی کامیابی کا دار و مدار بتایا ہے۔ اسلام نے مکارم اخلاق پر جتنا زور دیا ہے وہ سب پر عیاں ہیں یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ ان کی بعثت بھی حسن سیرت اور مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے ہے۔

دیکھنے والے سب جانتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کو اللہ نے کن پسندیدہ اخلاق سے مزین فرمایا تھا۔

کبھی بھی کسی سے اپنی ذات کے لئے زندگی بھر بدلہ نہیں لیا بعض لوگوں نے آپ کو بہت تکلیف بھی دی ان کے نام بھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیے اگر کسی کو معلوم بھی ہوا تب بھی فرمایا کہ چھوڑا رناراض ہوتا ہے تو ہونے دو میں کیا کروں؟

حضرت مفتی صاحب کے شاگرد خاص رئیس دارالافتاء بخاری ٹاؤن مفتی عبدالسلام چانگانی فرماتے ہیں۔

”حضرت الاستاذ مفتی صاحب جیسا کہ ان کا نام ولی حسن ہے، حقیقت میں ان کے اندر شان ولایت بھی تھی بندہ کے ساتھ ۲۶ سال کے عرصہ میں ان سے کوئی جھوٹ، فریب، خیانت، حسد، بغض، عداوت، حرص، لالچ، کبر و نخوت، وغیرہ جیسے امراض باطنیہ کے آثار نہیں دیکھے ورنہ آج کل اہل علم میں ظاہری گناہ زنا، چوری، سود خوری، رشوت خوری کے معاصی تو نہیں ہوتے لیکن دوسرے امراض باطنیہ کے آثار بہت پائے جاتے ہیں، الا ماشاء اللہ۔“

آپ کی زندگی میں اس قسم کے بے شمار واقعات ملتے ہیں ایک واقعہ مفتی عبدالسلام چانگانی لکھتے ہیں،

”ایک صاحب گفتگر یالے پال والے توانا و تندرست ادیب و عمر کے آئے وہ پہلے بھی اکثر دفعہ حضرت مفتی صاحب کے پاس آ جاتے اور پرچی لکھا کر لے جاتے تھے اس مرتبہ آئے تو بڑی لجاجت اور عاجزی کے ساتھ اپنی حاجت ظاہر کی ایک بڑی رقم کا مطالبہ تھا، آپ سے کہا فلاں متبول شخص کے نام رقم لکھ کر دے دیں تاکہ وہ مجھے مطلوبہ رقم دے دے، حضرت مفتی صاحب ٹالتے تھے وہ اصرار کرتے تھے آخر آپ نے ایک عام خط لکھ دیا اور کہا کسی کے پاس خاص طور پر نہیں لکھتا یہ بری بات ہے میں نے تمہاری ضرورت کے سلسلہ میں لکھ دیا ہے اس میں عام سفارش ہے اگر کام بن جائے تو بہتر ہے۔ وہ صاحب خط لے کر اپنے تاجر و شخص کے پاس چلے گئے، گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد پھر آئے اور بڑے

ناراض تھے کہ اس نے صرف پانچ سو روپے دیئے ہیں۔ میری ضرورت تو زیادہ کی تھی، مگر یہ کہہ کر اس نے واپس کر دیا کہ تم لوگ مفتی صاحب کو تنگ کرتے ہو، انہوں نے رقعہ لکھ دیا میں نے ان کے رقعہ کی وجہ سے پانچ سو روپے دیئے ہیں ورنہ نہ دیتا۔ اس شخص نے پھر دو چار لوگوں کے نام رقعہ لکھنے کو کہا۔ ایک گھنٹے تک بیٹھا رہا لیکن حضرت مفتی صاحب اس سے معذرت کرتے رہے اور ہاتھ جوڑ کر فرمایا معاف کر دو میں اور نہیں لکھ سکتا۔ پھر وہ آدمی چلا گیا۔ مہینہ پندرہ روز کے بعد اس نے حضرت مفتی صاحب کے نام ایک خط لکھا اور اس میں غلیظ اور فحش گالیاں لکھ دیں۔ مفتی صاحب نے وہ خط ہمیں دیا کہ دیکھو اس دن کے چندہ مانگنے والے نے کیا لکھا ہے؟ میں نے اس کو پڑھا اور حیران تھا کہ اس شخص نے حضرت مفتی صاحب کو کیسی غلیظ گالیاں لکھی ہیں مفتی صاحب نے صرف اتنا فرمایا کہ چھوڑو ناراض ہوتا ہے ہونے دو میں کیا کروں۔<sup>(۱)</sup>

نیز حضرت مفتی صاحب کو پان کھانے کی عادت تھی جس کی وجہ سے آپ کے کپڑے پر عموماً پان کے نشان رہتے تھے اور پان کا ذوق آپ کو اتنا تھا کہ جب حضرت مفتی صاحب لیاقت آباد میں والدہ محترمہ کے ساتھ رہتے تھے تو والدہ محترمہ جو پیسہ کرائے کے لئے دیتی اس سے تو حضرت مفتی صاحب پان کھا لیتے اور لیاقت آباد سے بنوری ٹاؤن تک کا سفر پیدل طے فرماتے۔



## حضرت مفتی صاحب کا تبلیغی کام سے تعلق حمایت

اسی طرح حضرت مفتی صاحب تبلیغی کام سے بھی بے انتہا محبت فرماتے تھے اور اس کو جماعت حقانی فرماتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع میں بڑے اہتمام کے ساتھ تشریف لے جاتے اور دوسروں کو بھی جانے کی ترغیب دیتے تھے۔ اسی طرح تبلیغی مرکز (کراچی) میں بھی حضرت مفتی صاحب کے بیانات ہوئے جس میں لوگوں کو خوب ترغیب دیتے کہ اللہ کے راستے میں نکلو۔ اور دین سیکھو اسی میں نجات ہے۔ رائے ونڈ کے مدرسہ کے امتحان لینے کے لئے بڑے اہتمام کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے علماء کے جمع میں عموماً ارشاد فرماتے کہ تبلیغ میں نکلو اس میں خیر غالب ہے۔

نیز علماء سے ارشاد فرماتے ہیں کہ تبلیغ میں لگنے کے تین درجات ہیں۔

(۱) سب سے اعلیٰ تو یہ ہے کہ آدمی خود نکلے۔

(۲) اس سے کم یہ کہ دوسرے کو نکلنے کی ترغیب دیتا رہے۔

(۳) کم از کم اس کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے یہ بہت ہی خطرے کی چیز ہے۔

وقتاً فوقتاً آپ مدرسہ میں بھی تبلیغی بیان فرماتے اور طلباء کو ترغیب دیتے کہ تبلیغ میں وقت لگا دو دورہ حدیث والوں کو سال لگانے کو فرماتے متعدد علماء نے آپ کے ہی فرمانے پر تبلیغ میں سال لگایا۔ دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے جب حضرت مفتی صاحب سے مشورہ کرتے کہ ہم فراغت کے بعد کیا کریں؟ تو ارشاد فرماتے کہ پہلے سال لگا لو پھر مشورہ کرنا۔

کبھی ارشاد فرماتے کہ مدرسہ میں پڑھنے والوں کی تعداد عوام کے مقابل سو

میں سے ایک فیصد بھی نہیں۔ باقی جو دین سے دور ہیں جن میں دین کی طلب نہیں ان میں دین کیسے آئے؟ اس کے لئے صرف تبلیغ ہی کا کام ہے کہ ان لوگوں میں محنت کریں ان میں دین داری پیدا ہو۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ علیہ جو مدرسہ کہ بانی تھے وہ بھی طلبہ کو وقتاً فوقتاً تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دیا کرتے تھے مولانا کا ایک مضمون جو ریانات میں شائع ہوا اس سے بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ علیہ کہ تبلیغی جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رائے:

### فریضہ دعوت و تبلیغ میں کوتاہی

عرصہ دراز سے امت محمدیہ ﷺ سے ایک اہم تقصیر ہو رہی ہے اور خیر القرون کے بعد سے ہی اس تقصیر کی بنیاد پڑ گئی تھی یعنی ”تبلیغ دین“ اور ”دعوت الی اللہ“ میں قابل حسرت کوتاہی ہو رہی ہے، دعوت و ہدایت دین اسلام کا اساسی اصول ہے، جب دعوت ناکام ہو اور اس کی اشاعت کے راستے میں روڑے لگائے جائیں تو ”جہاد و قتال“ کی نوبت آتی ہے، قرون اولیٰ کے سلف صالحین گفتار سے زیادہ اپنے کردار سے یہ دعوت پیش کرتے رہے، قوت بیانی سے پہلے اخلاق و ایمانی قوت سے دعوت دیتے رہے، ہر ایک صحابی سر سے پیر تک اسلامی اخوت، اسلامی مواسات اور اسلامی اخلاق کا اعلیٰ نمونہ تھا، دنیا میں اسلام آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے دینی حسن و

جمال اور حسن اخلاق کے کمال سے پھیلا، تلوار کے زور سے نہیں پھیلا، صاحب  
 انصاف و صاحب عقل و بصیرت موزن اس سے بے خبر نہیں، اگر مسلمان اس اہم  
 فریضہ میں کوتاہی نہ کرتے تو شاید تمام عالم مسلمان ہوتا، بگوئی مصالح تو حق تعالیٰ ہی  
 جانتا ہے تاہم دنیا کے مزاج میں کفر و اسلام کے امتزاج سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن  
 جہاں تک عقل اور اسلامی اصولوں کا تقاضا ہے وہ یہی ہے جو کچھ عرض کیا جا رہا ہے،  
 چنانچہ اپنے اثرات کے اعتبار سے دیر پا اسلام وہی رہا جو دعوت و ارشاد کے راستوں  
 سے پھیلا ہے، اسلامی فتوحات کے ادوار میں یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ حضرات  
 صحابہ کے عہد یمون میں جو ممالک اسلام کے زیرِ تحکیم آئے وہ آج تک اسلام پر قائم  
 ہیں اور بعد میں سلاطین اسلام کی تلوار سے جو مسلمان ہوئے وہ یکے بعد دیگرے اسلام  
 سے نکلے جا رہے ہیں، نیز یہ فرق بھی واضح ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مفتوحہ ممالک  
 میں عقائد کی چٹائی آج بھی باقی ہے، اگرچہ اعمال و اخلاق میں یورپ کی نقالی کا رنگ  
 غالب ہے، اس کے برخلاف جو ممالک بعد میں سلاطین اسلام اور ملوک اسلام کے  
 زورِ تلوار سے فتح ہوئے ان میں عقائد کی خامی واضح ہے اگر کہیں اعمال ظاہری میں  
 بظاہر چٹائی بھی نظر آئے تو کریدنے کے بعد معلوم ہوگا کہ قلبی عقیدہ اتنا کھوکھلا ہو چکا  
 ہے کہ ایک دھکے سے ختم ہو جاتا ہے، دراصل ابتدائی دور کی فتوحات میں اخلاص  
 نمایاں تھا، انھوں نے اگر جہاد بھی کیا تو وہ بھی صرف اس غرض سے تھا "لَا تُغْنُونَ  
 كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعَلْبَاءُ" تاکہ صرف حق تعالیٰ کا دین غالب ہو اس لئے ان فتوحات

کی برکات سے مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پائی جاتی ہے اور جو ملک بعد میں فتح ہوئے ان میں اخلاص کا وہ درجہ نہ تھا، بلکہ ملوکیت اور شان و شوکت کی آمیزش تھی اس لئے وہ دینی تہذیب حاصل نہ ہو سکا، کہنا یہ تھا کہ دعوت و ارشاد میں امت مقصر رہی ہے اور آج جو نقشہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے اسی تقصیر کے نتیجے میں ہے۔

حق تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں حضرت مولانا محمد الیاس کا مدہ صلوٰۃ کی روح پہ جنہوں نے مسلمانوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور اس سبق یاد دلانے میں ہی فنا ہو گئے اگر کوئی فنا فی اللہ فنا فی الرسول ﷺ فنا فی الشیخ کے مظاہر کو سمجھنا چاہتا ہے تو حضرت مرحوم کو دیکھ لے کہ کس طرح فنا فی التبلیغ ہو گئے تھے کہ اٹھتے بیٹھے سوتے جاگتے ایک ہی فکر دامن گیر تھی تمام زندگی اور تمام افکار انھیں اسی مقصد کے لئے وقف تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کی جانفشانی و ایثار و اخلاص و جدوجہد کو قبول فرمایا اور چار دانگ عالم میں اس کے ثمرات و برکات پھیل گئے۔<sup>(۱)</sup>

### سراپا شفقت ہی شفقت

جس طرح نبی کریم ﷺ کے بارے میں حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں دس سال رہا مگر کبھی بھی مجھے آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا؟ اور یہ کام کیوں نہیں کیا؟

اسی طرح حضرت مفتی کے ساتھ رہنے والے کہتے ہیں کبھی آپ اپنے ماتحتوں کو ڈانٹتے نہیں تھے۔ ہمیشہ درگزر کا ہی معاملہ فرماتے تھے۔

ایسے معمولی قسم کے لوگ جن کی طرف لوگ توجہ بھی نہیں کرتے تھے حضرت مفتی

صاحب ان سے بھی بہت ہی زیادہ شفقت سے پیش آتے تھے اور ایسے لوگوں کے لئے بھی حضرت مفتی صاحب چائے وغیرہ منگواتے اور ان کا اکرام فرماتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کا ایک نکیہ کلام تھا جو نوک زبان میں یہ قیوف کو کہتے ہیں یہ اردو میں اگر چہ گالی ہے اس لئے ہمارے لئے کہنا یہ اچھا نہیں ہے حضرت مفتی صاحب تو اپنی نوک زبان میں بطور مذاق فرماتے کہ میں بھی چوتیہ مول اور میرے ملنے والے بھی سارے چوتیہ ہیں۔ اس سلسلہ میں مفتی عبدالسلام چانگامی فرماتے ہیں،

”حضرت مفتی صاحب تمام اساتذہ اور طلباء کے لئے یکساں خیر خواہ استاد تھے اور سب کے لئے بڑے مشفق باپ کی طرح تھے، ہر استاد کے رنج سے رنجیدہ اور ہر طالب علم کے غم سے غمگین ہوتے تھے صرف یہی نہیں کہ کسی کے غم اور پریشانی سے وہ پریشان ہوتے بلکہ اپنے بس کی بات ہوتی تو استاد یا طالب علم کی پریشانی کو دور فرمانے کی کوشش بھی کرتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ جامعہ کے ایک استاد شدید ضرورت مند تھے، حضرت الاستاد مفتی صاحب رحمہ اللہ سے آکر دارالافتاء میں ذکر کیا، آپ ان کی بات سن کر پہلے بہت متاثر ہوئے پھر فرمایا دیکھتا ہوں، ایک آدمی سے قرض لے کر آپ کو دیتے ہیں واپس کب کریں گے؟ ان استاد صاحب نے کہا مہینہ کے اندر اندر دینے کا ارادہ ہے۔ اگر نہ ہو سکا تو انشاء اللہ دو مہینہ کے اندر تو ضرور ادا کر دوں گا۔ پھر حضرت مفتی صاحب نے ان استاد سے فرمایا عظیمیں میرے ساتھ میں نے عرض کیا حضرت ابھی

تو سبق کا وقت ہے اگر کہیں جانا ہے تو سبق کے بعد جائیں گے، بہتر رہے گا، آپ نے فرمایا دور نہیں جانا ہے سبق کا حرج نہ ہوگا۔ چنانچہ اپنے متعلق متحمل شخص کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے ذکر کیا مجھے کچھ روز کے لئے کچھ رقم قرض چاہیے، چونکہ ضرورت مند استاد صاحب بھی حضرت مفتی صاحب کے ساتھ تھے وہ متحمل شخص ان کو بھی جانتے تھے اس لئے ان صاحب نے مفتی صاحب سے کہا آپ بھی عجیب شخصیت ہیں ہر کسی کے کام میں آتے ہیں۔ یہ فرما کر مطلوبہ رقم دیدی اور فرمایا اس کو واپس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے پھر وہ رقم لے کر ان استاد کو دیدی۔ پھر آپ سبق پڑھانے تشریف لے گئے۔ سبق کے بعد جب واپس دارالافتاء میں تشریف لائے، چہرہ پر بے باشت تھی، بہت خوش نظر آ رہے تھے، میں نے عرض کیا حضرت آج بہت خوش نظر آ رہے ہیں، کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس استاد صاحب کی ضرورت پوری ہوگئی۔ اس کی حالت دیکھ کر میں بہت پریشان تھا اللہ نے آسانی کر دی، کام بن گیا۔

یہ تھی آپ کی طبیعت کہ دوسروں کے غم سے غمگین ہوتے پھر اس کو دور کرنے کی کوشش میں لگ جاتے تھے۔ بھول شاعر۔

کہاں سے آئیں گے ایسے خلوص کے پیکر

زبان میں جن کے محبت کی چاشنی دیکھیں

بے شمار حضرات کے لئے آپ نے ایسی ہی سفارش کی، ان کا تعلق خواہ علماء سے

ہو طلباء سے یا عوام سے۔ کتنے ہی لوگوں نے آپ سے سفارشیں کروائی ہیں۔ کسی نے ملازمت کے لئے، کسی نے چمے کے لئے، کسی نے دوسرے امور کے لئے ان کا شمار بھی مشکل ہے۔ ممکن ہے بہت سے لفظ آدی بھی اس میں آجاتے ہوں، لیکن آپ کی ہمدردی ہر پریشان آدمی کے ساتھ ہوتی تھی۔<sup>(۱)</sup>

ایک مرتبہ حج کے موقع پر حضرت مفتی صاحب بیت اللہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور جب سجدے میں تشریف لے گئے تو کسی نے ازدحام کی وجہ سے آپ کے سر پر پاؤں رکھ دیا۔ اس کی وجہ سے کافی تکلیف ہوئی کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا ہوا کسی کی شکایت کرنے کے بجائے اپنی طرف منسوب کر کے فرمانے لگے کہ میرے سر کی خنایت نکلی ہے۔

زہد و قناعت اور استغناء نفس:

حضرت مفتی صاحب کی زندگی میں قناعت اور استغناء تکلفاً نہیں بلکہ فطری تھا۔ کبھی دنیا کی طرف نظر نہیں کی۔ لوگ آپ کو ہدایہ دیتے تو آپ قبول نہ فرماتے اگر قبول بھی فرماتے تو اس کو دوسرے کو مرحمت فرما دیتے اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔

آپ کو بہت سی جگہوں سے بڑے بڑے مشاہیر کی پیش کش آتی مگر آپ نے ان سب کو ٹھکرا کر معمولی مشاہیر پر اپنی زندگی گزار دی۔

شروع میں جب جامعہ علوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن تشریف لائے تو ایک موقع پر مدرسہ کے خزانے میں پیسے نہیں تھے حضرت مولانا علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے صاف صاف فرمایا کہ مدرسہ میں پیسے نہیں جو جانا چاہتا ہے چلا جائے میری طرف سے خوشی

سے اجازت ہے۔ حضرت مفتی صاحب وہاں ہی رہے جب کہیں سے دو ماہ کے بعد پیسے آئے اور حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے ان میں گزشتہ مہینوں کا مشاہرہ دینا چاہا اس پر حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں یہاں مشاہرہ لینے کے لئے نہیں آیا میں تو چنے چھاؤں گا اور پڑھاؤں گا حضرت مولانا بنوری صاحب نے بہت دینا چاہا مگر حضرت مفتی صاحب نے نہیں لیا اور کہا کہ وقت تو گزر گیا۔

دل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے

دنیا کے زد و حال پہ میں کفر نہیں کرتا

دنیا سے بے رغبتی کے بارے میں مفتی عبدالسلام فرماتے ہیں،

”۱۹۷۳ء کا واقعہ ہے ایک دفعہ ایک صاحب ہاتھ کی گھڑی اور ایک

شیر وانی حضرت مفتی صاحب کے لئے لائے۔ اس کے بعد وہ شخص

تھوڑی دیر بیٹھے، آپ نے ان کو چائے پلائی پھر وہ آدمی چلے گئے۔

دارالافتاء میں میرے علاوہ اور دو آدمی تھے۔ (اب ان میں سے دنیا میں

کوئی نہیں ہے،) مجھے فرمایا تمہارے پاس گھڑی ہے میں نے عرض کیا

گھڑی ابھی تک لی نہیں۔ ہمارے علاقے میں طلباء میں گھڑی استعمال

کرنے کی عادت کم ہے۔ کیوں کہ وہ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے اس

لئے نہیں خریدی۔ یہاں پر اب تک خریدی نہیں ہے، فرمایا یہ گھڑی تم پہن

کر دیکھو میں نے عرض کیا حضرت یہ چیزیں تو آپ کے لئے آئی ہیں،

لہذا آپ ہی پہن لیں، آپ نے فرمایا پہنو تو سہی، میں نے وہ گھڑی لے

کر ہاتھ پر باندھ لی، آپ نے فرمایا تمہیں اچھی لگتی ہے۔ یہ گھڑی تم لے



لو بہر حال استاد تھے۔ جب آپ نے زور دے کر فرمایا تو میں نے گھڑی تو لے لی البتہ شیروانی وہیں پڑی رہی۔ آپ سبق پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا شیروانی کس کو دوں؟ اٹھائی اور فرمایا یہ بھی تم لے لو اور کہا کہ پہن کر دیکھو میں نے پہن کر دیکھا ساز میں بڑی تھی۔ میں نے عرض کیا یہ تو بڑی ہے۔ آپ نے فرمایا بعد میں پہن لینا۔ بہر حال دونوں چیزیں آپ نے مجھے عنایت فرمادیں۔“

ایک مرتبہ ایک آدمی نے حضرت مفتی صاحب اور ایک استاد کو رومال ہدیے میں دیے۔ حضرت مفتی صاحب کو جو رومال دیا وہ زیادہ قیمت کا تھا اور خوبصورت تھا اور دوسرا رومال کم قیمت تھا۔ ہدیہ دینے والے صاحب جب اٹھ کر چلے گئے تو کم قیمت رومال والے استاد صاحب نے کہا مفتی صاحب! آپ کا رومال بہت خوبصورت ہے، آپ نے ہنس کر فرمایا اگر آپ کو پسند ہے تو آپ لے لیں، استاد صاحب نے اوبالا انکار فرمایا مگر حضرت مفتی صاحب کے ذہن میں بات رہی اپنے صاحبزادے مولوی سجاد صاحب سے فرمایا فلاں استاد کو میرا یہ رومال دیدینا، انھوں نے وہی رومال ان استاد صاحب کو پہنچا دیا۔

ایک مرتبہ ختم بخاری کے موقع پر مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور دوسرے بڑے بڑے علماء بھی شریک تھے۔ ایک استاذ نے حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ میرے پاس ایک قیمتی جہ ہے۔ آج کے روز اگر آپ پہنیں گے تو میری طرف سے ہدیہ ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے ان چیزوں سے دلچسپی نہیں۔ استاد صاحب نے اصرار کیا کہ حضرت ایسی علمی مجلس ہے جس میں بہت سے علماء باہر سے شریک ہیں، حضرت مولانا

بنوری صاحب رحمہ اللہ بھی پہنچتے تھے کیسے خوبصورت معلوم ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا وہ بڑے لوگ تھے۔ پھر مذاقا فرمایا بھائی جب میں کیا رکھا ہے ان چیزوں کو چھوڑو، پھر ان استاذ صاحب نے عاجزی و انکساری سے درخواست کی کہ آپ جبہ قبول کر لیں۔ اور کم از کم ختم بخاری کی اس تقریب میں ہمیں آپ کے ہاتھ میں وہ جبہ دیدیا اور کہا یہ آپ کو ہدیہ ہے۔ ابھی آپ جامعہ کے دفتر میں بیٹھے تھے، جب آپ کے کندھے پر تھا، جامعہ کے ایک دوسرے بڑے استاذ آئے اور حضرت مفتی صاحب سے کہا یہ جبہ کیسا؟، حضرت مفتی صاحب تو جبہ پہنچتے نہیں، حضرت مفتی صاحب نے فرمایا آپ کو پسند ہے تو آپ لے لیں۔ آپ جبہ پہنچتے ہیں آپ کو اچھا لگتا ہے۔ آپ ہی لے لیں، چنانچہ آپ نے وہی قیمتی جہان دوسرے استاذ صاحب کو دے دیا۔

## حضرت مفتی ولی حسن علماء کی نظر میں

تمام علماء اور عوام کی طرف سے ۱۹۸۴ء میں مفتی اعظم پاکستان کا لقب دیا گیا۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں کہ، مفتی ولی حسن فقہی نظر اور فضیلت کی وجہ سے خاص اعتبار اور شہرت رکھتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری فرماتے ہیں،  
”فقید العصر ہیں۔“<sup>(۲)</sup>

نیز کبھی علامہ بنوری فرماتے،

”مفتی ولی حسن صاحب علم، صاحب بصیرت، صاحب فہم مفتی ہیں۔“

(۱) پرانے چراغ ج ۱ ص ۲۰۰

(۲) اشاعت خاص علامہ بنوری ج ۱ ص ۲۳۲

نیز یہ بھی فرماتے کہ،

”میرا دل چاہتا ہے کہ مفتی صاحب سے ترمذی پڑھوں۔“  
مفتی احمد الرحمن (۱) سابق مہتمم بنوری ٹاؤن فرماتے ہیں۔

(۱) مفتی احمد الرحمن (مہتمم دوم بنوری ٹاؤن) کے مختصر حالات

ولادت باسعادت: ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ بمطابق ۲۲ اگست ۱۹۳۶ء کو پیدا ہوئے۔

والد کا نام مولانا عبدالرحمن کامل پوری تھا جو اپنے وقت کے عظیم محدث اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اہل خلفاء میں سے تھے نیز ان کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ حضرت تھانوی نے ان کو بیت ہونے سے پہلے ہی خلافت عظام فرمائی تھی۔

تعلیم: ابتدائی تعلیم والد صاحب کے زیر سایہ رو کر پاکستان کے مختلف مدارس میں حاصل کی آخر میں دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی اور پھر جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں حاصل کی۔

اور پھر حضرت مفتی ولی حسن سے افتاء کی تربیت حاصل کی اور جامعہ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں مفتی اور مدرس بنے۔

شاہ ولی ان کی شخصیت کو مولانا یوسف بنوری نے پرکھ لیا کہ تقریب یہ مجمع بھال و جلال اور مرجع محبوبیت بننے والا ہے۔ انہوں نے ان کو اپنی بیٹی نکاح میں دے کر اپنا تازا مادہ بنالیا۔

کہاں سے ابتداء کیجئے بڑی مشکل ہے درونما  
کہانی عمر بھری اور چلے رات بھر کا ہے  
کارنامے: مولانا یوسف بنوری ان کے علمی کمالات کے بے حد معترف اور قدردان تھے اور انہوں نے اپنی زندگی میں اپنا جانشین مقرر فرما دیا۔

درس کے جہتم بننے ہی جامعہ العلوم الاسلامیہ میں چار چاند لگ گئے اور اس کی قیادت میں شاہیں قائم ہونے لگیں۔  
شاہنشاہین عمر سب اب کو، مدرسہ عربیہ اسلامیہ (طبر)، جلال کالونی کورنگی میں، مدرسہ رحمانیہ، پاپوش نگر، محمد  
میں بھی ایک شاخ قائم فرمائی جس میں طلباء کا خوب رجوع ہوا۔ آپ متعدد درس کے سرپرست بھی تھے۔  
نیز اس مدرسہ کی مصروفیات کے علاوہ قسم نبوت کے نائب امیر بھی تھے اور وفاق المدارس میں پہلے نائب  
صدر اور پھر عظمیٰ منتخب ہوئے۔

”حضرت مفتی صاحب بڑے پائے کے محقق عالم اور تہذیبیانہ ذوق رکھتے تھے۔“

مولانا یوسف لدھیانویؒ شہید فرماتے ہیں،

”حضرت مفتی صاحب ہمارے مخدوم و محترم شیخ الفاضل العلامة الفاضل القاضی المفتی تھے۔“

کبھی فرماتے کہ،

”مفتی صاحب کے علم و فضل اور فقہ اور علوم نبویہ ﷺ میں ان کی مہارت

ای طرح سارا عظیم اہل سنت کے نائب مدد بھی تھے اور تھوڑی سی عادت کے سیر بھی تھیں ہوئے۔

الغرض مفتی صاحب اپنی ذات کے لحاظ سے ایک انجمن تھے۔

بیعت و خلافت: ان تمام مسائل کے ساتھ ساتھ اصلاح و ارشاد کا سلسلہ بھی قائم تھا حضرت اقدس مولانا فقیر محمد پشاور کی طلیف حضرت مکیم الامت اشرف علی تھانویؒ نے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ مفتی صاحب سوہار کی شام کو مصر کی نماز کے بعد مدرسہ کے مہمان خانہ میں حلقہ ارشاد و تفسیر فرماتے تھے جس سے لوگوں کو خوب فائدہ ہوا۔

وفات: ۱۳۰۳ھ جب لاہور کو دور کے وقت دارالعلوم کو رگی بھر لے گئے اور وفات کے سلسلہ میں مفتی محمد رفیع عثمانی سے کافی دیر تک گفتگو فرمائی اور پھر رات مغرب کے بعد جاسو جویہ عالمیہ لاہور مفتی ضم صاحب (پس منگوتہ شریف کے قسم کی تقریب میں آخری حدیث کا درس دیا اور پھر عاشری خوب دودھ دیا کہ کسی کو پورا جمع بھی روتا ہوا اس دن غامض کرحسن فاتر کی خوب دعا مانگی۔ سارا صبح تو بیچ اپنے گھر میں ناہمی ہوئی۔ رات بارہ بجے سینے میں درد محسوس ہوا۔ وہ روز بروز چلا گیا یہاں تک کہ رات تین بجے ان پینس کے ذریعہ امراض قلب کے ہسپتال میں لے جایا گیا مگر سانس ختم ہو چکی تھی اور وقت سو گوار چکا تھا اور آپ اس دنیا فانی سے رخصت ہو گئے۔

نماز جنازہ مفتی احمد الرحمن کے بڑے بھائی مولانا قاری سعید الرحمن نے پڑھائی جنازے میں بہت زیادہ کلام دیکھنے میں آیا اور اپنے چاچا فقیر مولانا یوسف لدھیانوی کے پہلو میں ہی مدفون ہوئے۔

و صداقت کا ایک زمانہ قائل تھا۔“ (۱)

حضرت مولانا حبیب اللہ حقاری شہیدؒ فرماتے ہیں،

”حضرت مفتی صاحب فقہ و حدیث کے پہاڑ اور ادب عربی اور دیگر علوم کے بحر ذخار تھے۔“ (۲)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب اپنے زمانے میں علماء کے قائد تھے جو بات بھی حضرت مفتی صاحب فرماتے سب کے نزدیک وہ قابل قبول ہوتی تھی۔

### حلیہ مبارکہ

قدرت نے حضرت مفتی صاحب کو حسن صورت سے بھی نوازا تھا۔ متوسط قد، سینہ کشادہ، رنگ گورا چنا، گھٹی ڈاڑھی، ناک ستواں، خوبصورت چہرہ کسی قدر گولا کی لیے ہوئے تھا۔ چہرے میں ایک خاص قسم کی چمک تھی نیز چہرے سے عظمت و جلال کے آثار نمایاں تھے، آواز بلند اور رعب دار تھی۔ بیان نہایت فصیح و بلیغ ہوتا تھا البتہ زبان میں معمولی سی لکنت تھی مگر یہ لکنت بیان کی فصاحت میں کبھی پیدا کرنے کے بجائے مزید حسن پیدا کرتی تھی۔

(۱) شخصیات و آثار، ص ۱۰۶

(۲) رسالہ وثائق

## تصانیف

حضرت مفتی صاحب کو اللہ نے جہاں پر دوسرے بہت سے بے شمار کمالات سے نوازا تھا وہاں ان میں تصنیف و تالیف کا شغف بھی تھا اگرچہ آپ کی تصانیف کم ہیں مگر انتہائی اہم اور ضروری موضوعات پر ہیں آپ اس فن کے بھی شہسوار تھے حضرت شیخ الحدیث مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ مجھ کو تحریر لکھنے کا سلیقہ حضرت مفتی صاحب نے ہی سکھایا تھا چنانچہ وہ فرماتے ہیں،

”حضرت مفتی صاحبؒ ہی کے حکم پر احقر نے اپنا سب سے پہلا مقالہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا ”رسول کریم ﷺ سب سے بڑے شارح تھے“ یہ ناظم آباد میں ہونے والے ایک مذاکرہ کے لئے لکھا گیا تھا۔ اس مذاکرے میں شہر کے مختلف تعلیمی اداروں کے طلبہ کو اسی موضوع پر تقریر اور مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ تم اس موضوع پر لکھو۔ لکھنے کا طریقہ بھی خود ہی تحقیق فرمایا۔ مواد بھی بتایا اور لکھنے کے بعد اس کی اصلاح بھی فرمائی۔ یہ مقالہ مذاکرے میں پیش ہوا اور اسے پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ میں نے حضرت مفتی صاحبؒ سے دریافت کیا کہ قرآن کریم کی آیت:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

میں آنحضرت ﷺ کے وجود پاک کو صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ پوری کائنات کے لئے رحمت قرار دیا گیا ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا

کہ کائنات کے بے شعور موجودات مثلاً چاند، ستاروں، دریا، پہاڑ سمندر کے لئے آپ کے رحمت ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت مفتی صاحبؒ نے جواب دیا کہ جن موجودات کو ہم بے شعور سمجھتے ہیں وہ بھی اپنے وجود کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ شعور ضرور رکھتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے ارشاد فرمایا۔

وان من شی الا یسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبیحهم  
دوسری طرف کائنات کی تمام موجودات کے لئے باعث رحمت یہ امر ہے کہ دنیا دین فطرت کے مطابق چلے، آنحضرت ﷺ کی تعریف آداری سے یہ مقصد حاصل ہوا اور زمانہ اپنی فطرت پر لوٹ آیا۔ پھر حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا کہ خطبہ جیمہ الوداع کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے جو ارشاد فرمایا،

الزمان قد استدار کھینچنے یوم خلق السموت و الارض  
اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ زمانہ اپنی فطری تخلیق کی حالت پر لوٹ آیا ہے۔ یہ تحریر بڑی دل نشین انداز میں فرمانے کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے احقر سے فرمایا یہ بات تم ایک مضمون کی شکل میں کیوں نہیں لکھ دیتے؟ چنانچہ حضرت ہی کے ایمام پر میں نے اپنا دوسرا مضمون لکھا جن کا عنوان تھا ”جو سب کے لئے رحمت ہیں“ یہ مضمون ایک ادبی ماہنامے ”فکر نو“ میں تین قسطوں میں شائع ہوا۔ اس طرح تحریر و تصنیف کے میدان میں مجھ کا کارہ کو حضرت مفتی صاحبؒ نے ہاتھ پکڑ کر چلنا سکھایا۔

## حضرت مفتی ولی حسنؒ کی تصانیف کا مختصر تعارف:

حضرت مفتی صاحب نے مستقل توپانچ کتابیں لکھیں اور اس کے علاوہ متعدد سالوں میں مقالے اور متعدد کتابوں پر تقاریف لکھیں ہیں۔ آپ کی تصانیف کے اسامہ گرامی:

- (۱) تذکرہ اولیائے پاک و ہند۔ (۲) بیرہ کی حقیقت۔ (۳) فقہانکار حدیث۔
- (۴) قربانی کے مسائل۔ (۵) مالکی قوانین شریعت کی روشنی میں۔
- (۱) تذکرہ اولیائے پاک و ہند:

اس کتاب میں پاکستان اور ہندوستان کے ۱۱۹ اولیاء اللہ کے حالات بڑے بہترین انداز میں جمع کئے گئے ہیں کتاب کے صفحات ۱۷۶ میں اور یہ ادارۃ الاسلامیات لاہور سے شائع ہوئی ہے عام مل جاتی ہے۔ جس کے سرورق یہ پر یہ لکھا ہوا ہے،

”جس میں اولیاء کرام و صوفیائے عظام کے حالات زندگی نہایت تحقیق و جستجو کے بعد مستند تاریخ کی روشنی میں تحریر کئے گئے ہیں اور ان قابل احترام حضرات کے روحانی کمالات اور علمی و عملی خصوصیات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ان حضرات کے وجود گرامیہ نے عالم انسانیت اور خصوصاً براعظم پاکستان و ہندوستان کے رہنے والوں کو کیا فیض پہنچایا اور مختلف حیثیتوں سے کیسی جلیل القدر خدمات انجام دی ہیں۔“

## (۲) بیرہ کی حقیقت:

حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ کے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے ممبر ہونے کی



حیثیت سے جدید پیش آمدہ مسائل کے حل کے حوالہ سے بھی مسائل کا ایک بڑا حصہ حضرت کا ایک عظیم علمی کارنامہ ہے ”مجملہ ان جدید مسائل میں سے ایک ”بیرہ زندگی“ نامی رسالہ ہے اس رسالے میں سوالنامہ حضرت نے بیرہ کی حقیقت، اس کا شرعی حل، اس کی ابتداء و آغاز اور انجام کو واضح فرمایا ہے۔ اس رسالہ میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ کی عبارات سے یہ واضح کر دیا ہے کہ بیرہ (یعنی یقین دہانی کروانا) خواہ وہ کسی کا بھی ہو زندگی کا بیرہ ہو، املاک کا بیرہ ہو، ذمہ داری کا بیرہ ہو یا دوسری کسی چیز کا بیرہ ہو بہر حال یہ ایک سودی معاملہ ہونے کے ساتھ ساتھ دھوکہ بھی ہے جو کہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے البتہ اس کو حضرت کے بیان کردہ اصولوں کے تحت کیا جائے تو وہ جائز اور درست بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ شرائط اور اصول قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ ہیں۔ یہ رسالہ بھی بہت ہی اہمیت کا حامل ہے۔

### (۳) فتنہ منکر حدیث:

جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی صدارت کے لئے غلام احمد پرویز کا نام لیا جا رہا ہے اس سے علماء حق کو بہت افسوس ہوا۔ خود غلام احمد پرویز ایک بہت بڑا فتنہ تھانج صاحبان کی ایک بڑی تعداد اور پڑھے لکھے لوگوں میں اس کا بہت ہی زیادہ اثر ہو رہا تھا کیونکہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ ہم بھی پرویز کی طرح عربی زبان سے ناواقفیت بلکہ جہالت کے باوجود اجتہاد کے منصب جلیل پر فائز ہوں اور کہیں کہ اجتہاد کے لئے عربی زبان جاننے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

ان حالات کے پیش نظر مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے حضرت مفتی ولی حسن کو مقرر کیا کہ پرویز کی لکھی ہوئی کتابوں کو دیکھ کر تحقیقات قائم کریں اور پھر قرآن مجید اور اولہ

شرعیہ سے اس کا جواب لکھ کر ایک مختصہ فتویٰ تحریر کریں اور پھر اس فتویٰ پر علماء کرام سے دستخط لیئے جائیں تو حضرت مفتی صاحبؒ نے بہت ہی محنت سے پرویز ہی کی کتابوں سے فتویٰ تیار کیا اور پھر پاکستان ہندوستان بنگلہ دیش اور علماء عرب سے اس پر دستخط کروائے۔ جس کے نتیجے میں الحمد للہ یہاں بھرتا ہوا قند زیر زمین دفن ہو گیا۔

### (۴) قربانی کے احکام و مسائل:

اس کتابچہ میں حضرت مفتی صاحبؒ نے قربانی کے اہم مسائل کو حوالوں کے ساتھ تحریر فرمایا ہے۔ اس میں قربانی کے مسائل جانور کو ذبح کرنے کا طریقہ قربانی کے گوشت کو تقسیم کرنے کے مسائل اور آخر میں قربانی کے جانور کی کھالوں کے مسائل کو بہت ہی آسان انداز میں تحریر فرمایا ہے۔

### (۵) عائلی قوانین شریعت کی روشنی میں:

کتاب کے صفحات 400 ہیں اور مجلس دعوت و تحقیق اسلامی علامہ بنوری ناؤن سے چھپی ہے اس کتاب کے لکھے جانے کا سبب یہ بنا کہ جب جنرل ایوب خان جو مارشل لاء لگا کر پاکستان کے صدر بنے تو اس دور میں انھوں نے عائلی قوانین ایکٹ جو قرآن و حدیث کے بالکل خلاف تھے جاری کروایا اور اس کو نافذ کروایا اس وقت پاکستان بھر میں اس کے خلاف علماء نے آواز بلند کی اور ہر ایک نے اس کے خلاف جو کچھ ہو سکتا تھا وہ کیا اسی موقع پر حضرت علامہ محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری نے حضرت مفتی ولی حسن ٹوکی کو حکم دیا کہ عائلی قوانین پر قرآن و حدیث اور شریعت کی روشنی میں غور کریں اس پر حضرت مفتی ولی حسن ٹوکی نے اس عائلی قوانین پر تفصیل

سے بحث فرمائی جو ماہانہ رسالہ برنات میں چھپتا رہا۔ اور پھر اس کو بعد میں الگ کتاب کی شکل میں بنام "عالمی قوانین شریعت کی روشنی میں" چھپی اور یہ حضرت مفتی ولی حسن ٹوگئی کا ہی حق تھا جو انھوں نے ادا کیا کتاب ہر ایک کے لئے اہمیت کی حامل ہے۔

## مفتی صاحب کے چند اہم مضامین

(۱) حضرت مفتی صاحب کا ایک اہم مضمون جو حضرت مفتی صاحب نے البلاغ رسالہ کے اجراء پر وہاں کی انتظامیہ کے اصرار پر لکھا تھا جو البلاغ رسالہ میں محرم ۱۳۸۷ھ میں چھپا تھا۔

## سلف کا خوف آخرت

خوف آخرت ہی درحقیقت گناہوں سے بچانے کا ذریعہ ہے، دلوں میں خوف آخرت کی روح جب تازہ تھی اور آخرت کی جواب دہی کا جذبہ غالب تھا، تو مسلمان کے اخلاق و اعمال آج سے مختلف تھے، ان کی زندگی ایمان و عمل کی فضاء پاشیوں سے منور تھی۔ لیکن آج یہ جذبہ سرد پڑ چکا ہے، اسی لئے ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی گھٹنا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب چکی ہے، ہمارے سلف خوف آخرت جذبہ سے سرشار تھے، اس مختصر مضمون میں اس سلسلہ کے چند واقعات کی نشاندہی کی کوشش کی گئی ہے شاید ہمارے دل بھی اس متاع گمشدہ سے دوبارہ بہرور ہو جائیں اور ہماری زندگیاں پھر سے حیات نو حاصل کر لیں۔

ہمارے اسلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہ، تابعین، ائمہ کی صفات کا سرچشمہ حضور کریم ﷺ کی ذات اقدس تھی بلکہ ان نفوس قدسیہ پر آپ ﷺ ہی کی صفات کا عکس تھا اس لئے ہم اس سلسلہ کی ابتداء آپ ﷺ ہی کے ذکر جمیل سے کرتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم الانبیاء، افضل رسل محبوب خاص تھے، تاہم خوف آخرت کا عالم یہ تھا کہ فرمایا کرتے کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم کہ میرے اوپر کیا گزرے گی۔ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جب وفات پائی تو آپ ﷺ تعزیت کو تشریف لے گئے، نعش رکھی تھی، ایک عورت نے نعش کی طرف مخاطب ہو کر کہا، خدا گواہ ہے کہ خدا نے ان کو نوازا، آپ ﷺ نے فرمایا تم کو کیونکر معلوم ہوا بولیں، خدا نے ان کو نہیں نوازا تو اور کس کو نوازے گا؟ ارشاد ہوا کہ مجھ کو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے، لیکن پیغمبر ہو کر بھی نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔<sup>(۱)</sup>

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے بال پکنے (سفید ہونے) لگے، فرمایا: مجھے سورہ ہود، واقعہ، المرسلات اور عم یتیمون نے بوڑھا کر دیا<sup>(۲)</sup>۔ (ان سورتوں میں قیامت، حشر، نشر کے واقعات مذکور ہیں)

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو یہ الفاظ ادا فرماتے: ”لوگو! خدا کو یاد کرو، خدا کو یاد کرو، زلزلہ آ رہا ہے، اس کے پیچھے پیچھے آنے والا آ رہا ہے، موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی، موت اپنے سامان کے ساتھ آ پہنچی۔“<sup>(۳)</sup> آپ ﷺ فرمایا کرتے: ”لوگو! جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہو تو تم کو فہمی کم اور روناز یاد آتا۔“<sup>(۴)</sup>

(۱) صحیح بخاری باب الہتزاز

(۲) مشکوٰۃ فیہ باب ما جانی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) مشکوٰۃ فیہ باب ہکذا، واللوف

(۴) صحیح بخاری، روایت ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

ایک دوسری روایت میں زیادہ تفصیل ہے کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے:

”میں ایسی چیزوں کو دیکھتا ہوں جن کو تم نہیں دیکھتے، اور ایسی باتوں کو سنتا ہوں جن کو تم نہیں سنتے، آسمان چرچا رہا ہے، اور اس کو چرچا انا چاہیے، چار انگلی جگہ بھی ایسی نہیں ہے کہ جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے ہوئے سجدہ میں نہ ہو بخدا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے ہو تو پستے کم اور روتے زیادہ اور توں سے لذت کوشی نہیں کرتے اور جنگلوں کی طرف اللہ کا نام لیتے ہوئے نکل کھڑے ہوتے۔“

اس حدیث کے راوی حضرت ابوذر غفاریؓ ہیں انھوں جب اس کو سنا تو فرمانے لگے: کاش میں ایک درخت ہوتا جس کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا۔<sup>(۱)</sup>

ایک دفعہ آپ ﷺ نے نہایت موثر خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا:

”اے جماعت قریش! اپنی آپ خبر لو، میں تم کو خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے بنی عبد مناف! میں تم کو بھی خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں تم کو بھی خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے صفیہ! رسول خدا ﷺ کی پھوپھی میں تجھ کو بھی خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، اے محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ! میں تجھ کو بھی خدا کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔“

ایک مرتبہ آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے، آپ ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگ ہنس رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اگر موت کو یاد رکھو تو اس طرح سے نہ ہنسو، موت کو یاد رکھو، قبر ہر روز کہتی ہے، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں اور جب کوئی بندہ مومن دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے: خوش آہد! میری پشت پر چلنے والوں میں تو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، اب جب کہ تو

میرے قبضہ میں آیا ہے تو دیکھیے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں اس کے بعد زمین تاحدنگاہ وسیع و فراخ ہو جاتی ہے اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور جب کوئی گناہگار یا کافر بندہ دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تیرا آنا مبارک تو میری پشت پر چلنے والوں میں سب سے زیادہ ناپسند تھا، اب جب کہ تو میرے قبضہ میں آیا ہے تو دیکھیے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہوں؟ اس کے بعد قبر اس کو دہالتی ہے، یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں اور اس کو ڈسنے کے لئے ستر سانپ مقرر کر دیئے جاتے ہیں اگر ان میں سے ایک سانپ بھی زمین پر اپنی پھنکار مار دے تو قیامت تک زمین میں کچھ نہیں اُگے، یہ ستر سانپ اس کو ڈستے رہتے ہیں اور نوچتے رہتے ہیں تا آنکہ حساب و کتاب کا وقت آجائے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

”قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔“ (۱)

ایک دفعہ اعراب بادیہ کا مسجد نبوی ﷺ میں اتنا جھوم ہوا کہ آپ اپنے کے قریب ہو گئے، مہاجرین نے اٹھ کر لوگوں کو ہٹایا، آپ ﷺ نکل کر حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لائے اور تقاضائے بشری سے بددعا و زبان سے نکل گئی فوراً قبلہ رخ ہو کر دونوں ہاتھ خدا کی بارگاہ میں اٹھائے اور دعا کی خدایا میں انسان ہوں، اگر تیرے بندوں کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو آخرت میں سزا نہ دینا۔ (۲)

(۱) مشکوٰۃ الصالح بحوالہ ترمذی

(۲) سیرۃ النبی ص ۱۰۰ بحوالہ مسند احمد بن حنبل

خوف آخرت اور خشیت الہی سے آپ ﷺ پر اکثر رقت طاری رہتی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب آپ ﷺ کے سامنے یہ آیت پڑھی: فَكَيفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا، تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔<sup>(۱)</sup>

نماز میں بھی رقت طاری رہتی اور آنسو جاری ہو جاتے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا دیکھا تو آپ ﷺ نماز میں مشغول ہیں آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور قلب مبارک سے ہانڈی کے اٹھنے کی طرح آواز رہی ہے۔<sup>(۲)</sup>

ایک بار آپ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی، آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے، یہ منظر دیکھ کر آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی، پھر فرمایا! اے نبیوں! دن کے لئے سامان کر رکھو۔<sup>(۳)</sup>

ایک دفعہ کسی غزوہ سے تشریف لارہے تھے، راہ میں ایک پڑاؤ ملا، کچھ لوگ بیٹھے تھے آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو؟ بولے ہم مسلمان ہیں، ایک عورت بیٹھی چوہا سلا رہی تھی، پاس ہی اس کا لڑکا تھا، آگ خوب روشن ہو گئی، اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئی اور بولی، آپ رسول اللہ ہیں؟ ارشاد ہوا، ہاں بے شک پھر اس نے کہا کیا ایک ماں اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں بے شک،

(۱) صحیح بخاری

(۲) شرح صفاء بحوالہ ترمذی والبی داؤد

(۳) سیرۃ النبی جلد دوم بحوالہ سنن ابن ماجہ باب لہکاء والنخوف

اس نے کہا، ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی، آپ ﷺ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سر مبارک اٹھا کر فرمایا، خدا اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکش اور متبرد ہے خدا سے سرکشی کرتا ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔<sup>(۱)</sup>

حضرت ابن ابی ہالہ کی ایک طویل حدیث میں آپ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ (آخرت) کے غم میں متواتر مشغول رہتے (ذات و صفات باری تعالیٰ یا امت کی بہبود کے لئے) ہر وقت سوچ میں رہتے، ان امور کی وجہ سے کسی وقت بھی آپ ﷺ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی۔

حضرت صدیق اکبرؓ:

حضرت ابوبکر صدیقؓ جو جماعت صحابہ میں سب سے زیادہ اسرار شریعت کے مخرم اور وح اسلامی کے دانائے راز تھے، ان پر خوف آخرت اور خشیت الہی کا اتنا غلبہ رہتا تھا کہ نماز کی حالت میں چوب خشک نظر آتے تھے، صدیق اکبرؓ کے نواسے عبداللہ بن الزبیرؓ نماز میں اس طرح کھڑے رہتے تھے کہ وہ ایک خشک لکڑی معلوم ہوتے تھے، کسی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ نے یہ نماز کہاں سے سیکھی، کہا حضرت ابوبکرؓ سے۔<sup>(۲)</sup>

حضرت ابوبکر صدیقؓ سرسبز درخت دیکھتے تو فرماتے، کاش میں درخت ہوتا کہ آخرت کے خطروں سے محفوظ رہتا۔ چڑیوں کو چھپاتے دیکھتے تو فرماتے۔ ”پرند و اتم خوش نصیب ہو، کہ دنیا میں چرتے، چبکتے اور درختوں کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے محاسبہ کا کوئی خطرہ نہیں، کاش ابوبکرؓ تمہاری طرح ہوتا۔“<sup>(۳)</sup>

(۱) سیرۃ النبی ص ۱۱۵ باب ما یرئی من رحمۃ اللہ

(۲) کنز العمال ج ۶

(۳) کنز العمال ج ۶



حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کی ہجرت کا ارادہ کیا، برک الغنمہ، جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ ہے وہاں تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنه سے ملاقات ہوگئی، جو قبیلہ قارہ کا رئیس تھا، اس نے پوچھا کہاں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی، چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنه نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم جیسا شخص یہاں سے نکل جائے میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ واپس آئے۔ ابن الدغنه مکہ پہنچ کر تمام مردان قریش سے ملا اور کہا کہ ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے مظلوم کا مددگار ہے رشتہ داروں کو پالتا ہے مصیبتوں میں کام آتا ہے (۱) قریش نے کہا لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکرؓ نمازوں میں چپکے سے جو چاہیں پڑھیں، آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چند روز یہ پابندی اختیار کی لیکن آخر انہوں نے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی اور اس میں خشوع و خضوع کے ساتھ با آواز قرآن پڑھتے تھے۔ چونکہ آپؓ نہایت رقیق القلس سے قرآن پڑھتے تھے تو پھر قریش نے ابن الدغنه سے شکایت کی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، مجھے خدا کی حفاظت کافی ہے میں تمہارے جواز سے استعفاء دیتا ہوں۔ (۲)

ایک دفعہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے پانی مانگا، خادم شہد ملا ہوا پانی

(۱) حضرت عذیبہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جو تاریخی الفاظ کہے تھے ابن الدغنه کے یہ الفاظ اس سے ملتے ملتے ہیں۔ اس سے نبوت اور صدیقیت کے تعلق کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

(۲) صحیح بخاری باب الحجر والی المذبح

لے کر حاضر ہوا، آپ نے ابھی منہ سے قریب بھی نہیں کیا تھا کہ رونے لگے اور اس نے رونے کہ پاس بیٹھنے والوں کو بھی رلا دیا، جب رونا کم ہوا تو پھر گلاس منہ سے لگایا، پھر رونے لگے اور اس قدر رونے کہ لوگ سمجھے جان جان آفریں کے سپرد کر دیں گے دیر تک روتے رہے افاقہ ہوا تو لوگوں نے رونے کا سبب دریافت کیا، آپ نے فرمایا:

”میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا جا رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو اپنے سے دور کر رہے ہیں، حالانکہ اس وقت بظاہر کوئی چیز سامنے نظر نہیں آ رہی تھی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کس چیز کو دور کر رہے ہیں بظاہر تو کوئی چیز نظر نہیں آ رہی ہے؟“

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دنیا آراستہ و بھراستہ ہو کر میرے سامنے آئی ہے اس کو اپنے سے دور کر رہا ہوں۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”دنیا میرے پاس سے یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ آپ ﷺ تو مجھ سے محفوظ رہے، لیکن آپ ﷺ کے بعد آنے والے مجھ سے محفوظ نہیں رہیں گے۔“

حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا میں اس بات سے روتا ہوں کہ کہیں دنیا میرے پاس تو نہیں آگئی۔<sup>(۱)</sup>

حضرت صدیق اکبرؓ کے خطبات دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی طرف میلان سے پر ہوتے تھے، ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

”کہاں ہیں وہ خوبصورت چہرہ والے جن کو اپنی جوانی و شباب پر ناز تھا؟ کہاں ہیں وہ عظیم بادشاہ، جنہوں نے شہر بسائے اور ان کو ناقابل تسخیر دیواروں سے محفوظ

کیا؟ کہاں ہیں وہ لوگ جو میدان جنگ میں وادھجاعت دیتے تھے؟ آج زمانہ سنا  
ان کو نہیں کر رکھ دیا ہے اور پستی کے اندھیروں میں ڈال دیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

حضرت فاروق اعظمؓ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے: ”حضرت عمر  
رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی  
بدولت اسلام کو قوت و شوکت عطا فرمائی، شہروں اور ملکوں کو ان کے ذریعہ فتح کیا، وہ  
صدق کا پیکر تھے، ان کی زبان پر حق جاری کیا گیا، اور انھیں فراست عطا کی گئی، جن  
کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے اگر میرے بعد کوئی نبی ہوگا  
وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہوتے، یہی ہیں جن سے شیطان نے راہ فرار اختیار کی اور ایمان  
و اسلام نے بلندی پائی، اور اذان کا اعلان ہوا۔“<sup>(۲)</sup>

حضرت فاروق اعظمؓ کے رگ و پے میں خوف آخرت اور خشیت الہی جاری  
ساری تھی اس کے مواخذہ کے خوف سے لرزہ بر اندام رہتے تھے فرمایا کہ اگر آسمان  
سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا جنتی ہے تب بھی مواخذہ کا خوف دل سے  
زائل نہیں ہوگا کہ شاید وہ ایک بد قسمت انسان میں ہی ہوں۔

ایک مرتبہ راہ سے تنکا اٹھا کر فرمایا: کاش: میں بھی خس و خاشاک ہوتا کاش! میں  
پیدا ہی نہیں ہوتا کاش میری ماں مجھے نہ جنتی۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیوں ابو موسیٰ اس

(۱) حلیۃ الاولیاء

(۲) تذکرۃ افعالہ

راضی ہو کہ ہم لوگ اسلام اور ہجرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے طفیل میں برابر سراسر چھوٹ جائیں، نہ عذاب ملے نہ ثواب؟ ابو موسیٰؓ نے کہا میں تو اس پر راضی نہیں ہوں، ہم لوگوں نے نیکیاں کی ہیں، اس کے صلہ میں امید رکھتے ہیں فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے میں تو صرف اس قدر چاہتا ہوں کہ بے مواخذہ چھوٹ جاؤں۔

نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے تھے جن میں قیامت کی ہولناکی اور خدا کی عظمت و جلال کا ذکر ہوتا، انھیں پڑھ کر زار زار روتے تھے۔

ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں اِذَا الشَّمْسُ كُوَّتَتْ پڑھی جب غَلَبَتْ نَفْسٌ مَا أَحْضَرْتُ پر پہنچے تو اس قدر روئے کہ ہنگی بندھ گئی۔<sup>(۱)</sup>

حضرت عبداللہ بن عتبیؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے چہرے پر کثرت گریہ و بکا سے دو لکیریں پڑ گئی تھیں<sup>(۲)</sup> تلاوت قرآن کے وقت اس قدر روتے تھے کہ ہنگی بندھ جاتی تھی اور گر پڑتے تھے اور بیمار ہو جاتے تھے حتیٰ کہ لوگ عیادت کو آتے تھے۔<sup>(۳)</sup>

آپ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی، میں تین صف پیچھے تھا، لیکن آپ کے رونے کی آواز مجھے آ رہی تھی۔

آخرت کی جواب دہی کا اس قدر خوف غالب تھا کہ فرمایا کرتے:

”اگر قرأت کے کنارے کوئی بکری بلا وجہ بیکار مر جائے، تو مجھے ڈر ہوگا کہ اللہ

تعالیٰ اس کے بارے میں مجھ سے آخرت میں سوال کرے گا۔“

(۱) کنز العمال ج ۶

(۲) صلیح الاولیاء

(۳) عمالۃ کورہ

## (۲) دوسرا مضمون

مفتی صاحب کا ایک اور اہم مضمون جو رسالہ ابلاغ میں شائع ہوا۔

### روزہ قرآن کریم کی روشنی میں

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ أَيَّاماً مَعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ عَلَى الَّذِينَ يَطِيقُونَهُ فِفْدِيَةٌ طَعَامٍ مَسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَإِنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ<sup>(۱)</sup>

(ترجمہ) اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم مفتی بن جاؤ، تھوڑے دن روزہ رکھ لیا کرو۔ پھر جو شخص تم میں بیمار یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے اور جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں ان کے ذمہ فدیہ یہ ہے کہ وہ ایک غریب کو کھانا کھلائیں اور جو شخص خوشی سے خیر کرے تو یہ اس شخص کے لئے اور بھی بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے اگر تم خبر رکھتے ہو۔

(۲) شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَ مَنْ كَانَ مَرِيضاً أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُدِّى اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَةَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَتُكَلِّمُوا الْعِدَّةَ وَاتَّبِعُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ<sup>(۲)</sup>

(۱) البقرة آیت ۱۸۳

(۲) البقرة آیت ۱۸۵

(ترجمہ) ماہ رمضان ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہذا جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے اللہ تمہارے ساتھ فری کرنا چاہتا ہے بخفی کرنا نہیں چاہتا اس لئے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے کہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔

(۳) واذا سالک عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجىوا لى وليؤمنوا بهى لعلهم یرشدون۔<sup>(۱)</sup>

(ترجمہ) اور اے نبی (ﷺ) میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، جب بندہ مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں لہذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں یہ بات تم انہیں سناؤ شاید کہ دور راہ راست پالیں۔

یہ آیت کریمہ سورہ بقرہ کی ہیں جو بالاتفاق مدنی سورت ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے پہلے حصہ میں روئے سخن مکرین قرآن کی طرف ہے۔ اس لئے سب سے پہلے قرآن کریم کی حقانیت ثابت کی اسی کے ساتھ اس کے ماننے والے اور نہ ماننے والے فرقوں کا ذکر کیا، پھر توحید و رسالت کو ثابت کیا، بعد ازاں بنی اسرائیل پر انعامات

خداوندی کو بیان فرمایا وہاں سے قبلہ کی بحث چلی اس کو بیان کر کے صفا و مردہ کے ذکر پر ختم کیا، اس حصے کے آخر میں شرک کے اصول و فروع کا ابطال کیا۔

دوسرے حصے میں زیادہ تر خطاب مسلمانوں اور قرآن کریم کے ماننے والوں سے ہے، قرآن کریم کے ماننے والوں کو تعلیم و ہدایت سے آراستہ کیا جا رہا ہے۔ اس تعلیم و ہدایت کا عنوان ”ہو“ ہے، اس کے اہم اصول بیان فرمائے اس کے بعد ”ہو“ کے فروع و جزئیات کو بیان فرما کر اس حصے کو بشارت و وعدہ رحمت و مغفرت پر ختم فرمایا۔  
فروع و جزئیات میں سے پہلے حکم قصاص کا ہے دوسرا وصیت کا تیسرا روزہ کا۔  
روزہ کی فرضیت کے سلسلہ میں سب سے پہلی آیت یہی ہے، ارشاد فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (اے ایمان والو) اس طرح خطاب کر کے امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ کے جذبہ ایمان کو بیدار کیا جا رہا ہے کہ تم پر ایک اہم ترین عبادت فرض کی جا رہی ہے اس لئے تم اس عبادت کو جذبہ ایمان و تسلیم سے ادا کرنا اور اس عبادت کے حقوق کو جذبہ ایمان و تسلیم سے ادا کرنا اور اس عبادت کے حقوق و آداب کی پوری پوری نگہداشت رکھنا۔ نَحْيَبْ عَلَيْنَكُمْ (تم پر فرض کیا گیا، لازم کیا گیا، لکھ دیا گیا) کتب کتابت سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے کتبہ معنی جمع کرنے، جوڑنے اور لکھنے کے ہیں، پھر کبھی اس لفظ کو بول کر اس سے کسی چیز کو لازم کرنا، ثابت کرنا، فرض کرنا مراد لیا جاتا ہے، امام راغبؒ نے کہا ہے کہ کتاب آخری درجہ ہے۔ پہلا درجہ ارادہ ہے، پھر قول، تیسرا اور آخری درجہ ”کتابہ“ ہے۔ اس لئے کتب کے لفظ میں ”فرض“ سے زیادہ تاکید اور زور ہے، اس اہم ترین عبادت کے لئے تاکید لفظ کا استعمال اس

لئے ہے کہ لوگ اس عبادت سے فرار اختیار نہ کریں اور جس طرح اس کی فریضت نہایت تاکید و اہتمام سے کی گئی ہے اسی طرح اس کی ادائیگی بھی نہایت اہتمام اور ظاہر و باطن کی ہم آہنگی سے ہو، جیسا کہ ابھی عرض کیا "مکسب" ماضی مجہول کا صیغہ ہے۔ فاعل ظاہر نہیں کیا گیا یعنی یہ نہیں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا کیونکہ فرض کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے خواہ اس کو ظاہر کیا جائے یا نہیں صاحب "المحرر المحیط" نے اس سلسلہ میں ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا ہے:

اس آیت اور اس سے پہلے قصاص، وصیت کی آیات میں تینوں جگہ فعل مجہول ذکر فرمایا کیونکہ یہ تینوں حکم سخت اور مشکل ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے جس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے ظاہری طور پر صراحت اپنی طرف نسبت نہیں کی۔ برخلاف ایسے امور کے جن میں راحت بشارت ہے ان کی طرف صراحت اپنی نسبت کی چنانچہ فرمایا مَحْسَبٌ رَّبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةُ (تمہارے رب نے اپنے پر رحمت لکھ لی ہے) كَتَبَ اللَّهُ لَأَعْلَسَنَ آسَا وَرُسُلِي (اللہ تعالیٰ نے یہ امر لکھ لیا ہے کہ مجھے اور میرے رسولوں کو غلبہ حاصل ہوگا) سوال ہوا کہ یہود پر قصاص کی فریضت کو اللہ تعالیٰ نے جب بیان فرمایا ہے تو وہاں فعل مجہول استعمال نہیں فرمایا بلکہ فعل معروف استعمال فرمایا، چنانچہ ارشاد ہے وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنَّهُ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ (اور ہم نے ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلہ جان) اس کا جواب یہ ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اپنے انبیاء علیہم السلام سے سرکشی میں حد سے آگے بڑھے ہوئے تھے اس لئے وہاں صراحت کی ضرورت نہیں اور یہ لوگ اپنے اعمال بد کی وجہ سے اس قابل نہیں رہے تھے کہ احکام شاقہ دیتے وقت انماض کا برتاؤ کیا جائے۔



الصيام (روزہ) صیام، صام (فعل) کا مصدر ہے جیسے قام کا قیام، صوم، صیام کے لغوی معنی کسی چیز سے رک جانے کے ہیں، خواہ وہ کھانے پینے کی چیز ہو یا بات چیت ہو یا چلنا پھرنا ہو، اسی لئے جو گھوڑا نہ کھائے اور نہ چل سکے اس کو "فـرس صائم" کہا جاتا تھا۔ پانی نکالنے کی چرخی اگر چل نہ سکے تو اس کو "بکرة صائمة" کہتے تھے، اسی طرح ہوا اگر رک جائے اور چلنا بند کر دے تو اس کو "الریح الصائمة" کہا جاتا تھا۔ ٹھیک دو پہر کا وقت جب سورج خط نصف النہار پر آ جائے ایسے مواقع پر کہا کرتے تھے "صام النہار" ہم لغوی معنی کی وضاحت ذرا تفصیل سے اس لئے کر رہے ہیں تاکہ اس کی لغوی حقیقت واضح ہو سکے کیونکہ شریعت لغوی معنی اور اس کی نزاکتوں کو برقرار رکھ کر صرف قیود و شرائط کا اضافہ کرتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے فقہی ذوق نے تو لغوی معنی کو بڑی اہمیت دی ہے اور آپ نے بہت سے احکام لغوی اشارات سے ثابت کئے ہیں۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

روزہ شرعی یہ ہے کہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے، جنسی تعلق سے نیت کے ساتھ اعتدال رکھنا لغوی اشارات کو شرعی معنی کے ساتھ ملانے سے واضح ہوتا ہے کہ صبح اور کامل روزہ وہ ہے کہ جس میں کھانے پینے اور جنسی تعلق کے پرہیز کے ساتھ ہی ساتھ بری باتوں اور بری جگہ چلنے پھرنے سے بھی پرہیز کیا جائے اور اس طرح اپنے قلب و نظر میں روزہ کے روحانی مہر جہاں تاب کی روشنی جذب کی جائے جب وہ ٹھیک دو پہر کے وقت اپنے پورے جاہ و ہلال کے ساتھ جلوہ آگاہ ہوتا ہے اور گناہوں کے معاملہ میں اس طرح سخت ہو جائے جس طرح چرخی سخت ہو کر

گھومنے سے انکار کر دیتی ہے، اگر اس طرح روزہ رکھ لیا جائے تو اس کے روحانی فوائد ظاہر ہوں گے، اور بشارت و رحمت الہی کی ہوائیں چلنا شروع ہو جائیں گی۔ اور معاصی و ذنوب کی با و صرصر ہمیشہ کے لئے رک جائے گی۔

نَحْمَا مُحِبِّ عَلٰی الْذِّیْنِ مِنْ قَبْلُکُمْ (جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں اور امتوں پر فرض کیا گیا) اس سے معلوم ہوا کہ روزہ مذاہب و ادیان کی قدیم ترین عبادت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ روزہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر فرض کیا گیا تھا، مذاہب کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذاہب سناوی اور غیر سناوی میں روزہ کی عبادت جاری رہی، بت پرستوں تک میں روزہ ایک عبادت کی حیثیت سے معروف ہے موجودہ توریت میں صراحۃً تو روزہ کا حکم نہیں ملتا البتہ روزہ داروں کی مدح و توصیف بار بار ملتی ہے، ایک جگہ یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک موقع پر چالیس روزے رکھے تھے، جس کی یادگار میں یہودی اب بھی ایک ہفتہ روزہ رکھتے ہیں، اس کے علاوہ ان کے یہاں ساتویں مہینہ کی دس تاریخ کو دن رات کا روزہ بھی فرض ہے۔ غالباً یہ عاشورہ کا روزہ ہے، ان کے علاوہ ان کے یہاں کچھ اور بھی روزے ہیں جو صرف دن کے وقت رکھے جاتے ہیں، انجیل میں بھی روزہ کی فرضیت کا کوئی صریح حکم نہیں ملتا البتہ روزہ کا ذکر اور اس کی تعریف کئی جگہ ملتی ہے۔ ایک جگہ یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو چاہیے کہ وہ اپنے کسی ظاہری حال سے روزہ ظاہر نہ کرے اسی لئے اس کو حکم دیا ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں بالوں میں تیل لگائے اور چہرہ صاف کرتا رہے تاکہ دنیا کاری میں جھلنا نہ ہو۔

کیسا نے نصاریٰ پر متعدد روزے فرض کئے، ان کے یہاں روزوں کی بعض دلچسپ قسمیں ہیں۔ روزہ کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس میں صرف گوشت کا روزہ ہوتا ہے، بعض صرف مچھلی کا بعض میں صرف دودھ کا۔

آیت کریمہ میں فرمایا جا رہا ہے کہ روزہ جب کچھلی ساری امتوں پر فرض کیا گیا تھا تو تم پر کس طرح فرض نہیں ہوتا؟ جبکہ تم پر جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے۔ اور تم کو انسانیت کی ہدایت کے لئے ایک مثالی امت بنایا گیا ہے، امام رابع سے ایک اور وجہ سنئے۔

روزہ کے دو بڑے فائدے ہیں ایک تو یہ کہ ملا اعلیٰ کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ معاصی اور گناہوں سے پرہیز کی تربیت ہو جاتی ہے۔

رہا یہ امر کہ آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا کہ تم پر روزہ اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے دوسری امتوں پر تو اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ ایک عبادت شاقہ ہے جب مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے کہ تم پر یہ کوئی نئی عبادت نہیں ہے بلکہ تم سے پہلے لوگ بھی اس عبادت سے فائدہ اٹھا چکے ہیں تو مسلمانوں پر یہ عبادت آسان ہو جائے گی۔

لعلکم تقون (اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ) روزہ کی فریضہ اور اس کی تعلیم کے بعد اس کی حکمت نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں بیان کی جا رہی ہے کہ روزہ تم پر فرض اس لئے کیا گیا ہے کہ تم اس سے تقویٰ شعار بن جاؤ گے، روزہ سے تربیت تقویٰ اس طرح ہے کہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حلال اور مباح چیزوں سے پرہیز کرتا ہے اور اس پر مسلسل عمل کرتا ہے تو اس کے دل میں حرام چیزوں سے پرہیز اور اجتناب کا ایک داعیہ پیدا ہوگا۔ جو اس کی زندگی کو تقویٰ اور صبر سے

آراستہ کر دے گا تقویٰ اور صبرِ پیغمبرانہ اخلاق کے دو اہم ستون ہیں، تقویٰ کو تو قرآن کریم نے بتلایا اور صبر کو حدیث نبوی نے افکارا کیا۔ ارشاد ہے: ”الصيام نصف الصبر“ (روزہ کھل صبر کا نصف ہے) پھر اس حکمت کو بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ چند وجوہ سامنے آتے ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ حکمت بیان کرنے کے بعد عبادتِ شاقہ آسان ہو جاتی ہے، دوسرے وجہ یہ ہے کہ بت پرست اقوام کا تصور یہ تھا کہ ان کے خود ساختہ خدا کبھی ناراض ہو جاتے ہیں اسی طرح کبھی ان کو خوش اور راضی کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، ان کی ناراضی دور کرنے اور ان کو خوش کرنے کا راستہ ایک ہی ہے کہ خود کو تکلیف میں ڈالا جائے اس کے لئے وہ لوگ روزہ رکھا کرتے تھے، بت پرست اقوام کا تصور اہل کتاب میں بھی آ گیا تھا، اس تصور کے برخلاف اسلام اور قرآن کریم کی تعلیم آپ کے سامنے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری عبادت اور ہمارے اعمال سے غنی ہے اس نے روزہ جو ہم پر فرض کیا ہے اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے اس طرح اس تصویری جڑ کٹ جاتی ہے جو بت پرستوں اور اہل کتاب میں عام تھا۔ ”لَعَلَّ“ توقع اور امید کے معنی میں آتا ہے اور یہ توقع و امید غافلین کے اعتبار سے ہے حکم کے اعتبار سے نہیں، مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے متقی بنانے کا سامان تیار کر دیا ہے، اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس سے فائدہ اٹھا کر متقی بننے ہو یا نہیں۔ جو شخص روزہ کے پورے حقوق و آداب سرانجام دے گا اور عبادت کی نیت اور جذبہ ایمان سے اس اہم عبادت کی ادائیگی کرے گا اس کا روزہ اس کو متقی اور پرہیزگار بنادے گا اور جو اس طرح نہیں کرے گا اس کو سوائے بھوک پیاس کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

## تقاریر

حضرت مفتی ولی حسن ٹوگئی کی زندگی کا ایک بڑا حصہ ایسا گزرا کہ آپ بیانات اور خطابت سے کوسوں دور تھے۔ اپنے آپ کو درس و تدریس میں ہی مشغول رکھا ہوا تھا۔ مگر پھر آخری عمر میں آپ نے خطابت کے میدان میں قدم رکھا اور پھر اپنے عالمانہ خطابت سے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا اور خطابت کے وہ جوہر کھلے کہ لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔

حضرت مفتی صاحب نے ساؤتھ افریقہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے ساتھ احکاف فرمایا تو بعد کو حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ مفتی صاحب جمعہ آپ پڑھائیں گے حضرت مفتی صاحب نے عذر ظاہر کیا کہ مجھ کو بیان کرنا نہیں آتا مگر دوبارہ حضرت شیخ الحدیث کے کہنے پر منبر پر بیٹھے اور بیان فرمایا کہ تمام ہی مجمع بہت زیادہ متاثر ہوا جمعہ کی نماز کے ختم ہونے کے بعد حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فرمایا مفتی صاحب آپ تو کہتے تھے کہ مجھ کو بیان کرنا نہیں آتا مگر آپ نے تو بہت ہی بہترین بیان فرمایا ماشاء اللہ (واضح رہے کہ اسی سفر میں قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے حضرت مفتی صاحب کو خلافت بھی عطا فرمائی تھی)۔

## حضرت مفتی ولی حسنؒ کے چند اہم بیانات

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن طلبہ کے سامنے کی گئی ایک اہم تقریر

## فتنہ انکار حدیث

الحمد لله وحده. والصلوة والسلام على من لا نبى بعده وعلى آله

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تا کہ وہ زمین پر رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرے، اور ان کو اپنے جسم اور روئے زمین پر نافذ کر کے حق نیابت و خلافت ادا کر دے۔ اس کے لیے جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم کی پرورش اور تربیت کا انتظام فرمایا اور اس کی جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے اسباب و وسائل مہیا کئے۔ وہاں اس کی روح کی تربیت اور نشوونما کے اسباب بھی پیدا کئے اور روح کو کثافتوں اور آلودگیوں سے پاک کر کے اس کو جلا بخشنے کے لیے جن نفوس قدسیہ کا اللہ تعالیٰ نے انتخاب کیا انھیں پیغمبر، رسول اور نبی کے نام سے موصوم کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ روز اول سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔

ان نفوس قدسیہ کا تعلق اور ربط اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اسی ربط و تعلق کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہدایات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور یہ نفوس قدسیہ ان ارشادات ربانی اور ہدایات آسمانی کی روشنی میں نسل انسانی کی علمی و عملی تربیت فرماتے رہے ہیں۔

دین مبین کے دو ماخذ قرآن و حدیث:

ان پیغامات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کبھی القاء فی القلب کی صورت میں ہوتا تھا۔ اور کبھی فرشتے کے ذریعہ یہ پیغامات انبیاء و رسل تک پہنچتے تھے۔ ارشاد ربانی ہے:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكْلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا

کسی بشر کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (رودرود) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے یا فرشتہ جیسے جو اللہ کے حکم سے وحی پہنچائے جو اللہ چاہے۔ اور پھر فرشتہ جو وحی لے کر آتا ہے تو ضروری نہیں کہ آسمانی صحیفہ کی شکل میں ہو بلکہ بسا اوقات فرشتہ کی زبانی یا نفث فی الروح (دل میں پھونک دینے) کی شکل میں ہوتی ہے۔ فرشتہ کے ذریعہ جو پیغام پہنچتا ہے وہ اگر الفاظ کی شکل میں منضبط ہو کر آسمانی صحیفہ کی شکل میں آئے تو اسے ”کتاب اللہ“ اور وحی مکتو سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور جو پیغام فرشتہ کی زبانی یا فرشتہ کے واسطے کے بغیر آتا ہے اسے ”وحی غیر مکتو“ اور حدیث سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں تمام احکام شرعیہ کا مدار یقیناً کسی کتاب یا کسی آسمانی صحیفہ پر نہیں ہو سکتا بلکہ نبی اور رسول کی معصوم ذات گرامی پر ہے جو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ہر بات وحی الہی کے ذریعہ کہتے ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وما ینتطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی۔<sup>(۲)</sup>

وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو وحی ہوتی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح کتاب اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح نبی اور رسول کا ہر حکم بھی واجب الاطاعت ہے، اللہ تعالیٰ نے خود واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔<sup>(۳)</sup>

(۱) سورۃ الشوریٰ پ ۲۵

(۲) سورۃ النجم آیت ۴۳

(۳) سورۃ الحشر رکوع آیت ۷

جو تم کو رسول حکم دیں اس کو قبول کرو اور جس سے تمہیں منع کریں اس سے باز آؤ۔  
 دین اسلام ایک وسیع نظام حیات ہے جو عقائد و عبادات، احکام و معاملات،  
 آداب و اخلاق، معاشرت و معیشت، جہاد و قتال، صلح و جنگ، حکومت و سیاست وغیرہ  
 تمام تر مسائل پر حاوی ہے۔

اور ان تمام مسائل کا احاطہ تعلیمات نبویؐ اور احادیث نبویہؐ ہی کئے ہوئے ہیں۔ ان  
 میں بہت سے احکام کا قرآن کریم میں صراحت ذکر تک نہیں اور بعض احکام کا الہامی ذکر  
 پایا جاتا ہے جن کی تفصیل احادیث مبارکہ سے واضح ہوتی ہے۔ بہر حال اس میں ذرہ  
 برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ دین اسلام کا تفصیلی اور عملی نقشہ احادیث نبویہؐ  
 کے بغیر نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی دین متین کی تکمیل و تشریح تعلیمات نبویؐ کے بغیر ممکن ہے۔  
 حدیث کے خلاف سازش:

دین اسلام جو ابدی دین ہے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے سرچشمہ  
 ہدایت ہے اس دین کے دو اصلی مآخذ اور اس دین کو روشن رکھنے والی دونوں مشعلوں  
 قرآن و حدیث کی حفاظت از حد ضروری تھی تاکہ یہ دونوں مشعلیں ہر قسم کے طوفانوں  
 اور جھگڑوں سے محفوظ رہ کر اسلام کو روشن اور تابندہ رکھیں۔

متن قرآن کی حفاظت کا ذمہ تو اللہ رب العالمین نے اپنے ذمہ لیا اور اعلان فرمایا:  
 اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔<sup>(۱)</sup>

بلاشبہ ہم نے اس ذکر (قرآن) کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

اب قرآن کریم کے الفاظ میں تغیر و تبدل تو ممکن نہ تھا اس لیے دشمنان اسلام جو



کسی صورت میں اسلام کو پھلتا پھولتا ہوا دیکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے انہوں نے اسلام کے عقائد و احکام کو بے وقت بنانے اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان سے برگشتہ کرنے کے لیے ایک طرف تو قرآن کے معانی بیان کرنے میں تحریف و تاویل سے کام لے کر اپنے الحاد و زندقہ کو تقویت پہنچائی اور دوسری طرف اپنی عنان توجہ حدیث کی طرف مبذول کی تاکہ احادیث کا وہ ذخیرہ جس سے دین کی تشکیل و تکمیل ہوئی ہے اسے ناقابل اعتبار قرار دے دیا جائے۔

وضع حدیث:

اس کے لیے ایک کوشش تو یہ ہوئی کہ ملحدین نے بہت سی احادیث اپنی طرف سے گھڑ کر صحیح احادیث و روایت کے ساتھ غلط ملط کر کے مسلمانوں میں پھیلا دیں اور پھر خود ہی اسکا جائز اعلان کیا کہ ہم نے صحیح احادیث کے ساتھ ہزاروں کے حساب سے اپنی گھڑی ہوئی احادیث ملا دی ہیں اور مقصد یہ تھا کہ اس طرح سے مسلمانوں کا اعتبار احادیث پر نہیں رہے گا اور جو والہانہ شغف احادیث کے ساتھ پایا جاتا ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

وضع حدیث کا مقابلہ:

لیکن دشمنان اسلام اپنی اس مذموم کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین مبین اور سنن سید المرسلین کی حفاظت اور بقا کے لیے ایسے رجال کار پیدا فرمائے جنہوں نے حفاظت حدیث کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور صحیح احادیث کو ضعیف اور موضوع احادیث سے ممتاز و جدا کرنے کے لیے مستقل علوم و

فتون مدون کئے جن کی تعداد سو کے قریب تک پہنچتی ہے جس کی روشنی میں ایک ایک حدیث کی چھان بین کر کے تمام ذخیرہ احادیث کو امت کے سامنے پیش کر دیا اور صاف طور پر منہ کر دیا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ موضوع۔

ان علماء نے صرف روایات ہی کی تحقیق نہیں کی بلکہ ایک ایک روای پر جرح و تعدیل کر کے ان کی چھان پھٹک کی اور ہر ایک پر افسہ، ضعیف، کذاب، وضاع کا حکم لگایا اور اس طرح ہر چیز کو منہ کر کے پیش کیا جس کی وجہ سے حدیث سے امت کا لگاؤ اور بڑھ گیا۔

فتنہ انکار حدیث:

جب وضع حدیث سے ملحدین کی مراد پوری نہیں ہوئی تو انھوں نے پیترا بدلا اور حدیث کو دین کا مآخذ ماننے سے ہی انکار کر دیا اور پھر اس کو ثابت کرنے کے لیے کہ حدیث دین و شریعت کا مآخذ نہیں حدیث پر طرح طرح کے اعتراضات شروع کیے۔ کبھی کہا کہ یہ عجبی سازش ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سو سال بعد وجود میں آئی ہے اور کبھی ضعیف و موضوع احادیث کو بنیاد بنا کر حدیث کا مذاق اڑایا، کبھی خبر واحد کی حیثیت سے انکار کیا، کبھی کسی خاص موضوع سے متعلق احادیث کو ناقابل تسلیم گردانا اور اس تمام کوشش کا مقصد وحید یہ تھا کہ وہ دین جس کی تکمیل احادیث سے ہوئی ہے جس کے بہت سے احکام احادیث سے ثابت ہیں، اور بہت سے احکام کی جزئیات اور تفصیل احادیث متعین کرتی ہیں۔ اس کی بنیاد ہی کو متزلزل کر دیا جائے تاکہ مذہب اسلام کی عظیم الشان عظمت زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے۔

## فتنہ انکار حدیث کی ابتداء:

سب سے پہلے احادیث کا جنہوں نے انکار کیا وہ خوارج تھے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت کے آخر میں ظاہر ہوئے، انہوں نے حضرت عثمان کی خلافت اور آپ کے طرز حکومت پر نکتہ چینی کی، آپ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے مگر حکیم (مالشی) کے واقعہ کے بعد حضرت علی سے یہ کہہ کر بغاوت کر دی کہ قرآن کے ہوتے ہوئے حکیم کو قبول کرنے کی وجہ سے سب کافر ہو گئے۔ اس بنا پر ان کے نزدیک تمام صحابہ کرام اور راویان حدیث کافر ہو گئے اب صرف قرآن ہی کو حجت مانا جاسکتا ہے۔

ان کے بعد احادیث کا انکار کرنے والے روافض تھے جو صحابہ کرام کے دشمن تھے ان کے نزدیک بھی اہل بیت اطہار کے علاوہ تمام صحابہ کرام کافر ہو گئے تھے (العیاذ باللہ) پھر معتزلہ نے (جن پر عقل کا بھوت سوار تھا) احادیث کا انکار کیا اس طرح یہ فتنہ انکار حدیث طہرین و زائنین کے ہاتھوں پروان چڑھتا رہا۔

## تمام فتنوں کا مرجع و مأخذ:

انکار حدیث ایک ایسا فتنہ ہے جو ہر فتنہ کی بنیاد اور ہر فتنہ کا مرکز و محور ہے اور غور کیا جائے تو تمام فتنوں میں انکار حدیث قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے اور تمام فتنہ پردازوں نے الحاد و زندقہ کو طمع کرنے میں انکار حدیث ہی کا سہارا لیا ہے کیونکہ احادیث رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہی وہ مضبوط بند ہے جس کے ذریعہ الحاد و زندقہ اور دین میں تصرفات و تحریفات کے سیلاب کو روکا جاسکتا ہے۔ اور خود ساختہ

دور از کار تا ویلات و تلبیسات کے دروازے بند کیے جاسکتے ہیں۔ اس لیے تمام ملحدین نے احادیث کو اپنی راہ کا سنگ گراں سمجھتے ہوئے اسے ہٹانے کی کوشش کی اور ان کو ماننے سے ہی انکار کر دیا تاکہ نہ یہ مضبوط بند باقی رہے اور نہ ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ ہو اور وہ اپنی من مانی کر سکیں اور قرآن کریم میں تحریف و تلبیس کا خوب کھل کر مظاہرہ کر سکیں۔

ذرا ان فرقوں اور گروہوں پر ابراہیمی نظریہ نظر ڈالیں جو اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں اور بھیڑ کی شکل میں بھیڑیے کا کردار ادا کرتے ہیں تاکہ ان کی حدیث و شنی اور انکار حدیث معلوم ہو سکے۔

خوارج اور انکار حدیث:

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ انکار حدیث کے فتنے کی بنیاد سب سے پہلے خوارج نے رکھی کیونکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ جو بات قرآن سے ملے گی اسے اختیار کریں گے۔ چنانچہ ان کے یہاں بڑی حد تک احادیث کا انکار پایا جاتا ہے اور اسی انکار حدیث کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے رجم کے شرعی حد ہونے سے انکار ہی اس بنا پر کیا کہ قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں ہے اور احادیث کو وہ نہیں مانتے اور بعض لوگوں نے خوارج کی تکفیر ہی اس رجم کے انکار کی وجہ سے کی ہے، چنانچہ محدث العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تكفير الخوارج بابطال الرجم للزاني والزانية المحضين لانه

مجمع عليه صار معلوماً من الدين بالضرورة. (۱)

(۱) انکار الملحدین صفحہ ۵۸

”رجم چونکہ متفق علیہ ہے لہذا ضروریات دین میں داخل ہے اسی لیے شادی شدہ مرد و عورت زانی کی سزا رجم کے انکار کی وجہ سے خوارج کی تکفیر کی جاتی ہے۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی یہ خوارج موجود تھے، انہوں نے جب رجم کا انکار کیا تو ان کے سر کردہ لوگوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بلا کر پوچھا کہ تم رجم کا انکار کیوں کرتے ہو اس سلسلہ میں عمر بن عبدالعزیزؒ اور خوارج کے درمیان جو مکالمہ ہوا اسے فقہ حنبلی کے مشہور فقیہ علامہ ابن قدامہ نے اپنی کتاب المغنی میں تفصیل سے ذکر کیا ہے یہ مکالمہ بڑا دلچسپ ہے جو درج ذیل ہے۔

جب خوارج کے نمائندے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یوں گویا ہوئے۔ خوارج: قرآن کریم میں صرف جلد (کوڑے لگانے) کا حکم ہے رجم کا ذکر نہیں پھر رجم کو شرعی سزا کیوں قرار دیا گیا۔

عمر بن عبدالعزیز: کیا تم صرف قرآن پر عمل کرتے ہو۔

خوارج: جی ہاں۔

عمر بن عبدالعزیز: قرآن کریم میں فرض نمازوں کی تعداد، ارکان کی تعداد، اوقات نماز کی تفصیل کہاں ہے اور یہ کہ فلاں نماز میں اتنی رکعتیں ہیں اور فلاں میں اتنی قرآن کریم میں کہاں ہے، زکوٰۃ کس مال پر واجب ہوتی ہے کس پر نہیں، زکوٰۃ کی مقدار کتنی ہے، زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے یہ سب تفصیل قرآن میں کہاں ہے۔

خوارج: ہمیں کچھ مہلت دیجئے۔

خليفة راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مہلت دے دی مشورہ کر کے پھر

حاضر ہوئے۔

خوارج: قرآن کریم میں تو کچھ نہیں۔

عمر بن عبدالعزیز: پھر تم ان باتوں کے کیونکر قائل ہوئے۔

خوارج: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا۔

عمر بن عبدالعزیز: جب تم ان باتوں کو اس لیے مانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے ان پر عمل کیا تو رجم پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔

رفض اور انکار حدیث:

رفض اور شیعیت میں اگرچہ بہت سے حقائق کا انکار ہے مگر سب سے بری وہ حقیقت جس کا انکار ان کے یہاں پایا جاتا ہے وہ احادیث نبویہ اور خصوصاً وہ احادیث ہیں جو مناقب صحابہ میں وارد ہوئی ہیں یہ حضرات ان کو نہیں مانتے چاہے وہ احادیث بخاری کی ہوں یا صحیح مسلم کی یا کسی اور حدیث کی کتاب کی ہوں۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے ان شیعوں کا فلسفہ مان لیا جائے تو غور کیجئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ نبی جو تمام انبیاء کا سردار ہے، نبی آخر الزمان ہے، خاتم النبیین ہے اور قیامت تک آنے والوں کے لیے ہادی ہے جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن کی بشارت دی وہ نبی جب اس دنیا سے گیا تو اس قدر تارکام گیا ہے کہ اس کے تربیت یافتہ لوگ (العیاذ باللہ) سب کے سب مرتد ہو گئے صرف چار پانچ اشخاص ہی مسلمان رہے، نہ قرآن ان کے یہاں محفوظ رہا نہ دین اسلام۔

## ناصیبت اور انکار حدیث:

جس طرح روافض انکار حدیث کرتے ہیں خصوصاً ان احادیث کا جو مناقب صحابہ کے متعلق ہیں، اسی طرح یہ نواصب بھی حدیث کا انکار کرتے ہیں، اس فتنہ کی گہرائی میں بھی انکار حدیث پایا جاتا ہے، یہ حضرات خصوصیت کے ساتھ ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جو اہل بیت حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کے مناقب میں وارد ہوئی ہیں، اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق اور واقعہ اُفک کے بارے میں جو احادیث ہیں ان کا بھی یہ حضرات انکار کرتے ہیں۔ ایک صاحب حکیم نیاز صاحب ہیں، میں ان کی کتاب ”تحقیق عمر عائشہ“ (جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے اور چھ سو صفحات پر مشتمل ہے) دیکھ رہا تھا جہاں انہوں نے حضرت عائشہؓ کی عمر پر بحث کی ہے، وہاں اس میں بخاری، بخاری کے روایات، امام حدیث زہری پر اعتراض اور سخت تنقیدیں کی ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق حدیث کا انکار کیا ہے۔ یہ بھی رفض کی طرح ایک بہت بڑا فتنہ ہے، کچھ عرصہ کے لیے یہ فتنہ دب گیا تھا، آج کل پھر ایک طبقہ اس فتنہ کو زندہ کرنے کی کوششوں میں مصروف کار ہے۔ جس طرح روافض کا مقصد ہے کہ مسلمانوں کا اعتماد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اٹھ جائے اسی طرح نواصب بھی اس کوشش میں ہیں کہ اہل بیت پر مسلمانوں کا اعتماد اور ان سے محبت ختم ہو جائے۔

ناصیبت کا فلسفہ بھی کس قدر عجیب اور نفوس ہے کہ وہ شخص جو پورے عالم اور پوری انسانیت کے لئے مینارہ نور اور مشعل ہدایت بن کر آیا تھا وہ جب اس دنیا سے گیا تو اس

کی بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ اس کے گھروالے، اس کی بیٹی، اس کا داماد، اس کے  
نواسے کوئی بھی تربیت یافتہ نہ تھا اور انھوں نے اپنی اونچ نیچ اور اپنے ذاتی مفادات اور  
حکومت و سلطنت کے لیے لڑائیاں لڑیں، مسلمانوں کا خون بہایا، ان کے فلسفہ سے  
ایک عجیب سی تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے جو سراسر غلط ہے، عقل جس کا بدابستہ انکار  
کرتی ہے، ہو سکتا ہے کوئی گمراہ ان کی تائید کرے مگر قرآن و حدیث سے ان کی ذرہ  
برابر بھی تائید نہیں ہوتی۔

فرقہ معترکہ اور انکار حدیث:

معترکہ مسلمانوں کا وہ فرقہ ہے جو یونانی منطق اور اس کے فلسفیانہ افکار و خیالات  
سے مرعوب تھا اور انہی باطل افکار و خیالات نے ان کو دین سے منحرف کر دیا تھا۔  
انھوں نے قرآن کریم کو یونانی فلسفہ سے ہم آہنگ کرنے کے لیے قرآن میں جا بجا  
تاویلیں کر کے قرآنی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف خبر واحد کو  
صاف طور پر حجت ماننے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ امام ابن حزم اندلسی معترکہ کے خبر واحد  
کو حجت ماننے سے انکار کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”تمام معترکہ اور خوارج کا مسلک ہے کہ خبر واحد موجب علم نہیں ان کا کہنا ہے کہ  
جس خبر میں جھوٹ یا غلطی کا امکان ہو اس سے اللہ تعالیٰ کے دین میں کوئی بھی حکم  
ثابت کرنا جائز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی نسبت خدا کی طرف کی جاسکتی ہے اور نہ خدا  
کے رسول کی طرف۔“<sup>(۱)</sup>

اور حافظ ابن قیم معترکہ کا انکار حدیث بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:



”معتزلہ نے گنہگار مسلمانوں کی شفاعت کے ثبوت میں جتنی واضح اور محکم نصوص صریح احادیث میں موجود ہیں ان سب کا ”فما تنفعہم شفاعۃ الشافعیین“ جتنی متشابہ اور محتاج تاویل آیات کی بنا پر انکار کر دیا۔“

فرقہ قدریہ و جبریہ اور انکار حدیث:

فرقہ قدریہ جو قضاء و قدر ہی کا منکر تھا جس کے نزدیک بندہ مختار مطلق ہے، اور جبر یہ جس نے بندہ کو مجبور محض بنا کر چھوڑ دیا تھا یہ حضرات بھی ان تمام احادیث کا انکار کرتے ہیں یا ان میں تاویلیں کر کے ان کی حیثیت ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہے ہیں جن میں قضاء و قدر اور ان کی تفصیلات کا ذکر ہے۔

مرجہ اور انکار حدیث:

مرجہ کے نزدیک تو صرف کلمہ پڑھ لینا اور ایمان لے آنا ہی کافی ہے اس کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں تو ان حضرات کے نزدیک وہ احادیث جو احکام اور ان کی تفصیلات متعین کرتی ہیں ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں، کوئی ان کو مان کر ان پر عمل کرے یا نہ کرے اور صاف انکار کر دے ان کے نزدیک سب برابر ہے۔

فتنہ استشر اق اور انکار حدیث:

صلیبی جنگوں میں جب عیسائیوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا اور انھوں نے ان صلیبی جنگوں میں اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیں اور مسلمانوں کو ناکام و نامراد بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی مگر اس کے باوجود ان کو کوئی خاطر خواہ فائدہ اور قابل ذکر کامیابی حاصل نہ ہوئی تو انھوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور انھوں نے ایسے

رجال کا رہیدائگی، جنہوں نے دین کے معتمدات اور شریعت کے احکام کا مطالعہ کیا جس سے یہ بات ان پر واضح ہو گئی کہ ان احکام اور ان عقائد کو ختم کرنا ان میں کسی قسم کی جہد ملی کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مسلمانوں کے پاس احادیث کا ذخیرہ محفوظ ہے تو انہوں نے شریعت کے اس ماخذ کو کمزور بنانے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں اس پر صرف کر دیں اور اپنے دجل و فریب سے کام لیتے ہوئے علمی تحقیقات (سائنٹیفک ریسرچ) کے نام سے حدیث و سنت کے خلاف منظم سازش شروع کی۔ کبھی احادیث کو گجی سازش کہا، کبھی حاملین احادیث صحابہ کرام، ائمہ تابعین، اور ائمہ احادیث کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا کبھی اپنی ناقص عقل کو معیار بنا کر احادیث پر عقلی شبہات اور وساوس کا طوفان باندھا اور اس اسلام کے بنیادی عقائد، جنت و جہنم، جزا و سزا، ملائکہ جنات، عذاب قبر وغیرہ اور اسلامی احکام نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ میں نئے نئے شکوک و شبہات پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی۔ اور عجیب بات ہے کہ موجودہ دور کے منکرین حدیث نے بھی اپنا ماخذ و مرجع انہی دشمنان اسلام مستشرقین کو بنایا ہے اور یہ حضرات انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور جو اعتراضات و شبہات ان مستشرقین نے اسلام کے بارے میں پیش کئے ہیں وہی اعتراضات و شبہات یہ منکرین حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کی تمام کفریات و لغویات کا اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ ان کی تحقیقات کا تمام تر ماخذ مستشرقین کی یہی سائنٹیفک ریسرچ ہے جو سراسر دجل و فریب اور مکاری پر مشتمل ہے۔

## نچریت اور انکار حدیث:

موجودہ دور میں جو نئے نئے فقہ اسلام میں پیدا ہوئے ہیں ان میں سب سے گمراہ کن اور خطرناک فقہ نچریت ہے۔ فرقہ نچریت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے علوم جدیدہ حاصل کر کے احکام شریعت کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے کے لیے اپنی جزوی عقل کو معیار بنایا اور مغربی تہذیب و تمدن کو حق و باطل کا معیار ٹھہرایا۔ جنہوں نے اپنا اصول ہی یہ بنایا تھا کہ جو چیز ان کی عقل سے باہر اور یورپ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو وہ غلط اور ناقابل قبول ہے خواہ قرآن و حدیث اس کی تائید کرتے ہوں چنانچہ ان حضرات نے انبیاء کرام کے تمام معجزات ملائکہ، جنات، جنت و دوزخ وغیرہ قرآن و حدیث سے ثابت شدہ مسلمات کا انکار کیا ہے اس فرقہ کے بانی مہانی سرسید تھے۔ سرسید کے یہاں بھی ان باتوں کا انکار اور معجزات کا انکار پایا جاتا ہے۔

سرسید نے قرآن مجید کی جو تفسیر (اردو میں) لکھی ہے اس میں تمام معجزات کا انکار ہے۔ جہاں بھی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزات کا ذکر آتا ہے وہاں سرسید صاحب ان کی ایسی مادی تعبیر کرتے ہیں کہ ان کا اعجاز ہی ختم کر دیتے ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں مذکور ہے کہ ”کمال الطود العظیم“ پانی پہاڑ کی طرح بن گیا اور بیچ میں راستے بن گئے جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم گزر گئی اور اسی راستہ پر جب فرعون گزرنے لگا تو وہ غرق آب ہو گیا۔ سرسید صاحب اس معجزہ کی اہمیت اور اس کا اعجاز ختم کرنے کے لیے اس کی تعبیریوں کرتے ہیں کہ یہ جوار بھانا تھا کہ کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ سمندر میں جوار بھانا اٹھتا ہے کہ کبھی پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی کم گویا ان کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا دریا سے

گزر جانا اور فرعون کا دریا میں غرق ہو جانا یہ کوئی معجزہ نہ تھا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گزرنے کے وقت دریا کے اتار چڑھاؤ کے مادی اسباب کے مطابق پانی کم ہو گیا اور فرعون کے گزرنے کے وقت پانی چڑھ گیا۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں "السی جئت بمآیة من ربکم" میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانیاں لایا ہوں وہ نشانیاں تھیں "اسری الاکسہ والابوہن" (میں ٹھیک کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے اور ابرص کو) مگر سرسید کہتے ہیں کہ یہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ اس زمانہ میں طب اور ڈاکٹری عروج پر تھی یہ اس کا کرشمہ تھا۔

اسی طرح سرسید صاحب نے سیرت پر "خطبات احمدیہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اس وقت کے یوپی کے ایک انگریز گورنر "سردیم میور نے" "دی لائف آف محمد" کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں اپنی گندی اور تحصبانہ ذہنیت کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خوب زہر اگلا۔ اس وقت مسلمانوں میں میرت و حمیت دینی موجود تھی، چنانچہ سرسید صاحب نے ایسی حمیت دینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے جواب میں "خطبات احمدیہ" لکھی۔ اور جواب لکھتے لکھتے خود بھٹک گئے۔ اور ہر وہ حدیث جو ان کی سمجھ سے بالاتر تھی یا وہ احادیث جن پر انگریزی مولف نے اعتراضات کئے ان کا جواب دینے کے بجائے صاف طور پر ان احادیث کا ہی انکار کر دیا۔ مثلاً شق صدر کے متعلق سرسید صاحب لکھتے ہیں۔

"آلہم نفسرخ لک صدرك" یہ آیت شق صدر کے متعلق ہے اس میں سینہ چر بھاڑ کا کوئی ذکر نہیں اور اس کے اصلی اور اصطلاحی معنی جیسے کہ اکثر مفسرین

نے بھی تسلیم کیا ہے کشادگی کے ہیں جو دل اور سینے میں عقلی اور روحانی وسعت سے  
عرقان الہی اور وحی کے منبع ہونے کے لئے لکھی گئی تھی۔ (۱)۲

اور جو روایات شق صدر کے متعلق وارد ہوئی ہیں ان کو ہشامی و اقدی، واری اور  
شرح السنہ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”یہ روایتیں جو ہشامی، و اقدی میں بیان ہوئی ہیں، یا دور روایتیں جو شرح السنہ  
اور واری میں مذکور ہیں صحت سے بہت دور ہیں، اور محققین علماء اسلام ان کو محض  
نا قابل اعتبار سمجھتے ہیں اور بے ہودہ افسانے جو محض جہلا کے خوش کرنے کے قابل ہیں  
خیال کرتے ہیں پس عیسائی مورخوں نے اس بات میں بڑی لعلطی کی ہے کہ ان نا معتبر  
روایتوں کی بنیاد پر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں۔“ (۲)۳

معراج کے بارے میں سرسید صاحب کا نقطہ نظر یہ ہے کہ آپ کو خواب کی حالت  
میں یہ سب کچھ دکھایا گیا اس سے زیادہ اس کی اور کوئی حقیقت نہیں۔ چنانچہ معراج کے  
متعلق اور معراج کے ان واقعات کے متعلق (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے)  
وارد شدہ تمام احادیث نا قابل اعتبار اور بے بنیاد قسے ہیں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی  
معراج کا انکار کرتے ہوئے معراج سے متعلق احادیث کا انکار بھی کر دے تو سرسید  
صاحب کے نزدیک اس کے ایمان میں بالکل خلل نہیں آئے گا چنانچہ لکھتے ہیں:

”شق اور معراج اگر مذہب اسلام سے تعلق رکھتے ہیں تو بہت سیدھا سادہ تعلق  
رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں یا اس واقعہ

(۱) خطبات احمدیہ، ص ۶۰

(۲) حوالہ بالا

کے خواب ہونے سے انکار کر دے اور یہ کہے کہ اس قسم کی کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوئی تھی اور یہ تمام روایتیں جو اس واقعہ کے حقیقی یا مثالی وقوع کو بیان کرتی ہیں بلا استثنا بالکل غلط اور سراسر بے اصل موضوع اور جعلی ہیں تو بھی اس کے ایمان میں ذرہ برابر بھی خلل واقع نہ ہوگا۔ بلکہ وہ پورا اور پکا اور سچا مسلمان رہے گا۔<sup>(۱)</sup>

یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ معراج نہ جسمانی ہوئی ہے اور نہ منامی اور نہ عالم مثال میں اور اس سلسلہ میں جو روایتیں وارد ہوئی ہیں وہ سب کی سب لغو، جعلی اور موضوع ہیں ایسا عقیدہ رکھنے میں کوئی قباحہ نہیں بلکہ یہ تو یقین ایمان ہے اور ایمان بھی ایسا جو تحقیق و تفتیش کے بعد حاصل ہوا ہو۔ اسی کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”اگر کوئی مسلمان مذکورہ بالا عقیدہ پر ایمان رکھے کہ ان سب روایتوں کو جو معراج کے قصے میں آئی ہیں نہ مانے اور سب کو موضوع اور نہایت قابل الزام خیال کر کے چھوڑ دے تو اس کے دین و ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا اور وہ اس شخص کے ہم پایہ ہوگا جو کسی چیز پر بلا تحقیق و تفتیش کے ایمان نہیں لاتا۔“<sup>(۲)</sup>

اصل بات یہ ہے کہ سرسید کے نزدیک انبیاء علیہم السلام عام انسانوں کی طرح تھے۔ ان سے ما فوق الفطرت اور خرق عادت کوئی کام سرزد نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے معجزات کا انکار کیا اور ان کے نزدیک یہ تمام معجزات سراسر لغو، بیہودہ افسانے اور بے بنیاد قصے ہیں جو محض جہلا کو خوش کرنے کے لیے گھڑ لیے گئے ہیں، اور علماء نے اپنی نادانی کی وجہ سے ان کا انکار کرنے کے بجائے اپنی کتابوں میں جگہ دے دی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سرسید صاحب یورپین مستشرقین کے پروپیگنڈے سے صرف متاثر ہی نہیں بلکہ ان سے مرعوب بھی تھے یہی وجہ تھی کہ اسلام کے جن عقائد پر بھی ان کی

(۱) خطبات احمدیہ صفحہ ۲۶۰

(۲) احوال بالا

طرف سے اعتراضات ہوتے تو سرسید صاحب کی کوشش ہوتی کہ ان کا جواب دینے کے بجائے ان عقائد ہی کو اسلامی عقائد کی فہرست سے نکال دیا جائے حالانکہ جن باتوں کا انکار سرسید صاحب نے محض عقلیت کی بنا پر کیا تھا آج سائنسدانوں نے ان کو ثابت کر دیا اور عملی طور پر پیش کر کے دکھا دیا ہے۔ مستشرقین اور ان کے خوش چمن سرسید کے لیے یہ بات بڑی حیران کن تھی کہ ایک زندہ انسان کا سینہ چاک کر کے اس کا دل نکال کر جسم سے علیحدہ کر دیا جائے اور اس کے باوجود وہ زندہ رہے۔ مگر آج سائنس نے صرف یہی نہیں کہ سینہ چاک کر کے دل علیحدہ کر دیا بلکہ اس دل کے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں پھر بھی انسان زندہ رہتا ہے۔

ان عقل کے پیچ و خم میں الجھنے والوں کے لیے یہ بات ناقابل تسلیم تھی کہ آپ ﷺ ایک ہی رات میں بیت اللہ سے بیت المقدس اور پھر ساتوں آسمانوں سے ہو کر واپس آ گئے۔ جب کہ آج ایسی تیز رفتار سواریاں اور دوسری چیزیں ایجاد ہو گئیں جو چند لمحوں میں کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہیں اور اسی پر استغنائیں بلکہ انسان کی محنت اور کوشش جاری ہے، لہذا جب ایک انسان یہ کر سکتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں کہ وہ اپنے ایک محبوب اور پیارے بندے کو راتوں رات بیت اللہ سے بیت المقدس اور ساتوں آسمانوں پر بلا لے، اور پھر اسی رات واپس اپنی جگہ پہنچا دے، آج کل یورپ کا فلسفہ تبدیل ہو رہا ہے اور کل تک جن باتوں کا انکار کیا جاتا تھا آج سائنس نے ان کو ثابت کر دیا ہے بلکہ آج یورپ ان عقائد اور حقائق کا سب سے بڑا مدعی ہے۔ کل تک جو یورپ ڈارون کے نظریہ ارتقا سے متاثر ہو کر اپنے آپ کو بندر کھلوانا پسند کرتا تھا آج وہی اس نظریہ کی تردید میں پیش پیش ہے، اور اسی طرح یورپ کے فلسفہ سے متاثر ہو کر اسلامی عقائد پر اعتراض کرنے والوں کے لیے خود یورپ نے ہی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

قادیانیت اور انکار حدیث:

قادیانی اور مرزائی فرقہ جو مرزا قلام احمد کا پیروکار ہے اور انگریز کا خود کاشت پودہ ہے جس کو انگریز نے اپنے مذموم مقاصد (مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کرنے، اور ان میں جذبہ جہاد ختم کرنے اور ان کو اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ کرنے) کے لیے نبیؐ بنایا تھا ان میں حدیث کا انکار پایا جاتا ہے، انھوں نے بھی ان تمام احادیث کا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے متعلق وارد ہوئی ہیں انکار کیا ہے۔

فتنہ مودودیہ اور انکار حدیث:

آج کل جدید فتنوں میں ایک فتنہ مودودیہ بھی ہے۔ اس میں بھی انکار حدیث کا عنصر شامل ہے۔ مودودی صاحب اور ان کے پیروکار حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مناقب کا انکار کر کے آپ پر اعتراض کرتے ہیں جب کہ وہ مناقب احادیث سے ثابت ہیں اور آپ کی خلافت پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ خلیفہ راشد ہیں، اور خلافت راشدہ وہ ہوتی ہے جو علیؑ منہاج النبوۃ (نبوت کے طرز پر ہو) جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر خلیفہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دن اور زندہ رہے تو وہی کام کرتے جو خلفائے راشدینؑ نے کئے۔ تو خلفائے راشدینؑ کے کام بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کام ہیں اور خلافت راشدہ پر اعتراض نبوت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض سمجھا جائے گا۔ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اعتراض کرنا، ان کی خلافت کو عبوری کہنا اور یہ کہنا کہ ایک وقت میں دو خلیفہ ہو سکتے ہیں قابل ملامت ہے، بالکل اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور ان کی خلافت پر اعتراض کرنا بھی قابل ملامت ہے۔

اسی طرح مودودی صاحب اور ان کے قبیحین بعض صحابہ کرام کو قابل تنقید سمجھتے



ہیں اور یہ راگ الاپتے ہیں کہ تنقید اور چیز ہے اور تنقیص اور چیز ہے، حالانکہ ہر تنقید میں تنقیص ہوتی ہے۔

پھر صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہمیں کچھ کہنے کا کیا حق ہے صحابہ کرام علیہ السلام (دین کے حامل) ہیں جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو، دین کے ایک ایک جز کو، قرآن کے نزول کی ہر ہر کیفیت کو محفوظ کر کے دوسروں تک پہنچایا اگر صحابہ کرامؓ نہ ہوتے تو نہ قرآن محفوظ ہوتا، اور نہ حدیث محفوظ ہوتی، نہ دین محفوظ ہوتا نہ شریعت محفوظ ہوتی، صحابہ کرامؓ کا امت پر کس قدر احسان عظیم ہے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سیرت طیبہ صحابہ کرامؓ کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ بلکہ آپ ﷺ کی سیرت میں جو آرزوئی، جو حسن و جمال اور علم و عمل کا جو کمال پایا جاتا ہے اس کا مکمل ظہور صحابہ کرامؓ کی وجہ سے ہے کہ کس طور پر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تربیت کی۔ کس طور پر ان کی اصلاح کی اور کس طرح آپ نے نور ہدایت سے ان کے دل و دماغ کو منور کیا۔

غرض یہ کہ یہ تمام باتیں، صحابہ کرام کے مناقب کا انکار، اہلبیت کے مناقب کا انکار، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا انکار، محدثین، ائمہ مجتہدین، فقہاء امت اور علماء کا انکار، ان سب کی تہ میں انکار حدیث ہے اور یہ فقہ انکار حدیث تمام فتنوں کا جامع اور ان کا مادہ خد و مرجع ہے۔  
فتنوں کا سد باب:

چونکہ دین اسلام ایک ابدی اور دائمی مذہب و دین ہے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے سرچشمہ ہدایت اور مینارہ نور ہے اور خاتم النبیین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو چکا ہے، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر اس دین کی

حفاظت اللہ تعالیٰ نے علماء کے سپرد کی ہے اور ان علماء کو انبیاء کا وارث قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں محدثین اور زائقین کے گروہ پیدا ہوئے، وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کا مقابلہ کرنے اور ان کو دندان شکن جواب دینے کے لیے ہر دور میں علماء کرام کی جماعتوں کو تیار فرمایا جنہوں نے ہر فتنہ کا بھرپور مقابلہ کیا اور ان کے تمام اعتراضات کا مسکت جواب دیا اور ان کے شکوک و شبہات کا تار پود نکھیر کر رکھ دیا۔ کیونکہ خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے اعلان ہو چکا تھا:

يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مَنْ كُلِّ خَلْفٍ عَدُولُهُ يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ

الْعَالَمِينَ. (۱)

اس علم دین کی امانت کو نسل در نسل امت کے برگزیدہ اہل علم اٹھاتے رہیں گے جو حد سے تجاوز کرنے والوں کی تحریفوں اور اہل باطل کی دینی چوریوں اور جاہلوں کی تاویلوں کا پردہ چاک کریں گے۔

چنانچہ علماء کرام نے جہاں دوسرے فتنوں کا مقابلہ کیا وہاں اس انکار حدیث کے فتنے کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا اور باقاعدہ طور پر اس فتنہ کا سب سے پہلے حضرت امام شافعیؒ نے مقابلہ کیا جنہوں نے ”الرسالہ“ نامی کتاب لکھی اور اس میں حجیت حدیث پر بحث کی اور منکرین اور ان کے اعتراضات پر سیر حاصل بحث کی، اور اسی طرح اپنی مشہور و معروف کتاب ”الام“ میں بھی اس موضوع پر گفتگو کی، اس کے بعد ہر دور کے علماء کرام نے مستقل اس پر کام کیا اور کتابیں لکھیں اور یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے۔ حفاظت حدیث اور امت کی خدمات:

اس کے ساتھ ساتھ پوری امت حدیث کی حفاظت اور اس کے پڑھنے اور

پڑھانے میں لگ گئی کیونکہ امت جانتی تھی کہ دین کی تکمیل و تکمیل قرآن و حدیث دونوں سے ہوئی ہے تو قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت بھی لازمی اور ضروری ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو احادیث کی زندہ اور چلتی پھرتی کتابیں تھیں اور جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک قول کو سنا اور آپ کی ایک ایک ادا کو دیکھا تھا اور صرف سنا اور دیکھا ہی نہیں بلکہ انہیں اپنے سینوں میں جوں کا توں محفوظ رکھا۔ یہ صحابہ کرام ہر جگہ پھیل گئے اور جگہ جگہ ملے جلے درس قرآن و حدیث قائم کئے اور اس طرح پوری امت کو قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی تعلیم بھی دی۔

جب اسلام مختلف اطراف و بلاد اور دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا تو صحابہ کرام بھی قرآن و حدیث کی تعلیم ان تک پہنچانے کے لیے ان اطراف و بلاد میں پھیل گئے تاکہ ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دیں تو صحابہ کرام کے اس طرح مختلف بلاد میں منتشر ہو جانے کی وجہ سے تابعین نے ضرورت محسوس کی کہ ان احادیث کو یکجا جمع کر دیا جائے چنانچہ اس کے لیے انہوں نے سفر کئے اور جہاں سے بھی ان کو حدیث مل سکی انہوں نے جمع کی۔

تدوین حدیث کا پہلا دور:

علاوہ ازیں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے حدیث کے جمع و تدوین کا مجہم بالشان کام شروع کیا اور اس عظیم کام کو آپ نے تین اشخاص حضرت ابوبکر بن حزم، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر اور امام الحدیث محمد بن مسلم بن شہاب زہری کے سپرد کیا اور ان حضرات نے باقاعدہ حدیث کو جمع اور تدوین کیا اس سلسلہ میں امام زہری نے سب سے زیادہ قابل قدر خدمات انجام دیں اور ان کی کوششوں سے حدیث کا ایک

ایسا مکتوب ذخیرہ تیار ہوا جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے کئی اونٹ و رکابہ ہوتے تھے ان پر ان کو لا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ امام زہری کو حدیث کا پہلا مدون شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد تو حدیث میں تالیفات کا مستقل سلسلہ شروع ہو گیا اور بڑے بڑے جلیل القدر محدثین کرام تدوین حدیث کے کام میں لگ گئے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ابن جریر، مدینہ طیبہ میں مالک بن انسؒ، بصرہ میں ربیع بن صبیح، کوفہ میں سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہؒ خراسان میں عبد اللہ بن مبارک نے تدوین حدیث کے میدان میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔ یہ تدوین حدیث کا پہلا دور تھا۔

تدوین حدیث کا دوسرا دور:

تدوین حدیث کے پہلے دور میں احادیث کے مجموعے تو تیار ہو گئے تھے مگر ان میں صحیح، مسند، منقطع، مرسل وغیرہ میں فرق کا التزام نہیں کیا گیا تھا۔ تیسری صدی کے آغاز میں محدثین نے ضرورت محسوس کی کہ احادیث مرفوعہ کو احادیث مرسلہ سے بالکل جدا کر دیا جائے۔ چنانچہ اس دور کی تصنیفات و تالیفات میں مرفوع احادیث کو دوسری تمام احادیث کو دوسری تمام احادیث سے جدا کر دیا گیا اور اس کے لیے مختلف تصنیفات مسند کے نام سے سامنے آئیں۔ یہ تدوین حدیث کا دوسرا دور تھا۔

تدوین حدیث کا تیسرا دور:

مگر ان تصنیفات میں مرفوع احادیث میں صحیح، حسن، ضعیف سب یکجا تھیں، اس ضرورت کے پیش نظر کہ مرفوعات میں صحیح احادیث کو جدا کر دیا جائے، محدثین نے اپنی توجہ اس جانب مبذول کی اور اس سلسلہ میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور دیگر ائمہ حدیث نے صحیح کے نام سے کتابیں لکھیں یہ تدوین حدیث کا تیسرا دور کہلاتا ہے۔ اور جیسے جیسے فتنہ انکار حدیث زور پکڑتا گیا، علماء نے اسی شدت سے انکا مقابلہ کیا اور ان کے

اعتراضات کے بھرپور اور دندان شکن جواب دیئے۔ اور اس فتنہ کے مقابلہ میں مستقل کتاب اللہ کے نام سے کتابیں لکھیں۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے، امام دارقطنیؒ نے، امام بیہقیؒ اور دوسرے ائمہ حدیث نے کتاب اللہ لکھی۔ اور علماء کرام نے احادیث کی اہمیت، اس کی ضرورت و فضیلت اور اس کی حفاظت پر کتابیں لکھیں۔

بہر حال جب فتنہ انکار حدیث اٹھا تو پوری امت حدیث کی حفاظت میں لگ گئی اور حدیث کی اس طور پر حفاظت کی جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے۔

حفاظت حدیث کے سلسلہ میں امت کی خدمات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حفاظت حدیث کے لیے مختلف علوم ایجاد کئے، حدیث کے متن سے متعلق، اس کی سند کے متعلق راویان حدیث سے متعلق، متواتر، مشہور، احاد، غریب، مؤلف، مختلف، منکر، ناسخ و منسوخ، علل وغیرہ جن کی تعداد سو کے قریب پہنچتی ہے، اور جن کی تفصیل اصول حدیث کی کتابوں میں بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔

امت نے صرف یہی نہیں کیا کہ آپ کے اقوال کو محفوظ رکھا بلکہ آپ کی ایک ایک بات، آپ کا ہر فعل، ہر قول اور زندگی کا ہر شعبہ اور ہر گوشہ محفوظ کر دیا۔

دنیا میں کوئی نئی اور کوئی بھی بڑا آدمی ایسا نہیں گزرا جس کی زندگی اس طرح محفوظ ہو جس طرح کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی محفوظ ہے۔ اس کا اعتراف اپنوں ہی نہیں بلکہ اعداء بھی اس کے معترف ہیں۔ ”جان ڈیون پورٹ“ اپنی کتاب ”Apology for Muhammad & The Qur'an“ کو ان الفاظ سے شروع کرتا ہے۔

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ تمام مقننین اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے وقائع محمد کے وقائع عمری سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں۔“ (۱)

دوسرے انبیاء اور دوسری قوموں کے پیشواؤں کے حالات زندگی میں صرف چند جھلکیاں تو معلوم ہو سکتی ہیں، مگر ان کی زندگی کے حالات اس تفصیل سے کہیں بھی مذکور نہیں جن کو سامنے رکھ کر کوئی بھی جو بڑے حق اپنے لیے راہ عمل تعین کر سکے جب کہ ان کے مقابلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک فعل محفوظ ہے، آپ گھر میں کس طرح رہتے تھے، باہر کی زندگی کس طرح گزارتے تھے، غزوات، سفر و حضر، آپ کا چلنا پھرنا، سونا جانا سب کچھ ہی تو محفوظ ہے جو ہر شخص کے لیے مشعل راہ بن سکتے ہیں، اور جن کی روشنی میں ہر شخص اپنے لیے راہ عمل متعین کر سکتا ہے۔ Reverend Basworth Smith fellow of Trinity College Oxford کہتا ہے:

”ہم درحقیقت مسیح کی زندگی کے ٹکڑے میں سے ٹکڑا جانتے ہیں۔ ان تیس برسوں کی حقیقت سے کون پر دواٹھا سکتا ہے جس نے تین سال کے لیے راستہ تیار کیا، جو کچھ ہم جانتے ہیں اس نے دنیا کی ایک تہائی کو زندہ کیا ہے اور شاید اور بہت زیادہ کرے۔ ایک Ideal Life جو بہت دور بھی ہے اور قریب بھی، ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی، لیکن اس کا کتنا حصہ ہے جو ہم جانتے ہی نہیں، ہم مسیح کی ماں، مسیح کی خانگی زندگی، ان کے ابتدائی احباب، ان کے ساتھ ان کے تعلقات، ان کے روحانی مشن کے تذریجی طالع، یا ایک بیک نظیر کی نسبت ہم کیا جانتے ہیں؟ ان کی نسبت کتنے سوالات ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں جو ہمیشہ سوالات ہی رہیں گے، لیکن اسلام میں ہر چیز ممتاز ہے یہاں دھندلا پن اور راز نہیں ہے ہم تاریخ رکھتے ہیں ہم محمد کے متعلق جانتے ہیں، جس قدر Luther اور Milton کے متعلق جانتے ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں نے ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھیں اور سیرت نبویہ اور حدیث کی کتابوں کو ان کے مصنفوں سے سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص نے ایک ایک حرف سن کر اور سمجھ کر دوسروں تک پہنچایا۔ حدیث کی پہلی کتاب موطا امام مالک اس کے مصنف امام دارالہجرہ امام مالک رحمۃ اللہ سے چھ سو آدمیوں نے سنا، امام بخاری کی جامع صحیح کو صرف ان کے ایک شاگرد فخری سے ساٹھ ہزار آدمیوں نے سنا۔

بہر حال مسلمانوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو محفوظ رکھا اور اس پر مختلف تصانیف چھوڑیں اور ان تصانیف کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور ہر شخص اس میں حصہ لینا اپنے لیے قابل فخر اور باعث سعادت سمجھتا ہے۔

امت نے یہی نہیں کیا کہ آپ کی زندگی کو محفوظ کر لیا بلکہ آپ کی زندگی کو بیان کرنے والوں اور آپ کے افعال و اقوال نقل کرنے والوں کی زندگیاں تک محفوظ کر لیں۔

صرف صحابہ کرام کے تذکرہ و حالات میں اس قدر شرح و بسط کیساتھ کتابیں لکھی گئیں کہ دیکھنے والا حیران رہ جائے۔ حافظ ابن حجر کی اصابہ، ابن ہبہ البرکی استیعاب، ابن اثیر کی اسد الغابہ قابل ذکر ہیں، صحاح ستہ کے رواقہ کے حالات میں تہذیب الکمال اور اس کی تلخیص تہذیب المعجم موجود ہے۔ اور وہ رواقہ جو متر و کین و بحر و چین ہیں ان کے مستقل تذکرے لکھے گئے۔ لسان المیزان اور میزان الاعتدال اسی قسم کے رواقہ کے تذکرے میں ہیں۔

بہر حال احادیث کی حفاظت کے سلسلہ میں علماء امت نے فن رجال مرتب کیا اور باقاعدہ رواقہ حدیث کے حالات بیان کئے اور ان پر جرح و نقد کا سلسلہ قائم کیا اور

تدوین حدیث میں اس بات کا خیال رکھا کہ کوئی حدیث درمیان میں منقطع نہ ہو اگر روایات حدیث کا سلسلہ کہیں ٹوٹا بھی ہے تو اس کی نشاندہی بھی کر دی ہے، یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا اعجاز اور امت محمدیہ کا امتیاز ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی علامہ شبلی نعمانی کا قول نقل کرتے ہیں۔

”کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کیے جاتے ہیں تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلمبند کر لی جاتی ہیں جن کے رواہوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں جو قرآن و قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں، تھوڑے زمانے کے بعد یہی خرافات ایک دل چسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں۔ یورپ کی اکثر یورپین تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔“

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اس سے بہت ہی زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کے نام بہ ترتیب بیان کئے جائیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کی جائے کہ جو اشخاص اس سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ ان کے مشاغل کیا تھے؟ ان کا چال چلن کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ اُتد تھے یا غیر اُتد؟ سطنی الذہن تھے یا کتد رس؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا۔ لیکن سینکڑوں ہزاروں محدثین نے اپنا عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے اور راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے۔ انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا



وہ عظیم الشان فن ایجاد کیا جس کی بدولت کم از کم کئی لاکھ شخصیتوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں۔<sup>(۱)</sup>

ہندوستان میں حدیث کی آمد:

ہندوستان میں بھی شروع سے ایک طبقہ ایسا رہا ہے جس کا مشغلہ حدیث پڑھنا اور پڑھانا تھا۔ مسلمانوں نے جب سندھ فتح کیا اور بہت سے تابعینؓ نے سرزمین سندھ کو اپنے شرف قدم سے زینت بخشی جس کی وجہ سے حدیث کی بازگشت سندھ میں سنائی دی جانے لگی۔ اسی عرصہ میں سندھ کو ربیع بن صبیح نامی محدث سے بھی شرف حاصل ہوا۔ عربوں کا دور حکومت تیسری صدی تک جاری رہا۔ اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا جو چوتھی صدی سے دسویں صدی ہجری تک پھیلا ہوا ہے اس دور میں فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ، علم الکلام کی کثرت سے درس و تدریس کی وجہ سے حدیث کی طرف توجہ کم ہو گئی مگر حدیث پڑھتے ضرور تھے۔ اس دور میں حدیث کی تعلیم صرف ”مشارق الانوار“ تک محدود تھی زیادہ سے زیادہ ”مکتوٰۃ“ یا بغوی کی ”مصالح“ کو تہرکا پڑھ لیا جاتا تھا۔

دسویں صدی میں دنیا اسلام سے ہندوستان کے بعض علاقوں میں حدیث کے علماء وارد ہوئے اور اس طرح دوبارہ حدیث کی صدائے عطر بیخ ہندوستان میں گونجنے لگی۔ دسویں صدی کے اواخر میں ایک محدث سید عبدالاولیٰ الحسینی کا نام ملتا ہے جنہوں نے ”فیض الباری“ کے نام سے بخاری کی شرح لکھی اور یہ ہندوستان میں بخاری کے سب سے پہلے شارح ہیں۔

گیا رہیں صدی میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علم حدیث کا ایک ماہتاب بن کر چمکے، جنہوں نے حدیث کی طرف خصوصی توجہ دی اور اکبری دور کی بدعت، الخاوا، زندہ کی قلمت کو حدیث نبوی ﷺ کے نور سے شمع کر دیا۔ انہوں نے ”مکتوۃ“ کی دو شرحیں لکھیں، ایک فارسی میں ”امداد المذمعات“ کے نام سے دوسری ”لغات المصباح“ کے نام سے عربی میں۔ اسی طرح حدیث کی خدمت ہوتی رہی اور علم حدیث کی تاریخ اپنے مراحل طے کرتی رہی پھر علم حدیث کی تاریخ میں ایک انقلاب آیا یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سربراہ آراء مسند حدیث ہوئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ہندوستان میں متداول علوم کی تحصیل کے بعد سفر حجاز اختیار کیا اور شیخ ابوظہر بن ابراہیم سے صحاح ستہ کا درس لیا شیخ نے بھی اپنے سارے علوم اپنے ہونہار شاگرد کے سامنے کھول دیئے۔ حضرت شاہ صاحب نے ہندوستان آ کر صرف مکتوۃ المصابیح کے درس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ صحاح ستہ کا درس شروع کیا اور قلمت کدہ ہند حدیث نبوی کے نور سے منور ہو گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی گونا گوں خصوصیات کے حامل آپ کے بعد آپ کے فرزند ان گرامی ہوئے جن میں مسند وقت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا نام نامی سر فہرست ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی آپ کے برادران جلیل القدر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین نے علوم حدیث حاصل کیے، حضرت شاہ محمد اہلق نے جو اپنے زمانہ میں مسند وقت تھے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے حدیث پڑھی اور طویل عرصہ تک ان کے ساتھ رہے۔ حضرت شاہ محمد اہلق کے بعد شاہ عبدالغنی محدث

تھے اور شاہ عبدالغنی صاحب سے پورا ایک جہاں فیضیاب ہوا۔

ولی الہی خاندان کے بعد حق و صداقت، علم و عرفان، صدق و صفا اور علوم و دینیہ خصوصاً قرآن کریم و حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور درس و افتادہ کی خلافت حضرات علماء دیوبند و بہار پور کی طرف منتقل ہوئی۔ حضرات علماء دیوبند و بہار پور نے سو سال تک تجدید کا کام کیا۔

یہ سلسلہ علوم حدیث اس جماعت میں سرفہرست محدث کبیر، فقیہ بے عدیل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ آج تک علوم حدیث اور صحاح ستہ کی تعلیم اور درس و تدریس کا سلسلہ بدستور چلا آ رہا ہے اور آج کے گئے گزرے دور میں بھی صحاح ستہ کی تعلیم ہند و پاک کے دینی مدارس میں امتیازی شان رکھتی جاتی ہے۔ اور اس اعتبار سے ہر زمانے میں ایک ایسی جماعت موجود رہی ہے جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو محفوظ رکھا اگرچہ ان کے مقابلہ میں اسلام کے سدا بہار گلشن میں خود رو پودوں اور کانٹوں کی طرح خود رو اور خود ساختہ افکار و خیالات کے حامل منکرین حدیث پائے جاتے رہے کبھی باطنیہ کی شکل میں، کبھی خوارج کی شکل میں اور کبھی روافض و نواصب کی شکل میں اور کبھی اہل حبیہ کی شکل میں اور دیگر مختلف صورتوں میں مگر علماء حق نے ہمیشہ ان منکرین حدیث کا مقابلہ کیا اور علماء حق ہی ہمیشہ ان پر غالب ہوئے۔

ہندوستان میں انکار حدیث:

چنانچہ ہندوستان میں بھی قال اللہ قال الرسول کی گونج کے مقابلہ میں زانگین اور منکرین حدیث کا نولد وجود میں آیا۔

ہندوستان میں میرے علم کے مطابق سب سے پہلے سر سید احمد خان نے حدیث کا انکار کیا اور اسی انکار حدیث ہی کی بدولت معجزات کا انکار کیا جس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ دوسرا شخص جس نے بڑی شد و مد کے ساتھ حدیث کا انکار کیا وہ مولوی چراغ علی تھا اس نے بھی احادیث کو بے کار قرار دے کر احادیث کا انکار کیا۔ یہی شخص ہے جس نے سب سے پہلے یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ اٹھایا اور یہیں سے ہندوستان میں انکار حدیث کا فتنہ عام ہوا۔ یہ شخص غیر مقلد تھا۔

ہندو پاک میں غیر مقلدیت کی فتنہ انگیزیاں:

دنیا کی یہ عجیب تاریخ ہے کہ ہندوستان میں جتنے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے ان سب کی تہ میں غیر مقلدیت پائی جاتی ہے۔

امت مسلمہ کا سب سے بڑا فتنہ قادیانیت جس کے خلاف آج تک امت برسرِ پیکار ہے اور ”مجلس تحفظ ختم نبوت“ کے نام سے قادیانیت کے خلاف باقاعدہ کام ہو رہا ہے یہ فتنہ بھی غیر مقلدیت کی پیداوار ہے۔

مرزا قلام احمد قادیانی کو نبی ہانے والا حکیم نور الدین بھیروی تھا جو غیر مقلد تھا اس نے مرزا قلام احمد کو ابھارا کہ آپ میں نبی بننے کی صفات پائی جاتی ہیں اس لیے نبی بن جاؤ پہلے اس سے محدث، مصلح، ملہم وغیرہ کے دعوے کرائے اور پھر نبوت کا دعویٰ بھی کروادیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حکیم نور الدین غیر مقلد تھا اور حنفیوں اور غیر مقلدوں میں لڑائی چلتی رہتی تھی تو اس نے کہا کہ میں حنفیوں کو ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ ساری عمر روتے رہیں گے اور اس نے احناف کے لیے ایک نئی نبوت پیدا کر دی تاکہ یہ احناف اسی میں الجھے رہیں اور اپنی تمام توانائی اسی میں صرف کر دیں۔

چند دن قبل سرخضر اللہ کی کتاب ”تحدیثِ نعمت“ دیکھ رہا تھا اس نے لکھا میرا باپ پہلے غیر مقلد تھا اور اس کی دوسری سیرجی قادیانیت تھی، سرسید بھی غیر مقلد تھا غرضیکہ بڑے بڑے فتنوں میں غیر مقلدیت کا ہاتھ پایا جاتا ہے اس کی وجہ وہی ہے جو علامہ زاہد الکوثریؒ نے بتائی حضرت علامہ کوثریؒ صاحب کا ایک مضمون مقالات کوثری میں ہے جس میں حضرت علامہ لکھتے ہیں:

ان لا مذہبۃ قنطرة الا لحداد.

”لامذہبیت (غیر مقلدیت) الحاد کا پل ہے۔“

کیونکہ جب کوئی غیر مقلد بنتا ہے تو اس کی فطرت و طبیعت آزاد ہو جاتی ہے اور وہ خیال کی وادی میں ہر جگہ منہ مارتا پھرتا ہے، حق و باطل کی تمیز ختم ہو جاتی ہے اور غیر مقلد بننے کے بعد آدمی گستاخ و سبہ ادب ہو جاتا ہے۔ یہ غیر مقلد حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نام اس طرح لیتے ہیں جیسے ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس کے بعد فتنہ انکار حدیث کو فروغ دینے والا حافظہ اسلم بے راج پوری تھا۔ یہ اعظم گڑھ کارہنے والا تھا اور جامعہ ملیہ قرول ہائے اسلامیات کا پروفیسر تھا۔ اس نے انکار حدیث کے فتنہ کو خوب پروان چڑھایا اس پر کتاب لکھی اور اس پر اپنے شاگردوں کو تیار کیا لیکن اس کا ایک شاگرد اس معاملہ میں بہت ذہین اور فطن ثابت ہوا۔ پرویز اور فتنہ انکار حدیث:

حافظہ اسلم بے راج پوری نے فتنہ انگیزی کی زر خیز زمین میں ایک بیج بویا جس کی آبیاری اس نے انکار حدیث سے کی اور اس پر مذہب بے زاری اور تحریف والحاد کا پل

چلایا۔ چنانچہ اس پودے نے اپنے پروبال فقہ انکار حدیث کی صورت میں نکالے اور ایک تناور درخت بننے کے بعد خوب حق تربیت ادا کیا اور انکار حدیث پر مشتمل کتابوں کی صورت میں پھل دیا۔ یہ پودا جس کو حافظہ اسلم جے راج پوری نے لگایا تھا اور وہ شاگرد جس کی تربیت اسلم جے راج پوری نے کی تھی غلام احمد پرویز ہے۔

موجودہ وقت میں پاکستان میں فقہ انکار حدیث کی قیادت غلام احمد پرویز کے ہاتھوں میں ہے۔ اس نے انکار حدیث کو خوب فروغ دیا۔ زبان اچھی ہے، افسانوی انداز میں لکھتا ہے۔ پرویز نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً طاہرہ کے نام، سلیم کے نام، نظام ربوبیت، قرآنی فیصلے، لغات القرآن، مفہوم القرآن، طالب القرآن، معارف القرآن، تبویب القرآن وغیرہ ان سب کتابوں میں یہی انکار حدیث ہے۔ ان کتب میں پرویز نے الحاد و تحریف کے تمام سائبریکارڈ توڑ دیے ہیں شریعت کی اصطلاحوں اور احکام میں تحریف کر کے ان کے مفہوم اپنی طرف سے گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کئے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ اور رسول کے مفہوم کو بھی بدل کر رکھ دیا۔ اگر پرویز کی تحریروں اور لٹریچر کی روشنی میں پرویز کے عقائد کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کیونز کا پورا معاشی ڈھانچہ، مذہب بے زاری، نیچریت کی مادہ پرستی، قادیانیت کا انکار، وجود، چکڑ الویت کا انکار سنت اور خاکسار کی تحریف و تاویل سب خرابیاں ملیں گی اور پرویز کے قلم کی روانی نے ان غلطیوں میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

پرویز نے اس فقہ کو عوام کے سامنے ایک دینی دعوت اور دینی تحریک ثابت کرنے کی غرض سے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کا مصلح ثابت کرنے کے لیے قرآن کو بطور جھٹکار کے استعمال کرتے ہوئے رجوع الی القرآن کا نعرہ بلند کیا جب کہ دوسری

طرف حدیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پرویز کا رویہ یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (جن پر قرآن کریم نازل ہوا) کو قرآن کے احکامات کی تشریح کا حق بھی دینا نہیں چاہتا بلکہ جو دینی احکام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں وہ بھی اس کے نزدیک من گھڑت ہیں۔ اس کے برعکس جب پرویز خود قرآن کی تشریح کرتا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ چونکہ یہ خود تو عربی دان نہیں ہیں اس لیے مجبوراً کسی لغت کی کتاب کو سامنے رکھ کر جو کچھ آتا ہے۔ اسے اپنے افسانوی رنگ میں ڈھال دیتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اکثر یہ حضرت لغت کے معنی بھی اپنی طرف سے گھڑتے ہیں یا کسی قرآنی لفظ کے مفہوم کو اپنے نظریہ کے مطابق تبدیل کر لیتے ہیں جیسا کہ آگے ان کی تحریروں سے یہ بات کھل کر سامنے آ جائے گی۔

پرویز ہر چیز کو اپنے گھر کی لٹریچر سمجھتا ہے۔ قرآن ہو یا لغت، حدیث ہو یا فقہ جس طرح چاہا تشریح کر دی نہ یہ دیکھا کہ قرآن کے دوسرے مقامات سے اس کی تائید ہو رہی ہے یا مخالفت اور نہ اس بات کو سامنے رکھا کہ قرآن کی فلاں آیت کی تشریح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمائی ہے اور فلاں حکم کے متعلق حدیث ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے۔ پرویز کے اسی انکار حدیث کا نتیجہ ہے کہ اس کی زبردہ راست قرآن کریم کے مسلمہ عقائد و عبادات، معاملات، معاشرتی مسائل اور عائلی قوانین پر پڑتی ہے۔

ممکن ہے کہ کچھ لوگ اس انکار حدیث کو معمولی فتنہ سمجھیں اور قرآن کے موضوع پر کبھی گئی پرویز کی متعدد کتابوں کو اس قرآن کریم سے شغف کا نتیجہ قرار دیں لیکن جب ذیل کی سطروں میں پرویز کے عقائد پڑھیں گے، اس کی قصہ آفرینی اور خیال آرائی پر

انظر فرمائیں گے جب ان کو اس فقہ انکار حدیث کے مضرت رساں اثرات کا علم ہو جائے گا اور ان کے سامنے پرویز کی خدمت قرآن کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور ان کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ہر اٹھنے والی نئی تحریک کے پر شکوہ الفاظ کے پیچ و خم میں گم نہیں ہو جانا چاہیے۔ ہر خوبصورت عنوان کے بارے میں رائے قائم کرنے سے قبل اس کے مواد کو دیکھنا چاہیے اور پھر اس کا قرآن و حدیث سے تقابل کرنا چاہیئے اس کے بعد اس تحریر کے متعلق یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مصنف نے قرآن و حدیث کے احکامات کی نمائندگی کی ہے۔ صرف خوبصورت الفاظ، شستہ تحریر اور عمدہ مضمون یہ حق و صداقت کی علامت نہیں بلکہ بسا اوقات یہ عوام کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں بقول مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ العالی ”الفرقان“ لکھو:

”واقعہ یہ ہے کہ ذہانت اور زبان و قلم کی طاقت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حفاظت نہ ہو تو یہ بہت بڑا فتنہ اور ہزاروں لاکھوں کی گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔“ (۱)

پرویز کے کفریہ عقائد:

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اس انکار حدیث کی زد عقائد، عبادات، معاملات، معاشرتی مسائل اور عائلی قوانین سب پر پڑتی ہے۔ آگے ہم پرویز صاحب کی انہی تحریفات اور عقائد کی جھلک پیش کرتے ہیں۔

اللہ اور رسول کے متعلق پرویز کا نظریہ:

(۱) قرآن کریم میں جہاں اللہ اور رسول کا ذکر آیا ہے اس سے مراد ”مرکز نظام

(۱) مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف ص ۱۰۸



حکومت ہے۔“ (۱)“

(۲) ”قرآن کریم میں ”مرکز ملت“ کو اللہ اور رسول کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔“ (۲)“

(۳) ”اللہ اور رسول کی اطاعت سے مراد مرکزی حکومت کی اطاعت ہے جو قرآنی احکام کو نافذ کرے گی۔“ (۳)“

(۴) ”اللہ اور رسول یعنی مرکز نظام ملت کی اطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔“ (۴)“

پرویز کی ان تحریروں کی روشنی میں مندرجہ ذیل دو امور ہمارے سامنے آتے ہیں:  
نمبر ۱۔ قرآن کریم میں جہاں بھی اللہ اور رسول کا نام آیا ہے اس سے مراد ”مرکز ملت“ ہے۔

نمبر ۲۔ جہاں اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہے اس سے مراد ”مرکزی حکومت“ کی اطاعت ہے۔ ایک شخص سے سوال کیا جائے کہ کیا تم خدا کو مانتے ہو؟ وہ کہے کہ ہاں میں خدا کو مانتا ہوں کہ خدا تو ایک فطرت (Nature) ہے وہ ایک قوت (Power) (جیسے کہ آج کل کمیونٹ کہتے ہیں) تو کیا ایسے شخص کو ہم صرف اس کے یہ کہنے سے کہ ”ہاں میں خدا کو مانتا ہوں“ مسلمان تصور کر سکتے ہیں؟

اسی طرح ایک شخص سے دریافت کیا جائے کہ کیا تم رسول کے قائل ہو؟ وہ جواب دے کہ ہاں میں رسول کا قائل ہوں کہ قوم کا لیڈر، قائد اور مصلح اس قوم کا رسول کہلائے گا تو کیا اس کے یہ کہنے پر ہم یہ تسلیم کر لیں گے کہ وہ رسول کا قائل ہے۔

(۱) معارف القرآن صفحہ ۶۳۳/ج ۱۴ از علامہ احمد پرویز

(۲) معارف القرآن صفحہ ۶۳/ج ۱۴ از پرویز

(۳) اسلامی نظام از پرویز صفحہ ۸۶

(۴) معارف القرآن از پرویز صفحہ ۶۳/ج ۱۴

درحقیقت اللہ اور رسول پر ایمان وہ معتبر ہوگا جو قرآن و حدیث کی بتلائی ہوئی تشریحات و توضیحات کے مطابق ہو۔ غور فرمائیں کہ کیا اسلام اور مسلمانوں کے نزدیک اللہ اور رسول کا یہی مفہوم ہے جو پرویز نے بیان کیا ہے۔ پرویز صاحب چونکہ احادیث کو نہیں مانتے اس لیے فی الحال ہم اللہ اور رسول کے مفہوم اور اللہ اور رسول کی اطاعت کے متعلق کوئی حدیث بیان نہیں کرتے لیکن پرویز صاحب یہ تو مانتے ہیں کہ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے لہذا بتلائیے عربی زبان کی کوئی لغت (Dictionary) میں اللہ اور رسول کا معنی "مرکز نظام ملت" بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ پرویز صاحب قرآن اور لغت کو اپنے گھر کی جاگیر سمجھتے ہیں کہ جس لفظ کا جو معنی دل میں آیا بیان کر دیا۔ پرویز صاحب عربی زبان کی نثر، نظم، اشعار اور محاوروں میں کسی ایک جگہ بھی یہ بتلا دیں کہ اللہ اور رسول کے معنی اور مفہوم "مرکز ملت" یا "مرکز نظام حکومت" ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات بیان کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ خدا تعالیٰ "عالم الغیب" (غیب کی باتوں کو جاننے والا) "حی قیوم" (زندہ، نسب کا تھامنے والا) "خالق" (پیدا کرنے والا) "رزاق" (رزق عطا کرنے والا ہے) تو کیا یہ تمام صفات پرویز کے نزدیک "مرکز ملت" کے لیے بھی ہیں؟ کیا مرکز ملت "غیب کا جاننے والا ہے؟ کیا "مرکز ملت" ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے؟ کیا مرکز ملت رزق عطا کرنے والا ہے؟

ذرا غور کیجئے کہ اللہ اور رسول کی ذات و صفات پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا دین اسلام کا سب سے اولین اور بنیادی مرحلہ (Basic Stage) ہے جب

پرویز صاحب کو اسلام کی اس اساس اور بنیاد سے ہی اختلاف ہے تو بقیہ احکام اور مسائل دین میں انھوں نے کیا کیا گل نہیں کھلائے ہوں گے اور کیا کیا تحریفات نہیں کی ہوں گی اور پورے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہوگا، چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

جنت اور جہنم کے متعلق پرویز کا نظریہ:

عقیدہ توحید و رسالت کے بعد عقیدہ آخرت کا نمبر آتا ہے اور اسی عقیدہ آخرت کے ضمن میں جنت اور جہنم کا تذکرہ بھی آتا ہے ذرا ان امور کے متعلق بھی پرویز صاحب کی موشگافیاں مطالعہ فرمائیں:

”بہر حال مرنے کے بعد کی ”جنت اور جہنم“ مقامات نہیں ہیں انسانی ذات کی کیفیات ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

جنت اور جہنم کے مقامات ہونے سے انکار کرنا اور ان کو انسانی ذات کی کیفیات قرار دینے کا نظریہ اسلامی عقائد کے یکسر منافی اور سرسرا سر کفر و الحاد ہے۔ جنت و جہنم کے مقامات ہونے پر تمام مسلمانوں کا نزول قرآن سے لے کر آج تک اجماع و اتفاق ہے۔ قرآن کریم میں جنت و جہنم کے لیے صراحۃً ”مستقر“ اور ”مقام“ کے الفاظ وارد ہوئے ہیں چنانچہ جہنم کے متعلق ارشاد باری ہے۔

أَنهَآ مَسَاكِنُ مُسْتَقَرًّا وَمَقَامًا۔<sup>(۲)</sup>

بے شک وہ (جہنم) بری جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بری جگہ ہے رہنے کی۔

اور جنت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) لغات القرآن الہدیہ ج ۹ ص ۴۳۹

(۲) سورۃ الفرقان

حسنت مستقراً و مقاماً۔ (۱)

”بہترین جگہ ہے ٹھہرنے کی اور بہترین جگہ ہے رہنے کی۔“

قرآن کریم میں جنت اور جہنم کی مختلف صفات بیان کی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ آیت ملاحظہ ہو۔

وَمِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ كَثِيرٌ مِمَّنْ هُمْ أَهْلُ جَهَنَّمَ زُفَرًا ۖ هَٰذَا خَشْيَ إِذَا جَاؤَهَا لَيَحْتَثُّ أَبُوْهَا  
وَقَالَ لَهُمْ خُزِّنْهَا لَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِنْكُمْ۔

”اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف گرد گردہ بنا کر ہانکے جائیں گے یہاں تک کہ جب دوزخ کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور ان سے دوزخ کے داروہ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی لوگوں میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے۔“

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے دروازے میں اور اس جہنم کا ایک داروہ بھی ہے تو یہ دروازے اور داروہ کسی مقام کے ہوتے ہیں یا کیفیات کے ہوتے ہیں؟

قرآن کریم کا ادنیٰ سا مطالعہ کرنے والا شخص بھی یہ جانتا ہے کہ قرآن کریم میں جنت کی بہت سی ایسی صفات بیان کی گئی ہیں کہ جو کسی مقام اور کسی جگہ کی ہو سکتی ہیں۔ کسی کیفیت کی صفات نہیں ہو سکتیں؟ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت کی نعمتوں کے اور دوزخ کے عذاب کے چند نمونے دکھائے گئے ہیں تو کیا خیال ہے کہ یہ نمونے انسانی ذات میں تھے یا یہ کسی مقام کے نمونے تھے؟ جنت اور

جہنم پر کسی شخص کا اعتقاد اس وقت درست ہو سکتا ہے جب کہ یہ عقیدہ قرآن کی تشریحات و توضیحات کے مطابق ہو ورنہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس کا جنت و جہنم پر اعتقاد نہیں لہذا ایسے شخص کو کافر قرار دیا جائے گا۔ چنانچہ علامہ شہاب الدین خفاجی اپنی کتاب ”سیم الریاض“ میں تحریر فرماتے ہیں:

و کذا الک لکفر من انکر الجنة والنار نفسہما او مجملہما۔<sup>(۱)</sup>

اور اسی طرح ہم اس کو بھی کافر کہیں گے جو جنت و دوزخ کا سرے سے انکار کر دے یا ان کے مقامات کا انکار کرے۔

ملائکہ کے متعلق پرویز کا نظریہ:

”اس سے ظاہر ہے کہ ان مقامات میں ”ملائکہ“ سے مراد وہ نفسیاتی محرکات ہیں جو انسانی قلوب میں اثرات مرتب کرتے ہیں۔“<sup>(۲)</sup>

ملائکہ کا یہ مفہوم پرویز نے اپنی مختلف کتابوں میں بیان کیا ہے مثلاً ”لغات القرآن“ اور ”معارف القرآن“ وغیرہ۔ ملائکہ کا یہ مفہوم اور تشریح بھی کفر ہے اس لیے کہ پرویز صاحب ملائکہ کی اس حقیقت سے انکار کر رہے ہیں جس کو اسلام نے متعین کیا ہے اور قرآن کی واضح تشریحات نے بیان کیا ہے۔ اسلام کی رو سے ملائکہ ”نفسیاتی محرکات“ یا ”کائناتی قوتوں“ کا نام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہیں جن کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے اطاعت ہی اطاعت رکھی ہے۔ ملائکہ پر ایمان کا وہ معنی قطعاً نہیں ہے جو پرویز نے بتلایا ہے بلکہ اسلام کے نقطہ نگاہ سے ملائکہ پر ایمان

(۱) سیم الریاض ج ۳ ص ۵۵۵

(۲) اٹلس آدم از پرویز صفحہ ۱۹۵

لانے کا مطلب یہ ہے جو ہم الریاض میں ان الفاظ میں مذکور ہے:

والملائكة اجساد نورانية سالمة من الكدورات الجسمانية قابلة  
لتشكل والایمان بهم ان نؤمن بالهم عباد الله معصومون لا يفعلون  
غير ما يؤمرون ولا يعلم عدتهم الا الله. (۱)

”ملائکہ نورانی اجسام ہیں، جسمانی کدورتوں سے پاک ہیں۔ مختلف اشکال قبول  
کر لیتے ہیں اور ان پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لائے کہ وہ اللہ کے  
بندے ہیں۔ معصوم ہیں بغیر حکم الہی کے کوئی کام نہیں کرتے ان کی تعداد کا حال اللہ  
تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔“

ملائکہ کے بارے میں قرآن کریم کی بہت سی آیات پرویز کے باطل عقیدہ کی  
تردید کرتی ہیں بعض آیات ہم ذکر کرتے ہیں:

(۱)۔ وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانه بل عباد مكرمون لا يسبقونه  
بالقول وهم بامره يعملون. (۲)

”اور وہ (کافر) کہتے ہیں کہ رحمن نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھا ہے (حالانکہ)  
خدا کی ذات تو اس سے پاک ہے بلکہ وہ (فرشتے) معزز بندے ہیں اس سے بڑھ کر  
نہیں بول سکتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔“

(۲)۔ وجعلوا الملائكة الذين هم عباد الرحمن ائالا. اشهدوا علقهم  
متكذبين شهادتهم و يسئلون. (۳)

(۱) جیم الریاض ج ۳ ص ۳۳۵

(۲) سورۃ انبیاء ۲۷

(۳) سورۃ الزخرف رکوع ۲ ص ۲۵

”اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں عورت قرار دے رکھا ہے کیا ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے ان کا یہ دعویٰ لکھ لیا جاتا ہے اور قیامت میں ان سے باز پرس ہوگی۔“

(۳)۔ الحمد لله فاطر السموت والارض جاعل الملائكة رسلا اولی اجنحة مثنیٰ و ثلاث و ربیع۔<sup>(۱)</sup>

”تمام تر حمد اسی اللہ کو لائق ہے جو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے جو فرشتوں کو پیغام رساں بنانے والا ہے جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر وار بازو ہیں۔“ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ خدا کی اس مخلوق کے بارے میں کفار کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں قرآن نے کفار کے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ یہ خدا کی بیٹیاں نہیں ہیں بلکہ یہ خدا کے معزز بندے ہیں۔ اسی طرح اگلی آیت میں فرشتوں کی چند جسمانی صفات بتلائی گئی ہیں کہ ان میں سے بعض کے دو پر ہیں بعض کے تین پر ہیں اور بعض کے چار پر ہیں یہ صفات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کسی خاص اجسام کی صفات ہیں۔ کیا ”نفسیاتی محرکات“ کے پر ہوتے ہیں۔ اگر پرویز صاحب نے اپنے حواس سے ”نفسیاتی محرکات“ کے پر محسوس کئے ہیں یا اپنی عقل سے پر تلاش کر لیے ہیں تو یہ پرویز کے دماغ کی بدحواسی اور عقل کی نادانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت جبرئیل کے بارے میں پرویز کا نظریہ:

”انکشاف حقیقت کی ”روشنی“ (ذریعہ یا واسطہ) کو جبرئیل سے تعبیر کیا گیا ہے۔“<sup>(۲)</sup>

(۱) اہلسنت و آدم از پرویز صفحہ ۲۸۳

(۲) سورۃ الفاطر رکوع ثبیر اپ ۲۲

پرویز کی اس تحریر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے شخصی وجود اور ان کی اس حقیقت سے انکار ہے جو اسلام نے متعین کی ہے۔ اسلامی عقائد کی رو سے جبرئیل علیہ السلام ایک برگزیدہ فرشتے ہیں جن کا کام انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی لانا تھا قرآن کریم کی مندرجہ ذیل دونوں آیات پرویزی فکر کی صراحتاً تردید کرتی ہیں:

(۱)۔ قل من كان عدواً لجبرئيل فانه نزله على قلبك باذن الله مصدقاً لما بين يديه وهدى و بشرى للمؤمنين. <sup>(۱)</sup>

”آپ (ان سے) یہ کہیے کہ جو شخص جبرئیل سے عداوت رکھے سو انہوں نے خدا کے حکم سے یہ قرآن آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے، یہ قرآن تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے اور خوشخبری سنارہا ہے ایمان والوں کو۔“  
(۲)۔ من كان عدواً لله و ملائكته و رسله و جبرئيل و ميکال فان الله عدوٌ للکافرين. <sup>(۲)</sup>

”جو کوئی شخص دشمن ہو اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا تو اللہ تعالیٰ دشمن ہے ان کافروں کا۔“

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ رسولوں کی طرح جبرئیل اور میکائیل کا بھی وجود خارجی ہے لہذا جبرئیل کو کسی خاص قسم کی روشنی قرار دینا گمراہی اور کفر ہے اور قرآن شریف کی تصریحات کے سراسر خلاف ہے۔

نزول قرآن سے لے کر آج تک مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کریم نبی کریم

(۱) سورۃ البقرہ رکوع نمبر ۲۱

(۲) سورۃ البقرہ رکوع نمبر ۲۱



صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ نازل ہوا لیکن پورا عالم اسلام ایک طرف اور پرویز صاحب ایک طرف، کیا پرویز کے نزدیک کوئی روشنی قرآن نے کرنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک آئی تھی، جس شخص کا قرآن کے نزول کے متعلق ہی عقیدہ اس قدر گمراہ کن ہو تو آگے مکمل قرآن کے بارے میں اور قرآن کے دیگر امور کے بارے میں اس کا عقیدہ کس قدر گمراہ کن اور ٹھکانہ ہوگا۔

صد حیف اور افسوس ہے پرویز صاحب کی حالت پر کہ وہ قرآن کی آیات کے مفہیم بدل کر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کریم کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو:

ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا الھمن ینلقی فی النار خیر ام من یناتی آما یوم القیمة اعملوا ما شئتم الھ بما تعملون بصیر۔

”بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری آیات میں الحاد (کجروی) کی راہیں نکالتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں بھلا جو آگ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن سے آئے گا۔ کیسے جاؤ جو پناہ ہو بے شک جو کچھ تم کرتے ہو وہ خدا دیکھتا ہے۔“ اس آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی آیات کو سن کر جو لوگ کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی سیدھی باتوں میں وہابی جاہلی اور انت ہت شبہات پیدا کر کے میز ھ نکالتے ہیں یا خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر ان کا مطلب قاطع لیتے ہیں، ممکن ہے وہ لوگ اپنی مکاریوں اور چالاکیوں پر مغرور ہوں، مگر اللہ تعالیٰ سے ان کا حال پوشیدہ نہیں جس وقت اس کے سامنے جائیں گے خود دیکھ لیں گے۔ فی الحال اس نے ذلیل دے رکھی ہے وہ مجرم کو یکدم نہیں پکڑتا اس لیے آگے فرمایا ”اعملوا“

ماشتم انه بما تعملون بصیر“ یعنی اچھا جو تمہاری سمجھ میں آئے کئے جاؤ مگر یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں ایک دن ان کا پورا انمیا زو بھگتنا پڑے گا۔ اس سے قبل ہم نے جن فتنوں کا تذکرہ انکار حدیث کے حوالہ سے کیا تھا ان فرقوں اور فتنوں میں انکار حدیث جزوی طور پر تھا یعنی انہوں نے کسی خاص عقیدہ کے متعلق یا دین کے کسی خاص شعبہ کے بارے میں احادیث کو نظر انداز کر دیا لیکن پرویز صاحب نے جس فتنہ انکار حدیث کو پروان چڑھایا ہے وہ ہمہ گیر ہے اور یہ انکار حدیث دین کے تمام شعبوں پر محیط ہے گویا کہ کلی طور پر احادیث کا انکار ہے۔ چنانچہ اس کا اثر یہ ہوا کہ پرویز صاحب نے دین کے بنیادی اور اساسی عقائد میں بھی تحریف کر دی اور دین کے بنیادی اعمال مثلاً نماز اور زکوٰۃ اور حلال و حرام کے امور میں انہوں نے احادیث کو نظر انداز کیا اور ایسے نظریات تخلیق (Create) کئے کہ جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور اسی طرح پرویز صاحب نے اپنی دین سے وابستگی بھی ختم کر دی مثلاً دن رات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں اگر کوئی شخص ان میں سے کسی بھی ایک وقت کی نماز کا سرے سے انکار کر دے وہ کافر ہو جائے گا۔ چاہے اب وہ اس انکاری کوئی بھی تاویل کرے اور کوئی بھی وجہ بتلائے وہ ناقابل قبول ہوگئی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ میں پانچ وقت کی نماز اس لیے نہیں مانتا کہ مجھے قرآن سے ان کا ثبوت نہیں ملتا تو اگرچہ یہ شخص اپنے اس انکار کے لیے قرآن کو سہارا بنا رہا ہے لیکن پھر بھی اس کی یہ بات ناقابل قبول ہوگی۔ چنانچہ پرویز کے نزدیک نماز اگر ہے تو دو وقت ہے، اور سوائے چند چیزوں کے حرام ہونے کے باقی سب حلال۔ پرویز صاحب کی تحریروں کے مندرجہ ذیل اقتباسات ان نظریات کا منہ بولنا ثبوت ہیں:

## نماز اور پرویز:

پرویز صاحب نے نماز کے متعلق اپنی کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ ”نماز کے متعلق“ لکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ انھوں نے نماز کی افادیت، اہمیت، فضائل اور احکام پر کچھ مفید باتیں تحریر کی ہیں بلکہ انھوں نے جہاں بھی نماز کے متعلق کچھ اظہار خیال کیا تو اس میں سارا زور قلم اس پر صرف کیا کہ ۱۴۰۰ سال سے مسلمان جس طریقہ سے مسجد کے اندر ایک خاص بیت سے اور متعین اوقات میں نماز پڑھتے ہیں یہ طریقہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ یہ طریقہ مجوسیوں کا ہے اور قرآن میں جہاں جہاں ”اقیموا الصلوٰۃ“ کا حکم ہے تو وہاں ”اقامت صلوٰۃ“ سے مراد نماز پڑھنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد معاشرہ میں ایک خاص نظام رائج کرنا ہے اسی طرح انھوں نے ایک مقام پر ارکان اسلام کے متعلق تحریر کیا کہ:-

”اب یہ تمام عبادات اس لیے سرانجام دی جاتی ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے، ان امور کو نہ افادیت سے کوئی تعلق ہے نہ عقل و بصیرت سے کچھ واسطہ آج ہم بھی اس مقام پر ہیں جہاں اسلام سے پہلے دنیا تھی۔“<sup>(۱)</sup>

اس کے علاوہ بھی نماز کے متعلق بہت سی پرویزی تحقیقات ہیں جن کو ہم یہاں اختصار کے پیش نظر بیان نہیں کر سکتے اس سلسلہ میں صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے: ”سورۃ نور میں صلوٰۃ الفجر اور صلوٰۃ العشاء کا ذکر (ضمنی) آیا ہے جہاں کہا گیا ہے کہ تمہارے گھر کے ملازمین کو چاہیے کہ وہ تمہاری (Privacy) کے اوقات میں اجازت لے کر کمرے کے اندر آیا کریں یعنی من قبل صلوٰۃ الفجر وحين

(۱) قرآنی فیضانِ پرویز، ص ۳۰

تضعون ليايكم من الظهيرة ومن بعد صلوة العشاء (۵۸/۳۳) صلوة  
 الفجر سے پہلے اور جب تم دوپہر کو کپڑے اتار دیتے ہو اور صلوة العشاء کے بعد۔ اس  
 سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجتماعات صلوة کے لئے (کم  
 از کم) یہ دو اوقات متعین تھے۔ جمعی تو قرآن نے ان کا ذکر نام لے کر کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

یوں تو پرویز صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کو جھوٹ کا پلندہ  
 اور من گھڑت قرار دیتے ہیں جب کہ دوسری طرف خود پرویز صاحب کے پرویزی  
 مذہب کی پوری بنیاد جھوٹ پر ہے دینی امور اور مسلمانوں کے دیرینہ مسلمہ اور قطعی  
 عقائد کے متعلق جھوٹ بولنے میں ان کو کوئی شرم و عار محسوس نہیں ہوتی نماز کے اوقات  
 کے متعلق یہ کہنا کہ ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اجتماعات صلوة کے (کم از کم)  
 یہ دو اوقات متعین تھے“ سراسر جھوٹ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضوان  
 اللہ علیہم اجمعین اور زمانہ خیر القرون پر ایک فسوس ناک اتہام اور افتراء ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز کے پانچ اوقات متعین تھے جس پر  
 واضح، صریح اور قطعی دلائل موجود ہیں اور ان کا ثبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے  
 تو اترا اور تسلسل سے ہے اور امت محمدیہ کا شب معراج سے لے کر آج تک اس پر عمل  
 ہے اور جس نے بھی بھنگا نہ نماز میں کسی بھی ایک وقت کی نماز کا انکار کیا علماء و فقہاء نے  
 بلا جھجک اس کو کافر قرار دیا اسی وجہ سے علماء نے بالاتفاق ان خوارج کو کافر کہا ہے جو دو  
 وقت کی نماز کے قائل تھے ”حسب الریاض“ میں ہے:

و كذلك اجمع على كفر من قال من الخوارج ان الصلوة

الواجبة طرفی النهار فقط والمراد بطرفی النهار اوله و اخره (۱)

اور اسی طرح اتمام ہے ان خوارج کے کفر پر جو یہ کہتے تھے کہ نماز صرف دن کے دونوں سروں پر فرض ہے یعنی دن کے شروع میں اور آخر میں۔

پرویز اور زکوٰۃ:

(۱) ”زکوٰۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے۔ اس ٹیکس کی کوئی شرح متعین نہیں کی گئی، اس لئے کہ شرح ٹیکس کا انحصار ضروریات ملی پر ہے۔ حتیٰ کہ ہنگامی صورتوں میں حکومت وہ سب کچھ وصول کر سکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو لہذا جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی۔“ (۲)

(۲) ”اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق اڑھائی فیصدی مناسب سمجھا تھا تو اس وقت یہی شرح شرعی تھی، اگر آج کوئی اسلامی حکومت کہے کہ اس کی ضروریات کا تقاضا جس فیصدی ہے تو یہی جس فیصدی شرعی شرح قرار پایا جائے گی۔“ (۳)

زکوٰۃ اسلامی ارکان میں سے ہے اور ایک نہایت اہم عبادت ہے۔ قرآن کریم نے اس عبادت کی بجا آوری کا بار بار حکم دیا اور اس کے مصارف خود متعین کئے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تمام جزئیات کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ کب زکوٰۃ واجب ہوگی، نصاب زکوٰۃ کیا کیا ہیں، شرائط و جوب کیا ہیں اس اہم عبادت کو ٹیکس کہہ دینا اور اس کی مقرر کردہ شرح سے انکار کر دینا جو جو اتر آ غصرت

(۱) تاجم الریاض ج ۳ ص ۵۵۔

(۲) قرآنی فیصلے صفحہ ۳۵

(۳) سلیم کے نام پانچواں خط از پرویز ج ۱ ص ۷۷۔ ۷۸۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول چلی آتی ہے سراسر الحاد ہے۔

پرویز نے یہ تحریر کر کے کہ: ”اگر خلافت راشدہ نے اپنے زمانے کی ضروریات کے مطابق اڑھائی فیصدی مناسب سمجھا تھا تو اس وقت یہی شرح شرعی تھی“ یہ شبہ پیدا کرنے کی مذموم کوشش کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ذکوۃ کی کوئی شرح متعین نہ تھی چنانچہ خلفائے راشدین نے اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق اس کی شرح اڑھائی فیصدی متعین کر دی چنانچہ جب خلفائے راشدین نے اپنی طرف سے اڑھائی فیصدی متعین کر دی تو اب کوئی اور شخص اس کو گھٹا اور بڑھا بھی سکتا ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ذکوۃ کی اڑھائی فیصد شرح خلفاء راشدین نے نہیں بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کی تھی اور خلافت راشدہ نے جو کہ علیٰ منہاج النبوت تھی اس نے اس پر عمل کیا اور پوری امت عہد رسالت سے لے کر آج تک قاطبہ اس پر عمل کرتی چلی آئی پھر اس میں شک و انکار کی گنجائش کہاں ہے۔

مالی اور بدنی عبادت کے دو اہم اور بنیادی ارکان نماز اور ذکوۃ کے متعلق پرویز کے نظریات قارئین کرام پڑھ کر بخوبی یہ سمجھ سکتے ہیں کہ دین کی دوسری بدنی اور مالی عبادات کے متعلق پرویز نے کیا کیا شرانگیزیوں کی ہوگی۔ ہم نے طوالت کے ڈر سے روزہ حج اور دوسرے صدقات کے متعلق پرویز کے خیالات نقل نہیں کئے۔ تفصیل کے خواہشمند حضرات پرویز کے متعلق شائع شدہ فتویٰ کا مطالعہ کریں جسے جلد۱ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن (سابق مدرسہ عربیہ اسلامیہ) کے شعبہ تصنیف نے شائع کیا ہے اور اس فتویٰ کو راقم الحروف ہی نے مرتب کیا ہے چنانچہ پرویز اور ان کے قبیحین کے نزدیک اس جرم کی پاداش میں اب تک معتب ہوں اور پرویز اور ان کے

قبضین کے چھپھورے انداز تحریر اور تازیانہ و تاشاکت الفاظ کا وفاق نشانہ بتا رہتا ہوں لیکن اگر قرآن کریم، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور ان کے پاکیزہ اقوال و افعال و اعمال (احادیث مبارکہ) اور دین اسلام کی توحین اور ان پر لگائے جانے والے افتراء، اتہامات اور الزامات کی تردید کی پاداش میں اگر مجھ کا چیز کو طعن و تشنیع کے نیزوں میں پرو دیا جائے تو میں اس کو اپنی نجات کا ضامن سمجھتا ہوں اور اپنے خدائے بزرگ و برتر سے قوی امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ روز قیامت مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہوگی۔

عمر احمد عثمانی مجدد انکار حدیث:

غلام احمد پرویز کوئی مستند عالم نہیں تھا کہ وہ اپنے ان کفریہ عقائد کو علمی بنیادوں پر استوار کرتا اس وجہ سے اس کا کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا۔ پرویز کو ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو اس کے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائے اور اس کے کفریہ عقائد کو علمی بنیادیں فراہم کرے تاکہ اس طریقہ سے پرویز اپنے کفریہ عقائد کا زہر علمی حلقوں میں بھی پھیلانے کی کوشش کرے۔ اس کے لئے اس نے عمر احمد عثمانی کی خدمات حاصل کیں۔ عمر احمد عثمانی نے پرویز کے کفریہ عقائد کو ”فقہ القرآن“ نامی کتاب لکھ کر علمی بنیادوں پر استوار کیا، ان عقائد کی مکمل تشریح و تفسیر کی اور اس طرح عمر احمد عثمانی نے خوب حق خدمت ادا کیا اگر یہ کہا جائے کہ پرویز کے کفریہ عقائد جو مختلف رسائل اور کتابوں میں ہیں وہ متن ہیں اور عمر احمد عثمانی کی کتاب ”فقہ القرآن“ ان عقائد کی شرح ہے تو بالکل مناسب ہوگا۔

پرویز اور عمر احمد عثمانی نے اپنی اس تحریک کو نہایت خوشنما الفاظوں سے مزین کیا

ہے۔ اور قرآن کریم کو بطور نعرہ کے استعمال کیا ہے۔ اپنی اس تحریک کو انھوں نے کہیں ”فہم قرآن کا نام دیا ہے، کہیں ”مفہوم القرآن“ اور ”مطالب الفرقان“ اور کہیں ”فہم القرآن“ کے پرکشش نام سے موسوم کیا ہے۔ ان کتابوں کے چہرے اور ناٹیکل اپنی پلاسٹک سرجری اور ظاہری خوبصورتی، عمدہ کاغذ اور دیدہ زیب کتابت کے باوجود حسینان فرہنگ کی طرح عصمت سے خالی ہیں اور ان کتابوں میں قرآن کی اصل روح کا فقدان ہے، ان خوشممانعروں سے جو چیز سامنے آرہی ہے وہ ماڈرن طریقہ سے ”الٹا حدیث“ ہے اور الٹا حدیث کا لازمی نتیجہ الٹا قرآن ہے۔

”فہم القرآن“ کی اب تک چار جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں اس کتاب کے مصنف عمر احمد عثمانی نے فقہ کا مسخ شدہ ڈھانچہ تیار کیا ہے عمر احمد عثمانی صاحب قرآن کریم سے احکامات اور فقہی مسائل مستحکم کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور نہ ائمہ مقتدی (یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اجمعین) میں سے کسی کے قول کو خاطر میں لاتے ہیں بلکہ عمر احمد عثمانی کے ایک معتقد خاص (جناب ”طاہر میدانی“ جو کہ غلط فہمی کے نتیجے میں اپنے آپ کو ”طاہر کی“ کہتے ہیں) نے ایک قدم اور اگے بڑھاتے ہوئے فقہ القرآن کے تعارف میں احادیث مبارکہ کے متعلق یہ توہین آمیز الفاظ استعمال کئے ہیں:

”آفتاب قرآنی کی روشنی روایات کے کثیف بادلوں کے تحت کہاں نظر آسکتی ہے؟“ (۱)



جب کہ انہی ”معتقد خاص“ نے فقہ القرآن جلد اول میں مصنف کا تحارف کرواتے ہوئے اس بات کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے کہ جناب عمر احمد عثمانی دارالعلوم چندہ پورہ چانگام (بنگلہ دیش) کے شیخ الحدیث رہ چکے ہیں اگر نام نہاد شیخ الحدیث اور ان کے معتقدین خاص کا حدیث کے سلسلہ میں یہ رویہ (Attitude) اور انداز فکر ہے تو ان کی خدمت میں ہم صرف یہی عرض کر سکتے ہیں:

اے اہل خرد خوب ہیں انداز تمہارے

جس شاخ پہ بیٹھے وہی کاٹ رہے ہو

عمر احمد عثمانی صاحب اگر فقہ القرآن کی تصنیف و تالیف سے قبل پرویزیت، انکار حدیث اور وساوس کے کثیف بادلوں کی غفلت سے باہر آ کر آفتاب قرآنی، مہتاب حدیث اور کواکب فقہ کی روشنی غیر جانبدار (Neutral) ہو کر قرآن کریم کا مطالعہ فرماتے اور پھر احکام قرآن اور قرآنی فقہ پر عربی اور اردو میں تحریر کی گئیں کتب کا سرسری مطالعہ بھی فرمالیتے تو ان پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی کہ قرآن کریم کی روشنی سے استفادہ کرنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کس قدر اہمیت رکھتی ہیں۔

ویسے تو فقہ القرآن کی چاروں جلدوں میں عمر احمد عثمانی نے منکرین حدیث اور دور جدید میں منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز کی پوری پوری نمائندگی کی ہے لیکن خصوصاً فقہ القرآن کی تیسری جلد میں جس کا عنوان انہوں نے ”حقوق نسواں“ متعین کیا ایسا معلوم ہوتا ہے آج جناب پرویز صاحب کے پورے نقش قدم پر ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حقوق نسواں سے متعلق اسلام کے جتنے احکامات ہیں وہ

سب انصاف پر مبنی ہیں اور ان احکامات میں خدا کی طرف سے عورتوں کے لئے متعین کردہ حقوق کا خیال رکھا گیا ہے لیکن عمر احمد عثمانی "فقد القرآن" کی تیسری جلد میں "عورتوں کو مردوں کے مساویانہ حقوق" کا نعرہ لگا کر یہ محکمہ خیر نظر یہ قائم کرتے ہیں کہ: آدم و حوا ایک ساتھ بیک وقت پیدا ہوئے (ملاحظہ ہو فقد القرآن جلد سوم صفحہ ۴۱)۔ (۴۲) لہذا جب پیدائش میں ان میں کوئی تفریق و امتیاز نہیں، کوئی تقدیم و تاخیر نہیں تو پھر دوسرے احکامات میں بھی ان میں کوئی امتیاز نہیں ہونا چاہیے۔

تحقیق آدم و حوا کے متعلق ان کا یہ نظریہ یقیناً قرآن وحدیث کی واضح تصریحات کے خلاف ہے لیکن انھوں نے اپنے موقف کے لئے طرح طرح کے مفروضات قائم کر کے قرآن میں تدبیر، اس کے فہم اور قرآن کی فقہی روح کو بری طرح مجروح کیا ہے اور جن علماء نے صحیح معنوں میں فہم قرآن، تدبیر فی القرآن اور قرآن وحدیث سے فقہی احکامات مستنبط کئے ہیں ان کی ان بلند پایہ کوششوں کا مذاق اڑایا ہے اور ان کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے یہاں تک کہ عمر احمد عثمانی نے اپنی "انا" کے دعوے میں اپنے والد بزرگوار جناب مولانا ظفر احمد عثمانی اور اپنے رشتہ کے جد امجد مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہما کی کوششوں کو بھی قدیم لوگوں کی باتیں اور غلط نقطہ نظر پر قائم رہنے والے لوگوں کا نمائندہ قرار دے کر ٹھکرایا ہے۔<sup>(۱)</sup>

اور پھر مزید لطیف یہ کہ اس کتاب کا انتساب بھی انہی حضرات سے کیا ہے۔

یہیں نقادانہ رہ از کجا است تا کجا

اگر عمر احمد عثمانی کی یہ تجزیاتی تحقیقات یسٹیں پر بس ہو جاتیں تو بہتر تھا لیکن انھوں

نے مرد و عورت میں برابری کا دعویٰ کر کے جو گل کھلائے ہیں اور اس کے لئے جو دلائل قائم کئے ہیں ان کے نتیجہ میں ایک نیا دین و جوہ میں آتا ہے۔

عمر احمد عثمانی "حقوق نسواں" کو یورپ کی عینک سے دیکھتے ہیں انہوں نے مسلمان خواتین پر ذمہ داریوں کا دوہرا بوجھ ڈالنے کی کوشش کی ہے اور وہ فرائض و واجبات جو اسلام نے مسلمان خواتین پر لاگو نہیں کئے ہیں وہ بھی ان پر فرض قرار دے دیئے ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

جب یہ صلاحیتیں دونوں صنفوں میں موجود ہیں اور یہ تمام صلاحیتیں ان کے ذمہ وارد ہونے کا ثبوت ہیں تو دونوں کی ذمہ داریاں بھی مساوی ہیں، یہی وجہ ہے کہ تمام قوانین الہیہ کا نفاذ جیسے مردوں پر ہوتا ہے، عورتوں پر بھی ہوتا ہے۔ جو فرائض و واجبات حق تعالیٰ نے مردوں پر فرض کئے ہیں ہمیں وہی فرائض و واجبات عورتوں کے لئے بھی مقرر ہیں۔<sup>(۱)</sup>

اپنے اس قانون کلی کے پیش نظر مرد و زن کے فرائض و واجبات میں مکمل ہم آہنگی، اشتراک اور عینیت کو ثابت کرنے کے لئے عمر احمد صاحب مسلمان خواتین پر مندرجہ ذیل حقوق و فرائض مقرر کرتے ہیں:

۱۔ عورتوں پر جمعہ کی نماز فرض ہے:

سورة الجمعة کی آیت بایہذا الذین امنوا اذا لودى للصلاة من يوم الجمعة کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں تمام مومنین کو خطاب ہے، جس کے مرد بھی مخاطب ہیں اور

عورتیں بھی۔ لہذا قرآن کریم کی اس آیت سے واضح طور پر عورتوں پر بھی جمعہ کی فرضیت ثابت ہو رہی ہے۔ لہذا عورتوں پر صلوٰۃ الجمعہ فرض ہے اور انھیں جمعہ پڑھنا چاہیے خواہ مردوں کے ساتھ ان کی جامع مسجدوں میں یا اپنی جدا گانہ قائم کردہ مسجدوں میں کسی عورت کی امامت میں۔<sup>(۱)</sup>

۲۔ عورتوں پر عیدین کی نماز فرض ہے:

نماز جمعہ کے ذیل ہی میں تحریر کرتے ہیں:

”عیدین کی صلوٰۃ کے متعلق بھی یہی صورت حال ہے۔“<sup>(۲)</sup>

یعنی جمعہ کی طرح عیدین کی نماز بھی فرض ہے اور اس کی ادائیگی بھی جمعہ کی طرح ہوگی۔

”یک نہ شد و شد“ اب تک تو صرف جمعہ کی نماز کا مسئلہ تھا لیکن عمر احمد عثمانی کے مسلک میں نہ صرف جمعہ بلکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نمازیں بھی عورتوں پر فرض ہیں اور اس طرح فرض ہیں کہ وہ نماز جمعہ اور عیدین ادا کرنے کے لئے مردوں کی مسجدوں میں جائیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اپنی زنانہ مسجدیں قائم کریں اور ان میں جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کریں۔

یہ عمر احمد عثمانی کے اس ”خود ساختہ“ اور ”دم بریدہ“ اصول کا کرشمہ ہے کہ چودہ سو سال سے امت مسلمہ کے کسی بھی فرد نے چاہے وہ صحابہ ہو یا صحابیہ تابعین ہوں یا تبع تابعین یا ان کے بعد کے علماء مجتہدین اور فقہاء کرام کسی نے بھی عورتوں پر جمعہ

(۱) لفظ القرآن جلد سوم صفحہ ۲۰۲-۲۰۵

(۲) لفظ القرآن جلد سوم صفحہ ۲۰۵

وعیدین کی نمازیں فرض قرار نہیں دیں حالانکہ وہ سب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے، اس کو سمجھتے تھے انھوں نے اپنی پوری پوری زندگیوں قرآن وحدیث کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھیں۔ عمر احمد عثمانی کے علم اور ان کے صحابہ، تابعین اور علماء مجتہدین کے علم کی نسبت تو قطرہ اور سمندر کی بھی نہیں۔ عمر احمد عثمانی تو ان حضرات کے خلف اور علم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ لیکن پندرہویں صدی کے اس نام نہاد مجتہد، منکر حدیث اور منکر قرآن کے نزدیک عورتوں پر جمعہ وعیدین کی نمازیں فرض ہیں۔

یہ عمر احمد عثمانی کے جدید طرز کے انکار حدیث کی ایک جھلک تھی ورنہ ان کی کتاب ”فتاویٰ القرآن“ تو پوری کی پوری اسی قسم کی چیزوں سے بھری پڑی ہے۔

عمر احمد عثمانی غلام احمد پرویز اور ان کے قسمن کو قرآن کریم میں معنوی تحریفات کرنے میں یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ یہ مسلمانوں کی آستینوں کے سانپ ہیں ان کے جیسے فتنہ پرور لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ اس قسم کے نظریات مسلمانوں میں قصبہ اُپھیلا رہے ہیں تو وہ یقیناً دشمنان اسلام کی صف میں شامل ہیں اور اگر وہ قصداً نہیں بلکہ دین کی خدمت کے طور پر یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں تو یہ مسلمانوں کے ایسے ”نادان دوست“ ہیں کہ جس میں دوستی کا عنصر صرف ۱۰ فیصد ہے جب کہ ۹۰ فیصد عنصر نادانی کا ہے اور اس کا نتیجہ نہایت بھیاںک، ہلاکت خیز اور عبرت انگیز ہے۔ مسلمانوں کو اس قسم کے آستینوں کے سانپوں سے بچنا چاہیے!

دوستوں سے ملو محفلوں میں مگر آستینوں کا بھی جائزہ چاہیے

## منکرین حدیث کی مخالفت انگیزی:

منکرین حدیث جیت حدیث کو مشکوک بنانے اور اپنا افسوسیدہ کارنامہ کرنے کے لئے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہوئے یہ نعرے لگاتے ہیں کہ ہم قرآن پر عمل کرتے ہیں، اور قرآن ہمارے لئے کافی و کافی ہے اس کے بعد ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں کیونکہ قرآن کریم ایک مفصل کتاب ہے جس میں ہر چیز بیان کر دی گئی ہے۔ خود قرآن کریم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

وَنُزِّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بَيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ۔

تو جب قرآن کریم اپنے بارے میں یہ کہتا ہے کہ وہ ہر چیز کا بیان ہے تو اب کوئی وجہ نہیں کہ قرآن کو کافی نہ سمجھا جائے اور حدیث کی ضرورت بھی محسوس کی جائے۔

غرضیکہ اس طرح یہ حضرات رجوع الی القرآن، عمل بالقرآن، فہم قرآن اور حسنا کتاب اللہ کے دلفریب نعروں سے عوام کو گمراہ کرنے اور سادہ لوح مسلمانوں کو مخالفت میں ڈالنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں۔

## قرآن کی جامعیت:

حالانکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن ایک جامع کتاب ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں تمام اصولوں کو بیان کر دیا گیا ہے اور عقائد و عبادات، معاملات اور اخلاق سے متعلق تمام کلیات کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ اور قرآن کے جامع ہونے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم میں تمام جزئیات اور تمام حوادث و واقعات سے متعلق احکام اور ان کی تفصیلات کا احاطہ کر لیا گیا ہے اور قرآن

کی ہر آیت مفسر و واضح نہیں بلکہ اس کی بہت سی آیات مجمل ہیں جو تفسیر کی خواہاں ہیں، بہت سی آیات مبہم ہیں جو وضاحت طلب ہیں، بہت سی آیات میں صرف اشارات ہیں جن کی تفصیل کی ضرورت ہے اور یہ سب احادیث شریف سے معلوم ہوتی ہیں۔  
قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں:

اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ قرآن صرف الفاظ کا نام نہیں بلکہ قرآن الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو "ذکر" کہا ہے جس کا معنی نصیحت ہے اور ظاہر ہے کہ صرف الفاظ سے کوئی نصیحت حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ وہ الفاظ جو معنی کے بغیر ہوں مہمل کہلاتے ہیں جن کی کوئی وقعت ہی نہیں تو قرآن کریم بھی عظیم کتاب صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں ہو سکتی بلکہ الفاظ اور معنی دونوں کا نام قرآن ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام جب بھی اصول فقہ میں مسائل کے استنباط کے لئے قرآن کو ماخذ قرار دیتے ہیں تو وہاں قرآن کریم کو لفظ و معنی دونوں سے تعبیر کرتے ہیں۔  
بیان قرآن بھی منزل من اللہ ہے:

ہر صاحب کلام اپنے کلام کی تعبیر سب سے احسن طریقہ سے کر سکتا ہے اور پھر قرآن کریم تو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے جس کی ایک ایک بات میں حقائق و معارف کے دریائے شیدہ ہیں تو اس کی تعبیر ہر شخص نہیں کر سکتا بلکہ اسے مطالب و معانی تو وہی ذات بیان کر سکتی ہے جس نے یہ کتاب نازل کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف الفاظ ہی نازل نہیں کئے بلکہ الفاظ کی طرح اس کے معانی بھی نازل کئے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان علینا جمعه و قرآنہ فاذا قرآنہ فاتبع قرآنہ۔ ثم ان علینا بیانہ۔<sup>(۱)</sup>  
 بے شک ہمارے ذمے ہے اس کا (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور پڑھنا پس  
 جب ہم اس قرآن کو پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کریں۔ پھر ہمارے ذمہ  
 ہے اس کا بیان کرنا۔

تو جس طرح قرآن کریم کو نازل کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک  
 میں جمع کرنا اور زبان سے پڑھنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اسی طرح قرآن کریم کا بیان اور  
 اس کے معانی و مطالب کی وضاحت کرنا بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔  
 یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کرنے کا بیان فرماتے ہوئے  
 ارشاد فرمایا:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَـلْحَافِظُونَ۔<sup>(۲)</sup>

بلاشبہ ہم نے ذکر (قرآن) کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔  
 یہاں پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو ”الذکر“ فرمایا لفظ قرآن نہیں ذکر کیا تاکہ کسی  
 کو یہ شبہ نہ ہو کہ قرآن صرف الفاظ کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ نے صرف الفاظ کی حفاظت  
 کا ذمہ لیا ہے بلکہ قرآن الفاظ اور معنی دونوں کا نام ہے اور دونوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ  
 کے ذمہ ہے کیونکہ فصحت الفاظ اور معانی دونوں سے حاصل کی جاتی ہے۔

بیان قرآن اور رسول کی ذمہ داری:

یہ بات بھی واضح ہے کہ براہ راست تو اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن کے معنی نہیں بتائیں

(۱) سورہ القیامہ کو پ ۲۹

(۲) سورہ الحجر پ ۱۳ آیت ۹



گئے بلکہ جس طرح الفاظ قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں اسی طرح معافی بھی آپ نے ہمیں بتائے ہیں چنانچہ آپ کے مقاصد بعثت کو قرآن کریم میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہ رب العزت میں بدست دعا ہیں۔

وَبَنَّا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ<sup>(۱)</sup>

اے ہمارے پروردگار اور ان لوگوں میں خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بیشک توی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

تحویل قبلہ کے سلسلہ میں حق تعالیٰ اپنے نعمت کی تکمیل کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ<sup>(۲)</sup>

جس طرح ہم نے تم میں ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

سورہ آل عمران میں مسلمانوں پر احسان خداوندی کا اظہار ان لفظوں میں کیا

(۱) البقرہ پ ۱۵ آیت نمبر ۱۲۹

(۲) البقرہ پ ۱۸۷ آیت ۱۵۱

چار ہے،

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من الفسهم يتلوا عليهم  
اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة و ان كانوا من قبل لفي  
ضلال مبين. <sup>(۱)</sup>

اور سورہ جمعہ میں ارشاد ہوتا ہے:

هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم اياته ويزكيهم و  
يعلمهم الكتاب والحكمة و ان كانوا من قبل لفي ضلال مبين. <sup>(۲)</sup>

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا کہ وہ  
ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سنا تا ہے اور ان کو سنو ارتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا  
ہے اور اس سے پہلے وہ مرتع گمراہی میں مبتلا تھے۔

ان آیات جلیلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصد بعثت کو متعین کیا گیا ہے  
جو حسب ذیل امور پر مشتمل ہے۔

۱۔ تلاوت آیات۔

۲۔ کتاب و حکمت کی تعلیم

۳۔ تزکیہ و تطہیر نفوس

اب ظاہر ہے کہ کتاب و حکمت کی تعلیم تلاوت آیات کے علاوہ کوئی اور ہی چیز  
ہو سکتی ہے ورنہ اس کا ملحدہ ذکر بے معنی تھا اسی طرح ”تزکیہ“ بھی آپ کا ایسا خصوصی  
وصف ہے جو یقیناً قرآن کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے زائد ہے ورنہ تزکیہ کو ایک

(۱) آل عمران پ ۴ رکوع ۷ آیت ۱۶۴

(۲) البقرہ پ ۲۸ رکوع ۷ آیت ۱۲۹

علیحدہ مقصد کے طور پر بیان کرنے سے کیا فائدہ بس یہی دونوں چیزیں یعنی حکمت و تزکیہ کی علمی و عملی تفصیل "حدیث و سنت" کہلاتی ہے۔ صحابہؓ و تابعینؓ جن کی بصیرت قرآنی ہر زمانہ میں سند و حجت رہی۔ ان سب کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد "سنت رسول اللہ" ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حسن بصریؒ، قتادہ اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد سنت ہی ہے۔

امام محمد بن ادریس الشافعی نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں اطاعت رسول اور سنت کی حیثیت پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ "الکتاب" کا ذکر کیا جس سے مراد قرآن کریم ہے اور "الحکمة" کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں میں نے قرآن کے ان علماء سے جو میرے نزدیک پسندیدہ ہیں یہ کہتے سنا کہ اس سے مراد سنت رسول اللہ ہے اور یہ اس لئے کہ وہ کتاب اللہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت فرض کی ہے اور اتباع رسول کو لوگوں پر حتمی قرار دیا لہذا کسی امر کو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے بغیر فرض نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اپنے رسول پر بھی ایمان لانے کا ذکر کیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

ایک جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وما نزلنا علیک الکتاب الا لتبین لہم الذی احتلکوا فیہ۔<sup>(۲)</sup>

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی کہ جن میں یہ اختلاف کر

(۱) الرسالۃ ص ۸۷

(۲) سورہ النحل رکوع ۳۔ پ ۱۳ آیت ۴۴

رہے ہیں آپ ان پر اس کو ظاہر فرما دیں۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم<sup>(۱)</sup>

”اے نبی یہ ذکر (قرآن) ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ واضح کر دیں لوگوں کے لئے اس کو جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔“

اس آیت سے بوضاحت معلوم ہو رہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی گئی تھی کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جو احکام اور ہدایتیں دی ہیں آپ ان کی تفسیر فرمائیں۔ تفسیر کے معنی ہیں کسی چیز کو کھول کر بیان کرنا جس کے لئے ہم اپنی زبان میں تشریح کا لفظ استعمال کیا کرتے ہیں۔ اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ تشریح اور وضاحت اصل عبارت سے الگ ہوا کرتی ہے قرآن کریم کی اس تفسیر و تشریح کا نام حدیث ہے۔ قرآن کریم کے جو معانی و مطالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرماتے ہیں وہ ”احادیث قولیہ“ ہیں اور وہ جن کی تشریح آپ نے اپنے عمل سے فرمائی ہے وہ ”احادیث فعلیہ“ یا تقریریہ“ کہلاتی ہے۔ حدیث بھی وحی ہے:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ اقوال و افعال جو کہ قرآن کریم کا بیان اور ان کی تشریح ہیں یہ بھی آپ نے اپنی طرف سے نہیں فرمائے بلکہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے النعام ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

وما ینتطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی<sup>(۲)</sup>

(۱) سورۃ النحل پ ۱۳ رکوع ۶ آیت ۴۳

(۲) سورۃ النجم پ ۲ رکوع ۱

”وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے وہ تو وحی ہوتی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔“

اسی بناء پر علماء امت اور فقہاء ملت نے وحی کی دو قسمیں کی ہیں ایک وحی مملوہ جو کہ قرآن کریم ہے اور دوسری وحی غیر مملوہ جو کہ حدیث شریف ہے اور جیسا کہ ہم شروع میں ذکر کر چکے ہیں کہ شریعت کے احکام صرف قرآن سے ہی ثابت نہیں بلکہ بہت سے احکام حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم سے ثابت ہیں اور جس طرح قرآن کریم شریعت کا ایک ماخذ ہے اسی طرح حدیث بھی شریعت کا ماخذ ہے۔ اسی طرح حدیث بھی شریعت کا ماخذ ہے۔

حدیث کے وحی ہونے پر قرآنی شہادتیں:

قرآن کریم کی بہت سی آیات سے ثابت ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی اور وہ وحی بھی حجت شریعہ ہوتی تھی چنانچہ چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ وما جعلنا القبلۃ النبی کنت علیہا الا لنعلم من ینبع الرسول ممن ینقلب علی عقبہ۔<sup>(۱)</sup>

”اور ہم نے مقرر نہیں کیا وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اسی لئے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا اگلے پاؤں۔“

مسلمان جب مدینہ ہجرت کر گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان بیت المقدس کی طرف رخ کر کے سولہ یا سترہ مہینے نماز پڑھتے رہے اس کے بعد بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوا اس پر کچھ لوگوں نے خصوصاً

یہودیوں نے اعتراضات کئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وہ پہلا قبلہ جس کی طرف رخ کیا جاتا تھا وہ ہمارا ہی مقرر کیا ہوا تھا اور ایک خاص مصلحت اور فائدہ کے پیش نظر ہم نے وہ قبلہ مقرر کیا تھا ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں وہ آیت کہیں نہیں ملتی جس میں اس قبلہ کی طرف رخ کرنے کا ابتدائی حکم ارشاد فرمایا گیا ہو لہذا ظاہر ہے کہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کا ماننا بھی اسی طرح ضروری تھا جس طرح کہ وحی متلو کا۔

۳۔ عاقطعتم من لبنۃ او ترکتموها قائمۃ علی اصولہا فباذن اللہ. (۱)

”تم نے مجبوراً جو درخت کاٹ ڈالا یا اپنی جڑ پر کھڑا رہنے دیا (یہ) اللہ کے حکم سے (کیا)۔“

غزوہ بنو نضیر میں جب یہود قلعہ بند ہو گئے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے درخت کاٹ ڈالے جائیں اور باغ اجاڑ دیئے جائیں تاکہ وہ لوگ باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہو جائیں نیز یہ کہ کھلی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ باقی چھوڑ دیئے گئے تاکہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئیں۔ اس فعل پر کافروں نے طعن کرنا شروع کر دیا کہ مسلمان دوسروں کو فساد سے روکتے ہیں مگر خود ہی فساد کرتے ہیں۔ اس آیت میں اس طعن کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ جو کچھ کیا گیا ہے وہ سب اللہ کے حکم اور اس کے اذن سے کیا گیا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ دیا گیا تھا جس کی تعمیل آپ نے کی کیونکہ قرآن

کریم میں اس اذن اور حکم کا کوئی ذکر نہیں اور پھر وہ حکم جو وحی متلو کے ذریعہ آپ کو دیا گیا تھا اور جس کی تعمیل آپ کی تھی اس کی تصدیق و تائید وحی متلو کے ذریعہ کی گئی۔

۳۔ لقد صدق الله رسوله الرويا بالحق لئلا تخذلوا المسجد الحرام ان شاء الله امنين محلفين رؤوسكم و مقصرين لا تخذلون. <sup>(۱)</sup>

اور اللہ نے کج کر دکھایا اپنے رسول کا خواب تحقیقی طور پر کہ تم داخل ہو کر رہو گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا آرام سے۔ بال مؤثر تے ہوئے اپنے سروں کے اور کتر تے ہوئے بے پیکھے۔

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ ہمارا داخلہ مکہ میں ہو چکا ہے اور سرمنڈوا کر یا بال کتر واکر حلال ہو رہے ہیں پھر اتفاق سے اسی سال آپ کا قصد عمرہ کا ہو گیا۔ صحابہ کو خیال ہوا کہ اس سال ہم مکہ میں پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے مگر خلاف توقع ایسا نہ ہو سکا جس وقت صلح مکمل ہو کر حدیبیہ سے واپسی ہونے لگی تو بعض صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن و امان سے مکہ میں داخل ہونگے اور عمرہ ادا کریں گے۔ آپ نے جواب دیا کہ کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اس سال ایسا ہوگا؟ عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا بیشک یوں ہی ہو کر رہے گا تم امن و امان سے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی اسی طرح تصدیق کی جا رہی ہے جس طرح قربانی کے سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کی قرآن نے تصدیق کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کا خواب بھی وحی میں داخل ہے۔

۴:- واذا سر النسبی الی بعض ازواجه حدیثا فلما لبثت به واطهره الله  
 علیه عرف بعضه واعرض عن بعض فلما لبثاها به قالت من انباک هذا  
 قال لبائی العلیم الخبیر۔<sup>(۱)</sup>

اور جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات چپکے سے فرمائی  
 پھر جب اس بی بی نے وہ بات (دوسری بی بی کو) بتلا دی اور پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے اس  
 کی خبر کر دی تو پیغمبر نے (اس ظاہر کر دینے والی بی بی سے) تھوڑی بات تو جھگڑا دی اور  
 تھوڑی سی بات کو ٹال گئے پھر پیغمبر نے اس بی بی کو جب وہ بات بتلائی تو وہ کہنے لگی  
 آپ کو اس کی کس نے خبر دے دی آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بڑے جاننے والے خبر  
 رکھنے والے (یعنی اللہ تعالیٰ) نے خبر کر دی۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 یہ خبر دے دی گئی تھی کہ آپ کی بیوی نے آپ کی راز کی بات دوسری بیوی سے کہہ دی۔  
 ظاہر ہے کہ یہ بات آپ کو وحی غیر مقلو (حدیث) کے ذریعہ ہی بتائی گئی تھی۔ کیونکہ وحی  
 مقلو (قرآن) میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔

حدیث کی حجیت:

الغرض حدیث کا حجت ہونا اور وحی کی دو قسمیں مقلو اور غیر مقلو ہونا قرآن کی مندرجہ  
 بالا آیات سے ثابت ہے اور احادیث تو اس بات میں تو اتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں  
 اسی لئے امت نے ہمیشہ سنت کو اسلامی احکام کا ماخذ مانا ہے اس کے حجت شرعی ہونے  
 پر تمام امت کا اتفاق و اجماع ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(۱) الترمذی، ۲۸۸، کنز، ۱، آیت ۳



”اگر سنت نہ ہوتی ہم سے کوئی شخص قرآن نہیں سمجھ سکتا تھا۔“ (۱)

امام شافعی ”الرسالہ“ میں فرماتے ہیں:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مراد کو بیان کرنے والی ہے اور قرآن کے الفاظ کے عموم و خصوص پر دلالت کرنے والی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکمت کو قرآن کے پہلو بہ پہلو کر کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مخلوق میں سے کسی اور شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا نہیں فرمایا۔“ (۲)

امام غزالی رقمطراز ہیں:

”اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات حجت ہیں کیونکہ معجزات آپ کی صداقت پر دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی تابعداری کا حکم دیا ہے نیز یہ کہ آپ ہی کے حق میں وارد ہے وما یسطق عن الہوی۔ الایہ آپ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے جو کچھ فرماتے ہیں وہی کے ماتحت فرماتے ہیں (لیکن وحی کی ایک قسم وہ ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے یہ ”کتاب اللہ“ کے نام سے موسوم ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی یہ ”سنت“ ہے۔“ (۳)

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:

”جاننا چاہئے کہ تمام معتبر علماء اس امر پر متفق ہیں کہ سنت مطہرہ کی تشریح احکام کا مستقل ماخذ ہے اور سنت کسی چیز کے حلال اور حرام کرنے میں قرآن کے مثل ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”مجھے

(۱) میزان شعرانی صفحہ ۲۵

(۲) الرسالہ صفحہ ۷۹

(۳) المصنوع صفحہ ۸۳

قرآن دیا گیا اور اسکے ساتھ اس کا مثل ”الغرض سنت کا حجت ہونا اور احکام اسلامی کا ماخذ ہونا ضروریات دین میں سے ہے اس کی مخالفت صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دین اسلام سے کوئی واسطہ نہ ہو۔“ (۱)

علامہ محقق ابن الہمام تحریر فرماتے ہیں:

”سنت کا حجت ہونا ضروریات دین میں داخل ہے۔“ (۲)

اطاعتِ رسول:

ای بناء پر اطاعت رسول دین کے مسلمات میں سے ہے اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم نے اطاعت رسول کو ہمیشہ جزا یتک سبھا ہے، رسول پر ایمان لانے کا مطلب ہی اس کی اطاعت و فرماں برداری ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے چاہا اطاعت رسول کا حکم دیا ہے۔ چند آیات جن میں اطاعت کا حکم دیا گیا ہے پیش کی جاتی ہیں:

۱. قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفورین۔ (۳)

”آپ فرما دیجئے اطاعت کرو اللہ اور رسول کی پھر اگر اعراض کریں تو (سنا دیجئے) اللہ تعالیٰ کو کافروں سے محبت نہیں۔“

۲. واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون۔

”اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی تاکہ تم پر رحم ہو۔“

۳. یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ ورسولہ ولا تولوا عنہ وانتم

(۱) ارشاد اجماعی صفحہ ۲۹

(۲) التحریر ص ۲۲۵ ج ۲

(۳) آل عمران پ ۳، رکوع ۳ آیت ۳۲

تسمعون۔<sup>(۱)</sup>

”اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اس سے روگردانی مت کرو حالانکہ تم شمن رہے ہو۔“

۳. واطيعوا الله ورسوله ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم۔<sup>(۲)</sup>  
 ”اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور آپس میں نہ جھگڑو پس نامرد ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔“

۵. ومن يطع الله ورسوله ويخش الله ويتقه فالولئك هم الفائزون۔<sup>(۳)</sup>  
 ”اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ اور اس کے رسول کی اور ڈرتا رہے اللہ سے اور تقویٰ اختیار کرے سو وہی لوگ ہیں کامیاب ہونے والے۔“

۶. قل اطيعوا الله واطيعوا الرسول فأن تولوا فالما عليه ما حمل وعليكم ما حملتم وإن تطيعوه تهتدوا وما على الرسول إلا البلاغ المبين۔<sup>(۴)</sup>

”آپ کہہ دیجئے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی پھر اگر تم اعراض کرو گے تو اس کے ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارے ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اگر اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول کے ذمہ نہیں ہے مگر پہنچانا دینا کھول کر۔“

(۱) الانفال رکوع ۳ آیت ۲۰ پ ۹

(۲) الانفال رکوع ۶ آیت ۳۶ پ ۱۰

(۳) النور رکوع ۷ آیت ۵۲ پ ۱۸

(۴) النور رکوع ۷ آیت ۵۳ پ ۱۸

۷۔ اقيموا الصلوة واتوا الزکوة واطيعوا الرسول لعلکم ترحمون۔<sup>(۱)</sup>

”قام کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور اطاعت کرو رسول کی تاکہ تم پر رحم ہو۔“

۸۔ يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم۔<sup>(۲)</sup>

”اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔“

۹۔ ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا۔<sup>(۳)</sup>

”جو کچھ رسول تمہیں دیں تو اسے لے لو اور جس سے تم کو روکیں اس سے رک جاؤ۔“

(۱۰) محبت الہی کے دعویداروں سے صاف کہہ دیا کہ تمہارے دھوسے کی سچائی اسی وقت عیاں ہوگی جب کہ تم اتباع و اطاعت میں سرگرم ہو اتباع رسول کے بغیر محبت الہی اور اتباع قرآن کا دعویٰ باطل ہے ارشاد ہے:

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفر لكم ذلوبيكم والله غفور رحيم۔<sup>(۴)</sup>

”آپ فرمادیں اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری راہ پر چلو تاکہ تم سے اللہ

محبت کرے اور تمہارے گناہ بخشے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

(۱) سورہ زکوة آیت ۵۶ پ

(۲) سورہ محمد رکوع ۴ آیت ۲۳ پ ۳۶

(۳) سورہ الحشر رکوع ۱ آیت ۷ پ ۳۸

(۴) سورہ آل عمران رکوع ۴ آیت ۳۱ پ ۳

اور اطاعت رسول کا بار بار تاکید و حکم دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا کہ جب تک لوگ اپنے تمام جھگڑوں اور زندگی کے تمام فیصلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم نہ بنائیں گے ان کا ایمان کا اعدام ہے اور یہ بھی صاف کہہ دیا گیا کہ رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو دل کی کشادگی اور زبان و قلب کی ہم آہنگی کے ساتھ قبول کرنا ضروری ہے۔ ارشاد ہے:

لَا وَرَبَّكَ لَا يُمْنُونَ حَتَّى يَحْكُمُوا لِيَ مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيهِ الْفَسْهَمَ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيَسْلُمُوا تَسْلِيمًا<sup>(۱)</sup>

”سو قسم ہے آپ کے رب کی وہ مؤمن نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ آپ کو ہی منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں کسی قسم کی جھگی آپ کے فیصلے سے اور قبول کر لیں خوشی سے۔“

یہ آیت کریمہ جس حقیقت کبریٰ کو بیان کر رہی ہے اس پر غور کرنے کے بعد کسی مومن کو اطاعت رسول کے بارے میں شک و شبہ نہیں رہ سکتا۔

غرض اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد کسی مومن کو اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اس سے انحراف کر سکے۔ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا<sup>(۲)</sup>

(۱) سورۃ النساء کو ع ۶۵ آیت ۵

(۲) سورۃ الاحزاب کو ع ۵ پ ۲۳

آیات بالا واضح طور پر بتا رہی ہے کہ رسول کے فیصلے کے مقابلے میں کسی مومن کو فیصلہ کرنے کا حق نہیں بلکہ اس کے لئے سعادت و سلامتی کی راہ یہی ہے کہ وہ رسول کے فیصلوں کے سامنے سر جھکا دے ورنہ بصورت دیگر اس کے حصہ میں ضلال و گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

اور امام احمد بن حنبل شیبانی کا قول پڑھئے فرماتے ہیں:

”میں نے قرآن پاک میں غور کیا تو تینتیس ۳۳ مقامات پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم موجود پایا پھر آپ اس آیت کی تلاوت فرمانے لگے فلیحذر الذین الخ (چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اس بات سے کہ ان کو کوئی فتنہ نہ پہنچ جائے) امام ممدوح اس آیت کو بار بار پڑھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ فتنہ کیا ہے؟ شرک ہے! ہوگا یہ کہ جب کوئی شخص آپ کے کسی قول کو رد کرے گا تو اس کے دل میں کبھی سی پیدا ہوگی اور پھر جب اس کا دل کبھی میں جھٹلا ہو جائے گا تو اس کو ہلاک کر دے گا۔“ (۱)

اور صرف یہی نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے بلکہ ہر رسول مطاع ہوتا تھا اور امت پر اپنے رسول کی اطاعت لازم تھی قرآن کریم بیان کرتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ.

”ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن اور حکم سے۔“

اس آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں علامہ شہاب خفاجی لکھتے ہیں:

”یعنی جن لوگوں کی طرف نبی کو بھیجا گیا ہے وہ اس کی اطاعت کریں اور اس کے فیصلوں پر رضامندی کا اظہار کریں لہذا جو شخص اس کے فیصلے پر راضی نہیں وہ اس کی رسالت سے بھی راضی نہیں وہ اپنے فرض کا تارک اور کافر ہے۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا گویا اللہ تعالیٰ نے اس امر کو بطور دلیل بیان فرمایا ہے کہ جو شخص رسول کے فیصلوں سے رضامند نہ ہو اگرچہ وہ اسلام کا اظہار کرے کافر ہے۔“ (۱)

قرآن فہمی کے لئے حدیث کی حاجت:

خلاصہ کلام یہ کہ وہ حضرات جو عمل بالفقرآن اور حسبنا کتاب اللہ کے نعرے لگاتے ہیں وہ خود سوچیں اور غور کریں کہ مندرجہ بالا دلائل سے قرآن کریم ہی یہ بتاتا ہے کہ حدیث حجت ہے اور شریعت کا ایک ماخذ ہے اور قرآن فہمی کے لئے حدیث کی ضرورت ہے اور حدیث کو چھوڑ کر قرآن پر عمل ممکن ہی نہیں۔

اور خود عقل سلیم بھی یہی فیصلہ کرتی ہے کہ قرآن سمجھنے اور اس کی مراد متعین کرنے کے لئے ہم نبی کے واسطے کے محتاج ہیں خود سوچئے اگر نبی کی ذات درمیان میں واسطہ نہ بنے تو کس کے بس کی بات ہے کہ وہ ان حقائق و معارف پر مطلع ہو سکے جو قرآن کے جامع ہونے کے وجہ سے ایک ایک لفظ میں پوشیدہ ہیں، نبوت کی راہنمائی کے بغیر ان اشارات کو کون سمجھ سکتا ہے جو قرآن نے اپنی جامعیت کی بناء پر اپنے وجود میں سموئے ہوئے ہیں۔ اشارات ربانی کی اصل مراد کو صرف رب آشنائی پاسکتا ہے

قرآن جو اپنے جامع ہونے کی بناء پر انجازی فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے، جس کے کلمات کی ایک ایک تہ میں صد ہا علوم لپٹے ہوئے ہیں، اس کے دقائق و حقائق پر اطلاع پانے کے لئے ایک ایسے واسطے کا ہونا ضروری ہے جو ایک لحاظ سے ذات حق سے قریب تر ہو اور ایک لحاظ سے بندوں میں شامل ہو وہ لامحدود ذات و صفات کی حامل ہستی سے صادر ہونے والے کلام کے علوم و معارف پر بلا واسطہ خود اسی ہستی سے اطلاع پائے اور پھر اسی کی راہنمائی میں عامہ غلاق کو ان پر مطلع کرے۔ اس کلام میں کوئی خفا ہو تو وہ اس کا اظہار کرے کوئی اجمال ہو تو اس کی تفصیل کر دے کوئی ابہام ہو تو اس کو کھول دے غرضیکہ قرآن کی جامعیت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تمام اصولی و کلی تعبیرات کی اصل مرادات متعین کر دے۔

### حرف آخر:

منکرین حدیث کے انکار حدیث کی وجہ کوئی علمی مخالفت نہیں کہ اس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور یہ امید رکھی جائے کہ اس مخالفت کے دور ہونے کے بعد ان کو شرح صدر ہو جائے گا اور وہ انکار حدیث سے باز آ جائیں گے اگر یہ بات ہوتی تو اب تک علماء حق ان کے شرح صدر کے لئے کافی سامان مہیا کر چکے ہیں اس کی روشنی میں انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جانا چاہیے تھا لیکن ابھی تک انکار حدیث کے موقف پر بدستور قائم رہنے اور اس کو حرز جان بنائے رہنے کی وجہ یہ ہے کہ انکار حدیث کے بغیر ان کی گامزدی نہیں چلتی۔ دراصل دین کی پابندی ان کے نفس کی برداشت سے باہر ہے اور احادیث نبویہ قدم قدم پر شہوات نفس میں مزاحم ہیں۔ احادیث کو ماننے ہیں تو ان



کی آزادی ماری جاتی ہے۔

نفس یورپ کی بے حیا تہذیب اور بے لگام تمدن پر فریفتہ ہے اور یہی فریفتگی ان کو انبیاء و مرسلین کی تہذیب و تمدن سے معطل اور بیزار کئے ہوئے ہے۔ اتنی اخلاقی جرأت نہیں کہ اسلام سے صاف برأت کا اعلان کر دیں اس لئے ان منکرین حدیث نے درمیان کی راہ نکالی کہ حدیث کا انکار کر دیا جو ان کی آزادی میں اصل سہ راہ تھی اور مسلمان کہلانے کے لئے قرآن کریم کا اقرار کر لیا کیونکہ قرآن کریم کی حیثیت ایک اصولی اور قانونی کتاب کی ہے وہ ایک دستور اساسی ہے جو زیادہ تر اصول و کلیات پر مشتمل ہے، جن میں ایجاز و اختصار کی بناء پر تاویل کی گنجائش ہے جبکہ احادیث نبوی ان اصول و کلیات کی شرح اور تفصیل ہیں ان میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب یہ بے چارے اپنی عیش پرستی کو باقی رکھنے کے لئے قرآن میں من مانی تاویل کرنے کے لئے حدیث کا انکار نہ کریں تو کیا کریں۔ ورنہ ان کی عیش پرستی اور من چاہی آزادی ختم ہوتی ہے۔

یہ بیان اس لئے کیا تا کہ قرآن پر عمل کے ان دعوے داروں کے لئے قرآن سے حدیث کی حجیت، حدیث کا مأخذ ہونا اور قرآن فہمی کے لئے حدیث کی ضرورت کو ثابت کر کے اتمام حجت کر دی جائے اور وہ سادہ لوح مسلمان جو ان کے دلفریب نعروں سے متاثر ہو جاتے ہیں ان کو ان منکرین حدیث کی فتنہ انگیزیاں معلوم ہو جائیں۔

وآخر و دعوانا ان الحمد لله رب العلمین۔

## سادتھ افریقہ میں حضرت مفتی صاحب کی ایک اہم تقریر

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله لحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور الفسا  
ومن سيئات اعمالنا. من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي  
له. ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان سيدنا  
ومولانا محمداً عبده ورسوله. ارسله الى كافة للناس بالحق بين يدي  
الساعة بشيراً ونذيراً، وداعياً الى الله باذنه وسراجاً منيراً. اعوذ بالله  
من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم. وما أمروا الا ليعبدوا  
الله مخلصين له الدين.

عزیز طلباء اور حضرات اساتذہ کرام۔ مجھ سے غلطی ہوئی پہلے اساتذہ کا نام نہ لے  
سکا ٹھیک ہے چلو غلطی ہوگئی اللہ معاف کرے۔ اس وقت میری خوش قسمتی ہے کہ آپ  
حضرات کے سامنے طلباء عزیز کے سامنے اساتذہ کرام کے سامنے کچھ الفاظ کچھ کلمات  
بولنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

یہ جو آیت میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ سورہ توبہ کی آیت ہے اور  
اس میں لوگوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ عبادت کریں اللہ رب العظیم کی اس  
آیت کے اندر ہے جو مخلص لہ الدین ہے نحو و صرف تو آپ پڑھ رہے ہیں نحو کے  
اعتبار سے یہ حال واقع ہو رہا ہے تو جو چیز نحو کے اعتبار سے حال واقع ہوتی ہے وہ فقہاء  
کرام کے اعتبار سے شرط ہوتی ہے تو گویا کہ عبادت کے لئے شرط ہے اخلاص۔ جب

تک کہ انخاص نہ ہوگا اس وقت تک عبادت قبول نہیں ہوگی تو گویا یہ عبادتوں کے لئے شرط ہے اسی لئے ہمارے ہاں فقہاء نے تفصیلات لکھی ہیں کہ نماز کے لئے نیت شرط ہے اور نیت کے شرط کے لئے انہوں نے لکھا ہے کہ اصل میں ایک عادت ہوتی ہے اور ایک عبادت ہوتی ہے کم از کم نیت اس بات کی ہو کہ میں عادتاً نہیں کر رہا بلکہ عبادتاً کر رہا ہوں۔ ایسی نماز، روزہ، زکوٰۃ سب میں نیت کی ضرورت ہے اب یہ اور بات ہے کہ بعض کے اندر نیت کے بارے میں تو شیع ہے اور بعض میں یہ ہے کہ آدمی نیت شروع سے کرے جیسے صوم کہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ نیت روزے میں شروع میں کرے اور بعض علماء کے نزدیک یہ ہے کہ وہں بجے تک یعنی نہار شرعی تک نیت کر سکتا ہے۔

گویا کہ یہاں بتایا گیا کہ جب تک کہ نیت نہیں ہوگی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی نہ روزہ نہ نماز لیکن امام غزالی رحمہ اللہ نے بڑی عجیب بات کہی انہوں نے کہا کہ اصل میں نیت کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نماز کی ابتداء میں نیت کر لے جیسا کہ کرتے ہیں عام طور سے یہ تو مسئلہ بھی آپ جانتے ہوں گے کہ نماز کی نیت کے لئے زبان سے بولنا نہیں ہے ویسے ہی دل سے نیت کر لے بعض لوگ ہوتے ہیں کہ جو زبان سے نیت کرتے ہیں اور اس کو لازمی سمجھتے ہیں اور اس پر بعض لوگ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ صاحب لازم ہے زبان سے نیت کرنا حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے بھی لکھ دیا ہے مکتوبات میں لیکن ہدایہ کی بات بالکل نہیں سمجھتے کہ ہم جو نیت کرتے ہیں زبان سے وہ استحضار نیت کے لئے ہوتی ہے تاکہ استحضار ہو جائے اس لئے کہ لوگ اس وقت دنیا میں کشمکش میں مبتلا ہیں۔ عجیب عجیب باتیں ہیں انسان کا ذہن ہر وقت کام کرتا رہتا ہے اس لئے اگر کوئی نماز کے لئے استحضار نیت کے لئے زبان سے بھی کہوے تو حرج نہیں

ہدایہ نے بھی اسے مستحب کہا ہے۔ تو ایک نیت تو یہ ہے کہ آدمی شروع میں نیت کرے۔  
نماز میں دل نہ لگنے کا علاج:

امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا لیکن ایک نیت یہ ہے کہ نماز کے اندر ہر رکن میں نیت کرے اور واقعی اگر کوئی آدمی نماز کے ہر رکن میں نیت کر لے بعض لوگوں کو شکایت ہوتی ہے کہ ہمیں دوسو سے پیدا ہوتے ہیں دل نہیں لگتا آدمی جب ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے کہ اسے پروردگار۔ تو اس نیت کیلئے یہ نہیں کہ زبان سے نیت کرے بلکہ دل میں نیت کر لے اور نیت تو فعل قلب ہے فعل لسان نہیں جب ہاتھ باندھے کھڑا ہو تو اس وقت کہے کہ اے اللہ میں تیرے لئے کھڑا ہوں ایک عاجز بندہ ہوں پھر اس کے بعد رکوع میں جائے تو کہے میں تیرے لئے جھک رہا ہوں میں ساری قوتیں میرا سارا ذہن میرے حواس تیرے لئے جھک رہے ہیں پھر جب سجدہ میں جانے سے پہلے قومہ کرے تو کہے پروردگار میں تیرے لئے کھڑا ہوں اور پھر اس کے بعد دعائیں آتی ہیں حدیثوں میں حمداً کثیراً طیباً مہرباناً فیہ۔ یہ پڑھ لے اگر پڑھنا چاہے۔ اگر نہ پڑھنا چاہے نہ پڑھے اس کے بعد جب سجدہ میں جائے تو سجدہ میں جانے کے بعد حدیث میں آتا ہے کہ سجدہ میں بندہ سب سے زیادہ اللہ سے اقرب ہوتا ہے اس لئے کہ بندہ کے جتنے قویٰ ہیں حواس ہیں وہ سب سجدہ میں ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد اس کو یہ بھی احساس ہوتا ہے کہ دیکھو میں مٹی کے اندر اپنا سر رکھ رہا ہوں میرے سارے حواس ساری توانائیاں اے میرے پروردگار تیرے لئے ہیں پھر جب اس نے سجدہ میں اپنا سر رکھ لیا تو اسے موت کا استحضار ہو جائے گا یہ موت کا استحضار انسان کے لئے عجیب کیسا ہے عجیب اثر ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے،

الناس نيام اذا عاتوا استطعوا۔ لوگ سب سو رہے ہیں جب مریں گے جب جاگیں گے۔ لہذا اگر نماز کے ہر رکن میں نیت کر لے تجھ یہ نیت کر لے تو یہ بڑی عجیب بات ہے اس کے بعد پہلی بات یہ ہوگی کہ ہمارے دوست و احباب جو یہ شکایت کرتے ہیں نماز میں دل نہیں لگتا سو سے آتے ہیں یہ ساری چیزیں ختم ہو جائیں گی اور نماز میں دل لگے گا اور اس پر کیفیت طاری ہو جائے گی۔

نماز میں دل لگنے کے بارے میں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ نماز میں اگر دل لگ جائے تو بڑی اچھی بات ہے اگر نہ لگے تب بھی پڑھتے رہیں بعض لوگوں کا دل چاہتا ہے کہ نماز چھوڑ دیں دل نہیں لگتا نماز چھوڑنا نہیں نماز میں دل نہ لگے تب بھی نماز پڑھے اس حالت میں اس کی نماز زیادہ اونچی ہوگی۔ دوسرا یہ کہ نماز میں دل لگ رہا ہے کیفیت طاری ہے اس کیفیت کے ساتھ آدمی اگر نماز پڑھتا ہے وہ تو بہت اچھی بات ہے اس کی بڑی لذت ہوتی ہے لیکن کسی آدمی کا دل اگر بالکل نہیں لگ رہا دل چاہ رہا ہو نماز میں کچھ اور سوچنے کے لئے کھیلنے کے لئے اگر اس حالت میں اپنے آپ کو قابو میں کر کے نماز پڑھے گا تو میرے خیال میں اسے زیادہ اجر ملے گا۔ آپ حضرات جو ہیں طلبہ علم دین ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ آپ کا تعلق ایسے مدرسے سے ہے جو مولانا یوسف کا ہے۔ ان کا تعلق حضرت شیخ رحمہ اللہ سے ہے ان کا یہ اظہار ہے کہ آپ حضرات کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے مجھے اس وقت ایک بات یاد آئی کہ ایک مرتبہ جب میرا مسئلہ پیدا ہوا کہ جناب میں کیا پڑھو ہمارے ایک عزیز تھے میں نے ان سے پوچھا کہ میں پڑھنے کے لئے کہاں جاؤں؟ انہوں نے کہا کہ ڈابھیل چلے جاؤ اور کچھ احباب کہنے لگے دیوبند چلے جاؤ۔ بعض لوگوں نے کہا مظاہر العلوم چلے جاؤ۔ ایک یہ تھا کہ رام پور میں چلے جاؤ،

رام پور بڑا اچھا مدرسہ تھا۔ ایک بزرگ تھے جو ندوہ کے مہتمم بھی تھے شیخ الحدیث بھی تھے انہوں نے کہا نہیں تم مظاہر علوم چلے جاؤ۔ میں نے پوچھا کہ کیوں؟ تو فرمایا کہ میں نے مظاہر علوم کے طلباء کو دیکھا تو میں نے دیکھا ان کے چہرے ایسے جیسے فرشتے ہوں میں اس وقت بھی بلا تشبیہ آپ حضرات کو دیکھ کر اتنی طبیعت خوش ہوئی جیسے وہی مظاہر العلوم کے قدیم طلباء۔ باریک اللہ فی علمکم و عملکم۔

طالب علم روزانہ نیت کیا کریں:

اس لئے آپ لوگ جو علم دین حاصل کر رہے ہیں جو پڑھ رہے ہیں اگر علم دین کے لئے ہر وقت نیت کریں، ایک تو نیت یہ ہے کہ جب آپ مدرسہ میں داخل ہوئے تھے تو داخل ہوتے وقت نیت تو سب نے کی ہوگی اس واسطے کہ اپنے آپ کو اتنی مشکلات میں ڈالنا ماں، باپ کو چھوڑنا، اتنی دور سے آنا کوئی کدھر سے آیا اور کوئی کدھر سے آیا لیکن ایک صورت یہ ہے کہ ہر روز جب آپ اٹھا کریں اور فجر نماز کے بعد اور جس وقت درس گاہ جایا کریں تو دل میں یہ نیت کر لیں کہ پروردگار میں تیرے لئے پڑھ رہا ہوں۔ آپ اس کے بعد دیکھیں گے آپ کے دل کی کیفیت بدل جائے گی اور آپ کے مقصد تعلیم میں فرق آجائے گا اور اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔ آپ میری اس بات کو یاد رکھنا، آزمانا۔ اس سے برکت پیدا ہو جائے گی نماز میں، علم میں۔

دین کے اندر اس وقت اتنے مسئلے ہیں اتنی مشکلات ہیں اس وقت دین کے اندر آپ جیسے طلباء کی بہت ضرورت ہے لیکن اس میں ایک بات اور بھی ہے یہ مت سمجھو کہ ہم جلدی جلدی بغیر دل لگا کے پڑھ لیں اور پڑھنے کے بعد ہم دنیا کے سامنے آ جائیں دنیا کا علاج کرنے کے لئے دنیا کے فتنوں کا علاج بڑا مشکل کام ہے۔ جب تک کہ

آپ اچھا اور پختہ علم حاصل نہیں کریں گے جب آپ کا پختہ علم نہیں ہوگا آپ دنیا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آج دنیا کے اندر اتنے فتنے ہیں جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔  
امت محمدیہ امت وسط ہے:

قرآن کریم میں ایک آیت ہے، وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ کہ ہم نے تم کو امت وسط بنایا، یعنی تم کو امت وسط بعض نے کہا امت عدل یعنی حق الجسم وحق الروح۔ وسط کے معنی کیا ہیں؟ الروح، اگر آپ انسان کا تجزیہ کریں تجزیہ کرنے کے بعد پتا چلے گا انسان میں ہے کیا؟ انسان میں دو چیزیں ہیں ایک جسم دوسری روح۔ جسم کا تعلق عالم مطلق سے ہے اور روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔ بعض لوگوں نے کہا جو حواس سے آدمی اور اک کر سکے وہ عالم مطلق ہے اور جس کا حواس سے اور اک نہ کر سکے وہ عالم امر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دو چیزیں دیں۔ تعطون حق الجسم وحق الروح۔ تم جسم کا حق بھی ادا کرتے ہو اور روح کا حق بھی ادا کرتے ہو۔ اگر آپ دنیا کی تاریخ پڑھیں اور دنیا کے مذاہب کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ بعض لوگ صرف روح کا حق ادا کرتے تھے اور اب تو ایسے لوگ ختم ہو گئے۔ پہلے زمانہ میں یہ تھا کہ اپنے روح کا حق ادا کرتے تھے۔ ایسے بد مذہب کے لوگ تھے جنکے رہا کرتے تھے کھانا نہیں کھاتے تھے جنگل میں پڑے رہتے تھے اور یہ کہتے تھے ہم روح کے حق کو ادا کرتے ہیں اپنے اوپر بڑی مشقت برداشت کرتے تھے تکلیفیں برداشت کرتے تھے۔ آپ بونہم کی تاریخ پڑھیے ان میں کیس کیسی عجیب باتیں ہیں ان کے ہاں سب سے بہتر بدھ مت وہ ہوتا تھا جو ایک لگونی باندھ لے کپڑا اوڑھ لے

اور جنگل میں چلا جائے اور جنگل میں لوگوں سے مانگ مانگ کر کھائے۔ یہ ہندوؤں کے ہاں بھی تھا یہ لوگ صرف روح کے حق کو ادا کرتے تھے لیکن جسم کے حق کو ادا نہ کرتے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے تھے جو صرف جسم کے حق کو ادا کرتے تھے آج دنیا میں زیادہ تر جسم کے حق کو ادا کرنے والے ہیں۔ جیسے امریکہ، لندن غرض کہ پوری دنیا۔ وہ لوگ اپنے جسم کے حق کو ادا کرتے ہیں اور روح کو مہمل چھوڑ دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اِنَّ لِّلْجَسَدِ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِلْزَوْجِ عَلَيْكَ حَقًّا، وَلِلْعَالِکِ عَلَيْكَ حَقًّا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزانہ تعلیم ہے۔ اس کے بعد یہ آیت آئی، وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَ مَسْطٰٓءً، ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا جو جسم کے حق کو بھی ادا کرے گی اور روح کے حق کو بھی ادا کرے گی۔ اس کے بعد پوری دنیا میں انقلاب آ گیا بعض لوگ تو جسم کے حق کو ادا کرتے تھے اور بعض روح کے حق کو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد کے بعد جسم کے حقوق کی ادائیگی کے احکام دیئے اور روح کے حقوق کی ادائیگی کے بھی احکام دیئے لیکن روح کا حق غالب بتایا۔ ایسا مدرسہ جس میں دینی تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت اور تصوف کی تربیت ہو یہ بھی گویا وہی مدرسہ ہے جس میں جسم کا حق بھی ادا ہو رہا ہے اور روح کا حق بھی۔ اس لئے آپ حضرات بڑے خوش قسمت ہیں یہاں اتنا وقت گزر رہا ہے اس کو نصرت جالیے یہاں سے جانے کے بعد تم کو قدر ہوگی۔ جو چیز انسان سے فوت ہو جاتی ہے پھر انسان کو قدر ہوتی ہے۔ نعمت کی قدر ہوتی ہے زوال کے بعد۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لوگ سو رہے ہیں جب وہ مریں گے تو وہ جاگیں گے۔ آج ہماری جو حالت ہے سونے کی حالت ہے اور جب ہمیں موت آئے گی اس وقت ہم جاگیں



گے۔ اس لئے اس وقت سے پہلے پہلے کچھ کام کر لو۔ دنیا میں اس وقت اتنے فتنے ہیں ان میں سے بعض علم کے فتنے ہیں اور بعض عمل کے فتنے۔ آپ حضرات جو بے علم و عمل کے جامع بن رہے ہیں اللہ بتائے۔ آپ اس کے بعد علم کو لے کر ان فتنوں کا مقابلہ کریں۔ ابھی ہمارے بعض دوست یہ فرما رہے تھے انکارِ حدیث کا فتنہ، کہ منکرینِ حدیث، حدیث کو نہیں مانتے۔ انسان کے اندر عجیب بات یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے آسان مذہب، دنیا کی تاریخ آپ پر دھیں آپ کو معلوم ہوگا کہ انسان آسان مذہب چاہتا ہے اب یہ عیسائیت دنیا بھر میں پھیل رہی ہے تو یہ عیسائیت ایک آسان مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ صاحبِ آدمی جو ہے وہ کچھ نہ کرے دنیا بھر کی ساری بُری باتیں کرتا رہے بس یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کفارہ ہو گئے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھانسی کے بعد ساری دنیا کے گناہ معاف ہو گئے۔ اب یہ عیسائیوں کا یہ فلسفہ مسلمانوں میں بریلویوں میں آیا۔ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم محبت رکھتے ہیں اس کے بعد ہمیں ضرورت نہیں ہے گناہ معاف کرانے کی۔ اور یہ عقیدہ شیعوں میں بھی آیا۔ شیعوں نے کہا بس حضرت حسینؑ جو ہے یہ کفارہ ہو گئے بس یہ حضرت حسینؑ کا نام لیتے ہیں لیکن اندر اندر لاشعور میں یہ وہی کام کر رہے ہیں جو عیسائی کر رہے ہیں۔ اس لئے یہی وجہ ہے کہ دیوبندی کوئی بات کہتے ہیں تو خفاء ہوتے ہیں۔ آسان مذہب کی تلاش آج دنیا کا عنوان ہے کہ آسان مذہب کی تلاش ہر انسان آسان مذہب چاہتا ہے جس میں کچھ کرنا نہ پڑے جہاں پر آپ نے کوئی چیز کرنا شروع کی تو کرنے کے بعد اعتراض کرتے ہیں تو غرض کہ یہ بڑی عجیب بات ہے اس لئے یہ پروپیگنڈا مذہب ہے کہتے ہیں حدیث کو نہ مانو کیونکہ حدیث جو ہے

اعمال کے ساتھ معتد کرتی ہے، اخلاق کے ساتھ، عقائد کے ساتھ قرآن مجید یہ مختصر ہے اور حدیث اس کی تشریح ہے دو کہتے ہیں صاحب کسی مولوی کی بات نہ سنا بلکہ تم قرآن کریم کو دشمنی رکھ کر پڑھو۔ اسی لئے فرمایا تم لوگ انت وسط بن گئے۔

لنکولوا شہداء علی الناس، تم دنیا کے سامنے شہادت دو یہ ہے اسلام یہ ہے حق مذہب۔ ویكون الرسول علیکم شہیداً، پیغمبر علیہ السلام تمہارے لئے گواہ ہوں گے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ ساری دنیا تم سے اخلاق سکھے عقائد سکھے اخلاق سکھے اور تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاق سکھو، اعمال سکھو۔ آپ حضرات جو ہے بڑے خوش قسمت ہیں اسی معاملہ میں لیکن بس یہی بات ہے کہ اول تو نیت اپنی خالص کر لو۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب کے پاس ایک صاحب آئے۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے بڑے لیڈر تھے بڑے آدمی تھے انہوں نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے فرمایا کہ مجھی میں چار ہا ہوں اور میں بھی مصروف تم بھی مصروف اور طالب علموں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب ان حضرات میں سے ہیں جنہوں نے اپنا ایک منٹ بھی ضائع نہیں کیا۔ لیکن آپ دیکھیں میں اپنا اتنا وقت ضائع کرتا ہوں شاید دنیا میں کوئی اتنا وقت ضائع نہیں کرتا ہوگا۔ لیکن اب مجھے فسوس ہوتا ہے کہ قوتیں کمزور ہو گئیں، آنکھیں کمزور ہو گئیں، حافظہ کمزور ہو گیا، اب کچھ سوچ لیکن اب بیکار ہے۔ تم طالب علموں کے لئے ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ اپنا وقت ضائع نہ کرو گئیں مارنا، فضول کتابیں پڑھنا، فضول باتیں کرنا یہ سب نہ کرو۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ طالب علم کو اخبار بھی نہیں پڑھنا چاہئے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب کی بات چل رہی تھی کہ انہوں نے ایک

منٹ ضائع نہیں کیا اس کی برکت سے اتنا عظیم کام کیا کہ ایک آدمی تنہا اتنا کام نہیں کر سکتا کوئی اکیڈمی کام کر سکتی ہے یا کوئی جلدۃ العلوم۔ خیر تو مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی آئے اور فرمایا کہ نہ تو تمہارے پاس وقت نہ میرے پاس وقت جلدی سے بتا دو تصوف کیا چیز ہے؟ اس پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بھی تصوف تین چیزوں کا نام ہے: پہلی چیز تصوف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے اندر کچھ طلب ہو۔ دوسری چیز اخلاص۔ (اخلاص عمل کہ میں جو کام کر رہا ہوں اللہ کے لئے کر رہا ہوں نہ لوگوں کو دکھانے کے لئے نہ مجہتم صاحب کو دکھانے کے لئے نہ فلاں صاحب کو دکھانے کے لئے بلکہ صرف اللہ کے لئے کر رہا ہوں۔ اس کا اجر و ثواب میں چاہوں گا صرف اللہ سے)۔ اور تیسری چیز احسان۔ (یہ مکتوۃ والے جانتے ہوں گے حدیث جبریل علیہ السلام میں پڑھا ہوگا)۔ ان تینوں چیزوں کا نام تصوف ہے پہلی چیز طلب دوسری چیز اخلاص تیسری چیز احسان۔ اس لئے آپ حضرات ان تینوں چیزوں کو سب سے پہلے اپنے اندر پیدا کریں انسان اگر تصوف کے اعمال و اشغال کرنے لگے ذکر کرنے لگے تو اس کے بعد کیا فائدہ ہوتا ہے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اس کے بعد جو بھی کام کرے گا مثلاً تصنیف کا کام کرے گا، حفظ کا کام کرے گا تو ایسی کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک قوت دے دیں گے۔ مثلاً ایک آدمی تصوف کی چیزیں اختیار کیا ہوا ہے وہ جب تصنیف کے کام میں آئے گا تو اس میں ایک قوت پیدا ہو جائے گی اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے گا۔ وہ اگر تدریس میں آئے گا تو اس میں قوت پیدا ہو جائے گی۔ تبلیغ کے کام میں آئے گا تو اس میں برکت پیدا ہو جائے گی۔

اس لئے آپ جو بڑے خوش قسمت ہیں آپ کو دیکھ کر یہ دل چاہا کہ میں بھی چھوٹا بچہ ہو جاؤں اور میں بھی پڑھوں۔ آپ حضرات ہر روز جو ہے اپنی نیت کو خالص کریں۔ اگر کوئی کتاب سمجھ میں نہیں آتی تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس استاد کے لئے دعا کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کتاب کو آسان کر دے گا اور خلاصہ یہ ہو کہ ہم دین کی خدمت کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین آج بڑا مظلوم ہے بڑے فتنے ہیں۔ اللہ تمام فتنوں سے ہم سب کو محفوظ فرمائیں۔ (امین)

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

نوٹ: ساؤتھ افریقہ میں جوانوں نے ختم نبوت اکیڈمی ہٹائی مفتی صاحب سے اس جماعت نے کہا کہ ہم کو کچھ صحت فرمائیں۔ اس پر مفتی صاحب مختصر سے یہ بات ارشاد فرمائی:

ختم نبوت کے سلسلہ میں بات یہ ہے کہ انگریز جب ہندوستان میں آیا تو اس کے سامنے دو قومیں تھیں ایک ہندو دوسری مسلمان۔ لیکن اس نے اپنی ساری قوت خرچ کر دی مسلمانوں کو تباہ کرنے میں انگریز ہندوؤں کو بہت ترقی دیتا چاہتا تھا۔ جب بھی کوئی کام ہوتا تو اس میں ایک مسلمان باقی سب ہندو، وکالت کے شعبہ میں صرف ایک مسلمان باقی سب ہندو۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیاوی تعلیم ہندوؤں کو ہو تاکہ ان کی زندگی ٹھیک ہو اور مسلمانوں سے ان کو عداوت تھی کیونکہ اس نے حکومت مسلمانوں سے لی تھی۔ اور اگرچہ مغلوں کی حکومت خراب ہو چکی تھی لیکن پھر بھی مسلمانوں میں دین تھا ایمان تھا۔

نیز تبلیغ اس وقت ہوگی جب دل میں قوت پیدا ہوگی۔ یہ قادیانیوں کو مسلمان کرنے کے لئے اور یہ مسلمانوں کو مسلمان کرنے کے لئے بھی قلب کی قوت کی ضرورت ہے اور قلب کی قوت پیدا ہوگی تصوف سے اللہ اللہ کرنے سے اس کے بعد انسان کے اندر اتنی قوت پیدا ہو جائے گی۔ بس یہ چند الفاظ تھے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین.

## ختم بخاری شریف پر ایک اہم درس

بسم الله الرحمن الرحيم

بخاری رحمہ اللہ کی یہ کتاب اصح کتاب بعد کتاب اللہ ہے اور پھر امام بخاریؒ نے اپنی اس کتاب کے اندر عجائب و غرائب اور نکات رکھے ہیں خصوصاً امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ مناسبت کا خیال رکھتے ہیں ایک باب کی دوسرے باب سے مناسبت، اول و آخر کی مناسبت۔ ان مناسبات کا ان کے ہاں بہت اہتمام ہے اور جو یہ مناسبات ہیں ان مناسبات کے اندر نکات کو بیان کرتے ہیں۔ تو بخاری رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب جلیل کو جو شروع کیا تو باب بدء الوقی سے۔ یہ آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں کہ امام بخاری شروع میں سب سے پہلے بدء الوقی لے کر آئے کہ وہی کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ اور پھر اس کے بعد وہی سے کتاب کو شروع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہی بدء المبادی ہے۔ دنیا میں جتنے انبیاء آئے اور شرائع ان سب کی وجہی الہی تھی۔ اگر انسان کے پاس وہی نہ آتی تو انسان نہ مکلف ہوتا اور نہ اس کے پاس شرائع آتے نہ شریعتیں آتیں نہ آسمانی کتابیں آتیں نہ انبیاء آتے تو گویا کہ مبداء المبادی جو ہے وہ وہی الہی ہے۔

تو امام بخاریؒ نے جو اپنی کتاب کی ابتداء کی مبداء المبادی سے جو کہ وہی ہے بلکہ

اگر دیکھا جائے عقلی اعتبار سے تو دنیا میں سب سے زیادہ یقینی چیز جو ہے وہ وحی ہے دنیا کے پاس علم کے بڑے ذرائع ہیں۔ ذرائع علم کے اوپر شرح عقائد میں بحث کی گئی ہے لوگ کہتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے ذریعے کیا ہیں ایک تو حواس ہیں انسان حواس کے ذریعے سے علم حاصل کرتا ہے کسی چیز کو دیکھ کر حاصل کرتا ہے کسی چیز کو سونگھ کر حاصل کرتا ہے کسی چیز کو سن کر حاصل کرتا ہے یہ ہیں ذرائع علم۔ انسان کے پاس عقل یہ تجربہ ہے آج دنیا کے اندر بہت سے کام ہوتے ہیں تجربوں سے ہوتے ہیں لیکن ان سب میں سب سے زیادہ یقینی چیز جو ہے وہ وحی ہے اور وحی کے مقابلہ میں کوئی چیز یقینی نہیں باقی ساری چیزیں ظنی ہیں اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب جلیل کو جو شروع کیا وہ مبداء السبادی وحی سے کیا۔ باب کیف کسان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لئے کہ اگر وحی نہ آتی تو نہ انبیاء آتے نہ آسمانی کتب آتیں نہ انسان مکلف ہوتا نہ شرائع آتیں۔ اس لئے اپنی اس کتاب کو امام بخاریؒ نے وحی سے شروع کیا۔ اس لئے جو غایۃ الغایات ہے نہایۃ التہایات ہے جس کے اوپر کہ ساری چیزوں کا فیصلہ ہوگا عقائد اعمال اخلاق ہیں ان سب کا جو نتیجہ ہے وہ ہے اعمال کا وزن ہونا۔ قیامت کے دن انسان کے اعمال کا وزن ہوگا۔ اور وزن ہونے کے بعد جو لوگ ٹیکو کارہوں گے وہ جنت میں جائیں گے اور جو بدکار ہوں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے جو غایۃ الغایات اور نہایۃ التہایات ہے وزن اعمال ہیں۔ اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کو جو شروع کیا مبداء السبادی سے اور کتاب کو ختم کیا غایۃ الغایات پر نہایۃ التہایات پر اس لئے باب رکھا، باب قَوْلُ اللَّهِ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَمَةِ۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ

بخاری نے اس سے پہلے جو باب باندھا ہے وہ کتاب الرد علی الجہمیۃ بڑا مشکل باب تھا۔ بخاری نے اس باب میں جو فرق باطلہ ہیں ان پر رد کیا ہے بلکہ مولانا زکریا رحمہ اللہ نے ایک عجیب بات لکھی کہ بخاری نے کتاب الرد علی الجہمیۃ سے پہلے باب باندھا ہے کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة۔ پھر اس کے بعد باب باندھا ہے کتاب الرد علی الجہمیۃ۔ تو کتاب الاعتصام میں اور کتاب الرد علی الجہمیۃ میں کیا تعلق و مناسبت ہے؟ انہوں نے لکھا ہے کہ اصل چیز تو یہ ہے کہ قرآن و حدیث کی اتباع کی جائے۔ قرآن و حدیث کی اتباع کے لئے امام بخاری نے باب باندھا کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة لیکن قرآن و حدیث کو اگر صحیح اخلاص اور صحیح نیت اور صحیح لوگوں سے نہ پڑھا جائے تو اس کے بعد فرقے پیدا ہوتے ہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت کو اگر آدمی صحیح طریقے سے پڑھے گا اخلاص کے ساتھ پڑھے گا تو اس سے صحیح نتائج برآمد ہوں گے لیکن اگر غلط طریقے سے پڑھے گا اور غلط مقاصد کے لئے پڑھے گا اور شبہات پیدا کرنے کے لئے پڑھے گا تو اس سے غلط فرقے پیدا ہوں گے تو فرق باطلہ یوں پیدا ہوں گے۔

فرقے کیوں پیدا ہوئے:

ایک مرتبہ میں نے بتایا بھی تھا عبدالکریم شہرستانی نے ایک کتاب لکھی ہے، السبل والنحل اُس میں ان فرقوں کے بارے میں بحث کی ہے کہ یہ فرقے کیوں پیدا ہوئے؟ تو اس نے جو بحث کا خلاصہ نکالا ہے وہ یہ کہ فرقے پیدا ہوئے ہیں شبہ سے۔ انسان کے دل میں کسی چیز کا شبہ پیدا ہو گیا اور اس شبہ کا ازالہ نہیں ہوا تو وہ شبہ جب بڑھتے بڑھتے ایک پھوڑا بن جاتا ہے زخم بن جاتا ہے تو اس کے بعد پھر

آدمی اس مقصد کو لے کر دنیا کے سامنے پرچار کرتا ہے اس سے پھر فتنے بنتے ہیں۔ بلکہ شہرستانی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس کے دل میں شبہ پیدا ہوا وہ شیطان ہے شیطان نے سب سے پہلے کہا خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ، کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔ اور آگ بلندی چاہتی ہے اور مٹی تواضع۔ تو میں عالی ہوا اس لئے شبہ پیدا ہوا۔ تو غرض کہ امام بخاریؒ نے کتاب الرد علی الجہمیۃ لاکر یہ بتا دیا کہ یہ فرقے جو اسلام میں پیدا ہوئے ہیں ان کا رد کرنا بھی ضروری ہے اس سے پہلے۔ جیسے حب ایمان فی اللہ ضروری ہے اسی طرح بغض فی اللہ بھی ضروری ہے۔ جب تک یہ دونوں چیزیں نہیں ہوں گی اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوگا۔ اس لئے جو اللہ والے ہیں ان سے محبت رکھی جائے اور جو فتنے ہیں ان سے نفرت رکھی جائے۔ لوگ کہتے ہیں کہ بھی نفرت بُری چیز ہے یہ بات غلط ہے کیونکہ جس طرح اللہ والوں سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے ایسے نفرت کرنا بھی ایمان کی علامت ہے۔ تو بخاریؒ کتاب الرد علی الجہمیۃ لانے کے بعد پھر آخری باب لائے باب قول اللہ ونضع الموازين القسط ليوم القيمة، اس باب میں کہ امام بخاری رحمہ اللہ ایک دوسری بات بتا رہے ہیں کہ یہ عاید الغایات ہے نہایہ النہایات ہے اور دوسری بات یہ بتا رہے ہیں کہ اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ بعض وہ لوگ جو عقل پسند لوگ ہیں عقل کو مانتے ہیں نقل کو نہیں مانتے تو وہ لوگ وزن اعمال کا انکار کرتے ہیں۔ اُس زمانے کے اندر ایک فرقہ تھا معتزلہ۔ آج کل تو معتزلہ کے بڑے بڑے باپ پیدا ہو گئے ہیں معتزلہ کے ذہن میں خالص عقل تھی وہ عقل سے دنیا کی ساری چیزوں کو دیکھتے تھے اور شریعت کو نہیں مانتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا صاحب اعمال تو اعراض ہیں وہ تو تو لے نہیں جاسکتے۔ عمل تو ایک ایسی چیز ہے جو



ختم ہو جاتی ہے اس لئے انہوں نے وزن اعمال کا انکار کیا اور انہوں نے وزن اعمال کے معنی اور لئے اومیزان کے معنی اور لئے۔ کہا کہ میزان کے معنی عدل کے ہیں اور انصاف کے۔ تو بخاری کا مقصد چونکہ فرق باطلہ کا رد بھی ہے اس لئے یہاں محترمہ کا رد کرنے کے لئے یہاں باب باندہ حاقول اللہ ونضع الموازين القسط لیوم القیمة۔ اور بخاری نے عجیب بات کی۔

آخری حدیث سے منکرین حدیث پر رد بھی ہے:

اس حدیث سے ان منکرین حدیث کا رد بھی ہو گیا اور نہ منکرین حدیث سمجھتے ہیں کہ قرآن اور حدیث میں تعارض ہے۔ تو بخاری سب سے پہلے آیت لاتے ہیں اس کے بعد حدیث لاتے ہیں یہ بتانے کے لئے کہ قرآن اور حدیث میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ احادیث تو شرح ہیں بیان ہیں قرآنی آیات کی۔ اس لئے یہ آیت لائے ونضع الموازين القسط لیوم القیمة۔ اور ہم رکھیں گے انصاف کی ترازوئیں قیامت کے دن۔ تو وزن اعمال ہوگا۔

موازن جمع ہے میزان کی یا مؤزؤن کی۔ دونوں قول ہیں بعض کہتے ہیں مؤزون کی جمع ہیں اور بعض کہتے ہیں میزان کی جمع ہے اگر میزان کی جمع لی جائے تو یہ بات پیدا ہوگی کہ کیا وہاں بہت ساری ترازوئیں ہوں گی؟ امام رازی رحمہ اللہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ بہت ساری ترازوئیں ہوں گی اور وہ مختلف ترازوئیں مختلف قسم کے اعمال کو تولنے کے لئے ہوں گی۔ بعض ترازوئیں عقائد کو تولنے کے لئے ہوں گی اور بعض ترازوئیں اخلاق و اعمال کو تولنے کے لئے ہوں گی۔ بعض افعال قلبیہ کے لئے ہوں گی اور بعض افعال جوارح کے لئے ہوں گی۔ لیکن زیادہ تر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ میزان ایک ہے اور اس میں تفصیل احادیث میں موجود ہیں۔ کتاب

البتہ کے اندر اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس کے دو چلڑے ہوں گے اور وہ ترازو بھی بہت بڑی ہوگی کہ اس میں آسمان وزمین بھی رکھا جاسکتا ہے اور وہ ترازو ایسی ہوگی کہ حقیر سے حقیر چیز کو بھی تول لے گی اور بڑی سے بڑی چیز کو بھی تول لے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ جب ترازو ایک ہے تو میضہ جمع کیوں استعمال کیا؟ تو اس میں بہت تاویل میں کی گئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کے اعتبار سے ہے اس لئے کہ اربوں، کروڑوں، لاکھوں انسان ہوں گے اس لئے ان کے اعتبار سے کہا اور بعض کہتے ہیں اعمال متحد ہوں گے تو تعدد اعمال کے اعتبار سے جمع کا میضہ استعمال کیا۔ اور بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ تعظیم کے لئے کہا۔ عرب کی عادت یہ ہے کہ جب کسی چیز کی تعظیم کرتے ہیں تو اس کے لئے جمع کا لفظ استعمال کرتے ہیں جیسے کذبہ قوم نوح، الصوملین، حضرت نوح علیہ السلام ایک پیغمبر تھے۔ ایک پیغمبر کو بھیجا گیا لیکن قرآن نے ان کو مرسلین کہا۔ تعظیم اور تحمیر کے لئے۔ اس لئے یہاں بھی موازین کو جمع لے کر آئے تعظیم اور تحمیر کے لئے۔ تو کیا مطلب ہوا؟ کہ ہم رکھیں گے ترازوؤں کو ترازو جو کہ بڑی عظیم ترازو ہے۔ القسط۔ یہ مصدر ہے اور مصدر کے اعتبار سے واحد اور جمع سب برابر ہے۔ اس لئے قسط یہ مفت بن گئی موازین کی۔ تو کیا معنی ہوا، قول اللہ ونضع الموازین القسط ای عادات۔ جب ہم موازین رکھیں گے تو وہ انصاف کی ہوں گی وہاں سراسر انصاف ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ظلم کا تصور نہیں ہو سکتا اس کے ہاں جو کچھ ہوگا سب انصاف سے ہوگا۔ تو القسط کو صفت بناؤ موازین کی اس اعتبار سے کہ مصدر نہ واحد ہوتا ہے نہ جمع ہے اس میں سب برابر ہیں یا یہ کہ یہاں پر مضاف مخذوف مانو تو یوں کہو، قول اللہ ونضع الموازین ذوات القسط۔ اور ہم ایسے موازین رکھیں گے جو انصاف والے ہوں گے۔ دنیا میں تو لوگ کم تول لیتے ہیں لیکن وہاں پر سراسر انصاف ہوگا۔

## لیوم القیمة میں لام کون سا ہے؟

اس کے بعد فرمایا، لیوم القیمة۔ اور لیوم القیمة کے اندر جو لام ہے تو ابن قیتر کی رائے یہ ہے کہ یہ فی کا معنی میں ہے تو مطلب یہ ہوا ونضع الموازين فی یوم القیمة۔ اور یہ حروف چارہ ایک دوسرے کے معنی میں آتے ہیں تو معنی یہ ہوا کہ ہم انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن۔ قیامت کا دن خلاصہ ہوگا اُس دن تمام اعمال کا خلاصہ نکلے گا۔ اس لئے لام بمعنی فی کے ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لام تعلیل کے معنی میں ہے۔ اور یہاں پر ایک مضاف محذوف ہے کیا مطلب ہوا ونضع الموازين القسط لحساب یوم القیمة۔ اور ہم انصاف کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن کے حساب کے لئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لام توقیت کے لئے ہے۔ لام بھی توقیت کے لئے بھی آتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوگا، اور ہم رکھیں گے انصاف کی ترازوئیں قیامت کے دن کے وقت۔ یہاں پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ناخذ کا شعر بطور دلیل کے پیش کیا ہے جس کے اندر لام توقیت کے لئے ہے۔ آگے فرمایا، وانی اعمال ہسی ادم توزن۔ قسطائی نے لکھا ہے کہ اس کو ان اور ان دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں لیکن ان پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ اس کا تعلق ہوگا پہلے سے۔ ان بھی جائز ہے۔

## قیامت میں کیا چیز تولی جاسکے گی؟

بخاری نے یہاں پر اعمال و اقوال کو تولیے کا مسئلہ نکال کر ایک اور مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اُس میزان عدل میں کیا چیز تولی جائے گی کہ (۱) انسان کے جو اعمال و اقوال ہیں یہ تولے جائیں گے (۲) وہ صائف ہیں جن کو کرنا کاتبین لکھتے ہیں یہ تولے جائیں گے۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ خود اُس شخص کو تولایا جائے گا۔ قرآن کریم

کی بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص آئے گا اور اللہ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی بڑا امونہ خوبصورت آئے گا لیکن اللہ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ جو چیز تو لی جائے گی وہ کیا ہوگی؟ کہ آیا وہ اعمال و اقوال یا سحائف اعمال یا وہ شخص خود تو لا جائے گا۔ لیکن بخاری رحمہ اللہ نے ان دونوں قولوں کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں انسان کے اعمال تو لے جائیں گے۔ اور امام بخاری نے معقولہ پر بھی رد کر دیا اس لئے کہ معتزلہ یہ کہتے تھے کہ انسان کے اعمال و اقوال یہ کیسے تو لے جائیں گے وہ تو اعراض ہیں اعراض جو ہے وہ دو زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتے۔ اعراض تو ایسے ہیں کہ کام ختم ہو گیا پھر وہ باقی نہیں رہتا۔ بعض لوگوں نے اس میں تاویل کی تھی کہ اس میں تجسم پیدا ہو جائے گا۔ بعض لوگوں نے کہا تھا کہ وہ صحیفے بن جائیں گے۔ لیکن بخاری رحمہ اللہ نے ان سب اقوال کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ نہیں خود انسان کے اعمال تو لے جائیں گے۔ بخاری نے جو یہ بات کہی ہے آج دنیا کی جدید تحقیقات بھی یہی کہتی ہے بلکہ اس زمانے میں اسلام لانا، ایمان لانا زیادہ آسان ہو گیا پہلے کی نسبت۔ آج دنیا کی تحقیقات یہی ہیں کہ جو ہر مٹ جاتا ہے یہ اجسام مٹ جاتے ہیں۔ میں بھی ایک دن مر جاؤں گا۔ جسم فنا ہو جائے ختم ہو جائے گا لیکن میری جو یہ آواز ہے ہمیشہ برقرار رہے گی یہ برسوں برقرار رہے گی۔ دو ہزار سال کے بعد بھی کوئی آدمی آئے گا تو اس آواز کو کچھ کر سکے گا۔ آپ دیکھتے نہیں کہ بڑے بڑے علماء نے جو تقریریں کی ہیں آپ نے انہیں شپ کر لیا۔ اب وہ علماء جنت کی طرف چلے گئے لیکن ان کی آوازیں برقرار ہیں۔ آپ مولانا یوسف بخاری رحمہ اللہ کی کیٹیش سنئے ہیں مولانا غلام اللہ خان صاحب کی کیٹیش سنئے ہیں وہ تو چلے گئے لیکن

ان کی آوازیں برقرار ہیں۔ اس لئے آج دنیا کی تحقیق یہ ہوگئی اور بالکل قرآن وحدیث کے مطابق اور امام بخاری نے یہی بات کہی کہ انسان کے اعمال خود تو لے جائیں گے بلکہ انسان خود تو مٹ جاتا ہے لیکن اُس کا قول و عمل برقرار ہے۔ آپ ویسے بھی دیکھ لیں اخلاقی طور سے کہ انسان نے جو بھی اخلاق اعمال کئے ہوں گے وہ پائے رہیں گے۔ بلکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے، اذا مات ابن ادم انقطع عمله الا عن ثلثة. من صدقة جاریہ اور علم ينتفع به او ولد صالح يدعوه. انسان مرجاتا ہے لیکن تین چیزیں برقرار رہتی ہیں (۱) صدقہ جاریہ، (۲) وہ علم نافع جس کو وہ چھوڑ کر گیا ہے اور (۳) اولاد صالح جو اُس کے لئے دعا کرے۔ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر اولاد صالح دعا بھی نہ کرے پھر بھی اس کا اجر اس کے والدین کو پہنچتا ہے۔

منکرین حدیث کا فتنہ:

آج ہمارے زمانے میں سب سے خطرناک فتنہ انکار حدیث کا ہے۔ انکار حدیث کا فتنہ جو سب سے پہلے پھیلا سرسید نے جو ان کا امام ہے اُس نے شروع کروایا اور قصہ یہ تھا کہ ایک گورنر اُس نے ایک کتاب "لائف آف محمد" (Life of Muhammad) لکھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اور اُس نے اس میں حدیثوں کا انکار کیا تھا کہ یہ حدیثیں ایسی خواہ خواہ ہیں۔ سرسید نے اُس کا جواب دیا لیکن جواب دیتا تو مردانگی سے دیتا حدیثوں کو مان کر دیتا لیکن اس نے سرے سے حدیثوں کا انکار کر دیا کہ حدیثیں غلط ہیں۔ پھر اس کے بعد مولوی چراغ علی آیا حیدر آباد کا اس نے بھی احادیث کا انکار کیا جو بات سمجھ میں نہیں آئی اس کا انکار کر دیا جیسے کہ ایک مسئلہ ہے حدیث میں آتا ہے ترمذی اور بخاری کی حدیث ہے کہ گرمی اور

سردی جہنم سے ہوتی ہے۔ حدیث کی تحقیق تو یہ ہے کہ سردی اور گرمی جہنم کی وجہ سے ہے جہنم دو سانس لیتی ہے ایک سانس گرم جس سے گرمی پھیل جاتی ہے اور ایک سانس ٹھنڈا ہے جو کہ زمہریر ہے اس سے سردی پھیل جاتی ہے۔ اب حدیث کا انکار کرنے والوں نے انکار کیا کہ یہ حدیث بالکل مشاہدہ کے خلاف ہے اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ سردی اور گرمی کا تعلق آفتاب کے قُرب اور بُعد سے ہے جب آفتاب گرمی کے زمانے میں قریب ہوتا ہے تو گرمی بڑھنے لگتی ہے اور جب سردی کے زمانے میں دور ہوتا ہے تو سردی بڑھنے لگتی ہے لیکن آپ کو تعجب ہوگا کہ حضرت انور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا تھا کہ حدیث جو ہے اسباب قریہ کو بیان کرتی ہے نہ کہ بعیدہ کو۔ یہ تو ہم نے مان لیا کہ سردی اور گرمی آفتاب کی حرارت برودت سے ہے لیکن آفتاب میں گرمی کہاں سے آئی؟ آج دنیا کے سائنسدان جمع ہیں تحقیق کر رہے ہیں کہ آفتاب میں سردی اور گرمی کہاں سے آئی۔ تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بتا رہے ہیں وہ جہنم سے آئی ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے قیامت میں یہ چاند اور سورج سب جہنم میں پھینک دیئے جائیں گے۔ تو جس چیز سے لوگوں کی عقل عاجز ہوتی ہے تو پیغمبری کی وحی اس کو بتاتی ہے کہ یہ جہنم سے آئی ہے۔ ہم لوگ تو بس اپنے مشاہدات کو بیان کرتے ہیں لیکن جہاں پر انسانی عقل ٹھل ہو جاتی ہے وہاں سے پیغمبر کی نبوت شروع ہوتی ہے۔ یہ لوگ سمجھتے نہیں اور انکار کر دیتے ہیں اور یہ پرویز جو مشہور منکر حدیث ہے اس نے جو حدیث کا انکار کیا؟ اس کے زمانے میں جتنی سائنس آچکی تھی اس کے اعتبار سے اس سے حدیثوں کا انکار کیا۔ اتفاق سے اب وہ سائنس ٹھل ہو گئی اور اب نئی سائنس آ رہی ہے۔ تو اب نئی سائنس آنے کے بعد پرویز کو چاہئے کہ اپنی فکر بدلے لیکن قرآن

وحدیث ایسی چیز ہے جو بدلنے والی نہیں ہے۔ یہ سارے لوگ وہ ہیں جو عقل کے پیچھے چلتے ہیں اگرچہ عقل کا شریعت نے بھی بڑا اہتمام کیا ہے بلکہ عقل کو بچانے کے لئے شریعت نے شراب کو حرام کیا مسکرات کو حرام کیا صرف عقل کی حفاظت کے لئے۔ بات لمبی ہو جائے گی۔ علماء نے لکھا ہے شریعت نے جانوں کی حفاظت کے لئے قصاص کا حکم دیا مال کی حفاظت کے لئے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ آبروؤں کی حفاظت کے لئے حدِ قذف کا حکم دیا۔ عقل کی حفاظت کے لئے شراب کو حرام کیا۔ اسلام نے کتنا بڑا احسان کیا لیکن یہ بیج اور وکلاء کہتے ہیں حدیث کو نہ مانو، حدیث کا انکار کرو اور خود مجتہد بنے بیٹھے ہیں ساری دنیا کا اجتہاد کرتے ہیں اور اپنے ارد گرد ہالہ بنا رکھا ہے حصار باندھ رکھا ہے تو جین حدالت کا، کوئی تو جین حدالت نہ کرے باقی یہ خود جس کو جو چاہے کہیں، حدیث کو کہیں، قرآن کو کہیں، ان کو سب حق ہے اور انگریزوں نے بھی یہ قانون اپنی نوآبادیات کے لئے بنایا تھا یعنی انگریز جو آج برطانیہ میں بیٹھے ہوئے ہیں ان کے ہاں کوئی نوآبادیات کا قانون نہیں وہاں سے بڑے بڑے رسالے نکلتے ہیں جنوں پر تنقید ہوتی ہے اور نام لے کر ہوتی ہے کوئی کچھ نہیں کرتا۔ امریکہ میں بڑے بڑے رسالے نکلتے ہیں وہاں پر بھی جنوں کے نام لے کر تنقید ہوتی ہے کوئی کچھ نہیں کرتا۔ انگریز نے جو یہاں نوآبادیات کا قانون بنایا تھا وہی چل رہا ہے یہ وہی لوگ ہیں جو قرآن و حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ حدیث و قرآن کا کوئی تحفظ نہیں ہے اس ملک کے اندر۔ خیر یہ لوگ عقل پسند عقل پرست ہیں۔ آج اگر معتزلہ ہوتے اور یہ دیکھتے کہ کس طور سے چیزیں تخلیق ہیں آپ کو حیرت ہوگی۔ میں نے دیکھا کہ گسنے کی گاڑی ہے گنا بھرا ہوا ہے اس کے اندر۔ اور وہ پوری گاڑی تول لیتے ہیں۔ گاڑی ایک خاص جگہ آتی ہے اس پر ایک

خاص کا نانا لگا ہوتا ہے اس پر پوری گاڑی قول لیتے ہیں۔ ٹرک قول لیتے ہیں تو وزن ہر چیز کا ہوتا ہے دنیا میں۔ خواہ خواہ محترمہ عقل کے پیچھے لٹے کر پھرتے تھے انکار کر دیا اتنے بڑے بڑے لوگ تھے آج ہوتے تو کیا کرتے؟

بہر حال ایک قول تھا کہ انسان کے اعمال تلمیں گے۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ نہیں صحائف اعمال تلمیں گے۔ اور وہ حدیث طاقہ سے استدلال کرتے تھے حدیث آتی ہے ترمذی، ابن حبان اور حاکم میں بھی کہ ایک آدمی اللہ کے ہاں آئے گا اور وہ آدمی ڈر رہا ہوگا اپنے دل میں کانپ رہا ہوگا کہ میرے گناہوں کے اتنے بڑے بڑے رجسٹر ہیں میرے پاس کوئی ایک نیکی بھی نہیں پھر اس کے بعد ترازو میں اس کے بڑے بڑے رجسٹر رکھے ہوتے ہیں اور دوسرے پلڑے میں صرف ایک بطاقہ ہوگا، ترمذی کی روایت میں الورقہ آتا ہے، اس میں اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدا عبده ورسوله اور بعض روایات میں کلمہ طیبہ منقول ہے۔ تو بعض روایات سے کلمہ شہادت منقول ہے۔ تو ایک پلڑے میں وہ ٹکڑا رکھ دیا جائے گا حدیث میں آتا ہے الصادق والمصدق۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ جو بڑے بڑے رجسٹر ہیں وہ اوپر چلے جائیں گے طاربت السجلات اور وہ جو دوسرا پلڑا ہے بطاقہ والا وہ نیچے جھک جائے گا۔ باقی سب رجسٹر دفتر بے کار ہو جائیں گے اور وہ جھک جائے گا۔ یہ اللہ کے نام کی برکت ہوگی کہ کلمہ والا پلڑا جھک جائے گا لیکن وہ شہادتیں تب ہی جب اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔ اگر اس میں شرک ہو گیا، شرک ذاتی ہو گیا یا شرک فی الصفات یا شرک فی الافعال تو یہ شہادتیں بے کار ہیں۔ اسی لئے علماء دیوبند نے قوموں کو شرک سے بچایا ہے۔ لوگ اللہ کو بھی مانتے ہیں کہ وہی سب کچھ ہے لیکن



اللہ کی صفات کے اندر کہتے ہیں فلاں بزرگ سے بھی ہو رہا ہے فلاں بزرگ سے ہو رہا ہے تو اپنی توحید کی حفاظت کرو، اور رسالت کی بھی ورنہ یہ شہادتیں کام نہیں آئیں گی۔ شہادتیں اس وقت کام آئیں گی جب اس میں خالص توحید ہو۔ تو بخاری نے ان سارے اقوال کو ختم کر کے کہا کہ نہیں بلکہ اعمال و اقوال تو لے جائیں گے۔ تو ان اعمال بنی ادم و قولہم توذن۔ سب تو لے جائیں گے۔ تو اب بخاری کی عادت یہ ہے کہ ایک حدیث کی مناسبت سے دوسری بات لے آتے ہیں کیونکہ ایک آیت میں ہے وذلوا بالقسطاس المستقیم قرآن کریم میں کئی جگہ حکم دیا گیا کہ تم ترازو پر صحیح تولو۔ آج کل لوگ یہ بھی کرتے ہیں کہ ٹاپ تول میں کمی کرتے ہیں وہ دھوکہ دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من غشنا فلیس منا۔ جو ہم میں سے دھوکہ بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ لوگ ٹاپ تول میں ڈنڈی مارتے ہیں میٹر بدل لیتے ہیں۔ میٹر بھی ترازو ہے۔ ان سب کو اسلام نے حکم دیا ووزنوا بالقسطاس المستقیم کہ تم سیدھے ترازو سے صحیح تولو۔ چونکہ یہاں قسطاس کا لفظ آ گیا تھا اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے مجاہد جو کہ تفسیر کے بڑے امام ہیں مجاہد ابن جبر تفسیر کے امام ہیں اور عبداللہ بن عباس کے خاص شاگرد۔ ان کا قول نقل کیا کہ قسطاس، بکسر القاف اور بضم القاف دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں اس کے معنی عدل کے آتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سیدھی ترازو کے ساتھ وزن کرو۔ سارے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ زندگی کے سارے مراحل اور ناپنا تولنا اور معاملات رکھنے کے اندر انصاف سے کام لو۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قسطاس کے معنی عدل کے ہیں یہ رومی زبان کا لفظ ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے کئی

جگہ کہا ہے بالحبشیۃ و بالزوہیۃ۔ تو اب یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ کیا قرآن کریم میں  
 غیر عربی الفاظ ہیں؟ تو بعض ائمہ جیسے امام شافعی، ابو عبیدہ، قاسم ابن سلام اور بڑے  
 بڑے لوگ یہ انکار کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں کوئی غیر عربی لفظ نہیں ہے اور کہتے ہیں  
 انا انزلہ قرآناً عربیاً۔ لیکن بعض محققین کہتے ہیں کہ نہیں غیر عربی الفاظ قرآن میں  
 ہیں۔ اصل میں قرآن کریم کا جو اسلوب ہے وہ عربی ہے اور غیر عربی الفاظ اور قرآن  
 کریم میں آ کر عربی بن جاتے ہیں تو۔ اور عربی زبان تو ایسی وسیع زبان ہے اگر بتاؤں  
 تو وقت ختم ہو جائے گا جب اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو اتارنا تھا اس زبان میں تو زبان  
 عربی کی کیسی کیسی حفاظت کی اور قریش کو کیسی کیسی چیزوں پر آمادہ کیا اور قریش نے اس  
 زبان کی حفاظت کی۔ یہ مطلب نہیں کہ قرآن میں بعض الفاظ غیر عربی نہیں بلکہ مطلب  
 یہ ہے کہ غیر عربی لفظ بھی اگر عربی میں آ جائے تو اس کی ساخت بدل جاتی ہے اسلوب  
 بدل جاتا ہے اس لئے وہ بھی عربی بن جاتا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح  
 الباری کی ساتویں جلد میں قرآن کریم میں جتنے غیر عربی الفاظ ہیں ان کو قلم کے اندر  
 نقل کیا ہے اس میں بتایا ہے کہ وہ بیسٹھ قسم کے الفاظ ہیں جو قرآن میں غیر عربی ہیں  
 لیکن وہ عربی بن گئے ہیں اپنی ساخت کے اعتبار سے۔ اور سیوطی رحمہ اللہ نے ایک  
 رسالہ لکھا ہے اس میں بھی ان الفاظ کو نقل کیا ہے۔ ان الفاظ کا قرآن کریم کے اندر  
 آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ سب اب مضروب بن گئے ہیں و یُقَالُ  
 الْقِسْطُ مَضْرُوبٌ بِمَضْرُوبٍ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ جو قِسْطُ ہے مَقْبُطُ  
 کے معنی عربی میں جو آتے ہیں منعف کے ہیں۔ اصل میں قصہ یہ ہے کہ یہ لفظ قِسْطُ  
 جو ہے اُخذاد میں سے ہے۔ عربی زبان بھی عجیب وسیع زبان ہے اس میں بعض الفاظ

اضداد ہوتے ہیں کہ ایک لفظ کے یہ معنی ہیں اور اس کے ضد بھی ہیں تو قسطنط کے معنی  
انصاف کے بھی ہیں اور ظلم کے بھی ہیں الفاظ اضداد ہوتے ہیں تو قسطنط کے معنی  
انصاف کے بھی ہیں اور ظلم کے بھی ہیں۔ بعض لوگوں نے فرق کیا ہے اور فرق کرنے  
کے بعد کہا ہے کہ قسطنط اگر مجز دے آئے تو اس کے معنی بخور (ظلم) کے ہیں اور  
اگر باب افعال سے آئے افساط تو اس کے معنی عادل کے ہیں تو بعض لفظ ایسے  
ہوتے ہیں جو اپنے اندر ضدین کے معنی رکھتے ہیں اور یہ بھی ایسا لفظ ہے تو بخاری  
فرماتے ہیں الْقِسْطُ مُضَدُّ الْمُقْسِطِ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ قسطنط یہ  
مصدر کہاں ہے؟ بلکہ اس کا مصدر تو افساط ہے، مقسیط کا مصدر تو قسطنط نہیں ہے  
بلکہ افساط ہے۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ مصدر  
المصدر ہے اس لئے کہ افساط کا مصدر قسطنط ہے اور بخاری کہہ رہے ہیں اشتقاق  
کبیر کے اعتبار سے اور پھر بخاری نے مقسیط کا وہ مصدر لیا جس میں زواکندہ ہو اس  
لئے کہہ دیا الْقِسْطُ مُضَدُّ الْمُقْسِطِ اور بعض لوگوں نے بڑی تحقیق کی اور کہا،  
قسطنط کے معنی ہوتے ہیں حصہ۔ اگر اپنا حصہ کسی کو دے دے تو اس کا نام افساط  
ہے اور اگر دوسرے کا حصہ اپنے ساتھ لگا لے تو جور (ظلم) ہے اس لئے اس کے معنی  
جور کے بھی آتے ہیں اور عدل کے بھی بلکہ لوگوں نے ایک عجیب لطیفہ لکھا ہے بلکہ  
مولانا زکریا رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے اور قسطلانی نے بھی کہ ایک بڑا مشہور عالم گزرا  
ہے آپ لوگوں نے اس کا نام سنا ہوگا حاج بن یوسف انصاری ترمذی میں تم نے حدیث  
بھی پڑھی ہے کہ ایک کذاب پیدا ہوا وہ بخاری ثقیفی تھا اور مسلم کے مقدمہ میں اس کے  
واقعات بھی آپ نے پڑھے یہ بڑا جھوٹا آدمی تھا وہ ایک کرسی لئے پھرتا تھا کہتا تھا کہ

اس پر حضرت علیؑ آکر بیٹھتے ہیں اور وہ یہ کہتا تھا کہ یہ جو بادل گرہتے ہیں یہ حضرت علیؑ کی آواز ہے (یہ شیعوں کا عقیدہ اور شیعہ بھی عجیب قوم ہے) بہر حال مختار ثقفی بڑا جھوٹا تھا بڑا کذاب تھا پھر اس کو بھی مار دیا گیا اور مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ شیعہ لوگ اس کو بھی مانتے ہیں ایک دن میں ایسے ہی اخبار پڑھ رہا تھا کہ اس میں ایک شیعہ انجمن کی طرف سے ایک اعلان تھا اور اس کا نام تھا انجمن شباب المؤمنین اور اس میں کہا گیا تھا کہ امیر مختار کا جشن منایا جائے گا حالانکہ پیغمبر نے کہا تھا کہ ایک کذاب پیدا ہوگا۔ اور دوسرا شخص جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ایک ہلاک کرنے والا پیدا ہوگا اور یہ حجاج بن یوسف ثقفی ہے اس نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں کو ستر اقل کیا ہے یعنی میدان جنگ میں نہیں ویسے ہی ہاتھ باندھ کر اور پھر اس کے متعلق یہ ہے کہ جب موت کا وقت آیا تو لوگوں نے کہا کیا خیال ہے تو اس نے لوگوں سے کہا مجھے اب بھی امید ہے اللہ سے۔ اس کا واقعہ ہے اس نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو جو کہ ایک بڑے تابعی ہیں لوگوں نے انہیں سیدنا تبعین کہا ہے، اس نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ کو گرفتار کر کے بلایا اور پوچھا ما اذا تسقون فیہی۔ میرے ہارے میں کیا کہتے ہو۔ تو حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا انت قاسط عادل۔ تو لوگ بڑے خوش ہوئے اور جو بیٹھے ہوئے تھے کہنے لگے سعید بن جبیرؓ نے حجاج کی بڑی تعریف کر دی کہہ دیا کہ تو منصف ہے عادل ہے لیکن حجاج بڑا فصیح تھا لغت جانتا تھا اس نے کہا کہ اس نے مجھے بڑا کذاب کہا ہے اس نے کہا ہے کہ تو ظالم ہے کافر ہے اس نے جو مجھے قاسط کہا تو انا القاسطون فکانوا الجہنم حطباً۔ اور اس نے جو عادل کہا تو مطلب یہ کہ میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر رہا ہوں برابر کر رہا ہوں وانا السدین

كُفِّرُوا بِهِمْ يَعْدِلُونَ۔ تو کہا کہ اس نے مجھے ظالم اور کافر کہہ دیا۔ تو خیر قسط دو معنوں کے لئے استعمال ہوتا ہے (۱) عدل اور (۲) ظلم کے معنی میں۔

اب اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ باب نقل کر کے اس کو قسۃ جمعۃ الباب کہتے ہیں اس کے بعد حدیث لاتے ہیں حذیثنا احمد بن الاشکاب اور ہمارے مولانا محمد یوسف بخاری رحمہ اللہ بڑی عجیب بات فرمایا کرتے تھے میں نے خود سنی جو اس مدرسے کے بانی بھی تھے اور سب کچھ انہیوں نے بنایا اللہ تعالیٰ ان کی روح کو بلندی اور رفعتیں نصیب فرما اور ان کی قبر کو انوار سے بھر دے۔ تو مولانا ایک عجیب بات فرماتے تھے۔ وہ میں نے آج رات کو تہذیب التہذیب میں وہی بات دیکھی تھی یہ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب ہے اس میں جتنے صحاح ستہ کے رواق ہیں ان کے حالات ہیں بڑی اچھی کتاب ہے تو مولانا یہ کہا کرتے تھے کہ بخاری نے ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے یعنی بخاری رحمہ اللہ یہ جو حدیث لارہے ہیں کلمتان حبیبان یہ حدیث امام بخاری دو جگہ اور لائے ہیں آپ کو بھی یاد ہوگا۔ ایک جگہ کتاب الدعوات میں لائے ہیں اس میں اس حدیث کو زہیر بن حوب سے نقل کیا ہے اور اس حدیث کو کتاب الایمان میں قتیبہ بن سعید سے بھی لاتے ہیں لیکن یہاں پر چونکہ کتاب ختم ہو رہی ہے اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ احمد بن اشکاب سے اس کو اشکاب بھی پڑھ سکتے ہیں اور اشکاب بھی۔ حافظ نے لکھا ہے بکسر الهمزة۔ اور یہ منصرف بھی ہے اور غیر منصرف بھی دونوں قول ہیں یہاں بخاری اس حدیث کو احمد بن اشکاب سے لائے ہیں اس کی وجہ خود تہذیب التہذیب میں لکھی ہے کہ بخاری نے خود کہا ہے جس کو حافظ نے نقل کیا ہے قال البخاری اخر من لقیته فی المصر احمد بن

اشکاب۔ سب سے آخر میں میری ملاقات احمد بن اشکاب سے ہوئی ہے ۲۱ھ میں ایک اور بھی عجیب بات ہے کہ ایک روای ہیں ابن یونس وہ کہتے ہیں کہ احمد بن اشکاب کا انتقال بھی ۲۱ھ میں ہوا ہے تو اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب کے اختتام پر اپنے آخری شیخ کی حدیث لائے۔

قال حدثنا محمد بن فضیل۔ یہ بھی بخاری کے استاد ہیں اور یہ بھی بڑے آدمی ہیں ثقافت میں سے ہیں ائمہ میں سے ہیں اور یہ محمد بن فضیل روایت کرتے ہیں عن حماد بن بن القعقاع۔ بضم الحین۔ اور یہ روایت کرتے ہیں ابو زرعہ سے۔ اور یہ ابو زرعہ وہ نہیں ہیں جو بخاری کے معاصر ہیں وہ ابو زرعہ رازی ہیں اور ان کا نام ہے عبید اللہ ابن عبد الکریم یہ بھی اپنے زمانہ کا بڑا شیخ تھا اور لوگ جتنے بھی حدیث کی کتابیں لکھتے وہ سب ابو زرعہ کے پاس لے کر جاتے یہاں پر یہ ابو زرعہ مراد نہیں ہے یہاں مراد تابعی ہیں اس کا نام ہے خرم۔ اور یہ اوساط تابعین میں سے ہیں اور ابو زرعہ روایت کرتے ہیں ابو ہریرہ سے اور ابو ہریرہ کا نام ہے عبدالرحمن ابن صخر۔ اور یہ تم نے کئی دفعہ پڑھا یا ہوگا کہ صحابہ میں سب سے بڑے حدیث کے حافظ یہی تھے۔ آج منکرین حدیث اس کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن ان کو کیا معلوم صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسا عشق تھا اور کیسا تعلق تھا۔ ابو ہریرہ نے تین سال کے عرصہ میں ۵۳۷۳ حدیثیں یاد کر لیں اور اس کی وجہ خود بخاری میں دو تین جگہ بتائی ہے۔ ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھی دوسرا وہ تعلق تھا محبت تھی احادیث سے اس لئے ان کو یاد کر لیا۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کلمستان حبیبان الی الرحمن خفیفان علی اللسان ثقیلستان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ اور اس کی

ترکیب تو آپ جانتے ہوں گے یہ کلمستان حبیبان الی الرحمن خلیفان  
 علی اللسان یہ خبر مقدم ہے اور علمائے بلاغت نے یہ بھی لکھا ہے کہ خبر اگر لمبی ہوتی  
 ہے تو اس کو مقدم کر دیتے ہیں تثنوی شوق دلانے کے لئے اور یہاں کیسا شوق پیدا  
 ہوتا ہے کلمستان دو کلمے ہیں اور کلمہ سے مراد ہے کلام جیسا کہ ابن عقیل (کتاب کا نام  
 ہے) میں ہے۔ دو کلمے ہیں جو رُحْمَن کو بہت پسند ہیں۔ رُحْمَن سے مراد یہاں اللہ تعالیٰ  
 ہیں یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے رُحْمَن کو ذکر کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں بعض  
 جگہ کہا ہے، اَللّٰہُ کَمَانَ عَفْوَ اَفْرَمَیَا اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ۔ تو وہاں استغفار کی مناسبت  
 سے عفو فرمایا گیا۔ اور یہاں چونکہ اُس کی رحمت کا اثر ہے کہ اتنی سی چیز پر اتنا بڑا ثواب  
 ہے اور یہ اس کی رحمت کا اثر ہے اس لئے رُحْمَن لایا گیا۔ دو کلمے ہیں جو کہ محبوب ہیں  
 رُحْمَن کو، اور وہ زبان پر بڑے آسان ہیں۔ اب شوق پیدا ہو رہا ہے کیا ہیں؟ اور میزان  
 کے اندر بڑے بھاری ہیں یہ شوق پیدا کرنے کے لئے خبر کو مقدم کر دیا اور کہا، کیا ہیں وہ  
 دو لفظ، سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ تو کبھی کبھی خبر جب لمبی ہوتی  
 ہے تو اسے مقدم کر دیتے ہیں اس کی مثال تم نے مختصر المعانی میں پڑھی ہوگی۔

ثَلَاثَةُ تَشْرِيقِ الدُّبَابِ بِهَيْجَتِهَا

شَمْسُ الضُّحَىٰ وَابُو اسْحَقَ وَالْقَمَرُ

لیکن قسطنطینی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث زیادہ مبلغ ہے اُس شعر کو لوگ مبلغ  
 کہتے ہیں یہ حدیث تو مبلغ ہے اس لئے کہ اس حدیث میں زیادہ تثنوی دلائی گئی ہے  
 نسبت اس شعر کے۔ علم بدیع میں مقابلہ آتا ہے تو اس حدیث میں بھی خفیف اور ثقیل کا  
 مقابلہ ہے۔ اور اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ نہیں فرمایا حبیبان لِلرَّحْمٰنِ وَرَدَ

وزن نوٹ جاتا بلکہ کہا حیثیتان الی الرحمن خفیفان علی اللسان۔ یہ  
 خفیفان علی اللسان کو تو صحیح طرح قاری صاحب سمجھ سکتے ہیں میں تو نقل  
 کر دوں گا۔ کہتے ہیں خفیف لسان کا مطلب یہ ہے ان میں حروف لین جمع ہیں اور اس  
 میں حرف ہذت یا استعلاء میں سے کوئی نہیں ہے اس واسطے خفیف ہیں۔ اور یہ میزان  
 عدل کے اندر بہت بھاری ہیں اسی سے ترجمۃ الباب ثابت کیا کہ یہ میزان میں تولے  
 جائیں گے اور یہ میزان کے اندر نقل ہوں گے۔ آج ہمارے لوگ وظیفے پوچھتے رہتے  
 ہیں وظیفے بتاؤ حدیث کے وظیفے اگر لوگ پڑھیں تو زیادہ اثر ہوگا۔ میرے شیخ میرے  
 استاد حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ان کے وظائف میں یہ حدیث بھی  
 داخل ہے، سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ لوگ وظیفوں کی تلاش  
 میں رہتے ہیں اور غیر اسلامی قسم کے وظیفے پڑھتے ہیں کوئی پڑھتا ہے یا شیخ عبدالقادر  
 جیلانی رضی اللہ عنہ پڑھتے نہیں کیا کیا پڑھتے ہیں اس کے بجائے یہ وظیفے جو قرآن و حدیث  
 میں آتے ہیں یہ پڑھیں تو اللہ تعالیٰ آخرت کے اندر بھی ترقی دے گا اور دنیا کے اندر  
 بھی۔ سبحان اللہ۔ اب سبحان کے بارے میں تو آپ نے سلم میں پڑھ لیا ہوگا۔ خود  
 قسطلانی نے بھی اس کے بارے میں بڑے قول نقل کئے ہیں کہ سبحان مصدر ہے ام  
 مصدر وغیرہ سبحان اللہ کا مطلب ہے کہ بندہ تنزیہ کرتا ہے اپنے رب کی کہ اے رب  
 میں تجھ کو تمام ایسی صفات سے جو تیرے لائق نہیں ہے ان سے پاک کرتا ہوں۔  
 انسانوں نے بڑی غلطیاں کی ہیں انسان نے جب بھی اللہ تعالیٰ کو اپنی عقل سے سوچا  
 وحی سے قطع نظر کر کے تو اللہ کے لئے عجیب عجیب چیزیں نکالیں کبھی اولاد نکال لی کبھی  
 بیوی نکال لی کبھی بیٹے نکال لئے کبھی اپنی طرح سمجھ لیا کبھی کہا وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔



وغیرہ وغیرہ۔ انسان نے جب بھی عقل سے سوچا انبیاء کی تعلیمات سے قطع نظر کر کے  
 اللہ کے بارے میں تو اللہ کے بارے میں عجیب عجیب نظریے پیدا ہوئے اس لئے  
 مسلمانوں سے کہا گیا تم ان ساری غلط صفات سے اللہ کو تنزیہ کرو کہ اللہ ان سب صیوب  
 سے پاک ہے۔ سبحان اللہ کے اندر تنزیہ آگئی اور بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی  
 دو صفات ہیں ایک صفات جلال ہیں اور ایک صفات اکرام۔ تبارک اسم ربک  
 ذوالجلال والاکرام۔ تو مطلب یہ ہے کہ یہاں پر بھی دونوں صفات کو جمع کیا ہے  
 ایک صفات تنزیہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کو پاک کرتے ہیں ان چیزوں سے جو اللہ ان کے  
 لائق نہیں ہیں اور پھر تمام تعریفیات اللہ کے لئے ثابت کرتے ہیں اس طرح سبحان اللہ  
 میں تنکیر ہے اور بھگم کے اندر تہلیل ہے۔ جیسا کہ پہلے نفی ہوتی ہے پھر اثبات۔ لا الہ الا  
 اللہ میں بھی ایسے ہی ہے پہلے نفی ہے پھر اثبات۔ اسی طرح سبحان اللہ میں اللہ تعالیٰ کو  
 ایسی تمام صفات سے منزہ کیا جن کا وہ اہل نہیں ہے اور پھر بھگم کے اندر اللہ تعالیٰ کے  
 لئے تمام صفات مجیدہ اور صفات عظیمہ کو ثابت کیا۔ آگے جا کر کہا، سبحان اللہ  
 العظیم۔ اور جب اللہ تعالیٰ تمام صفات ناقصہ سے پاک ہو گیا اور صفات حمیدہ اس  
 میں جمع ہو گئیں تو اس کا نتیجہ کیا نکلتا، سبحان اللہ العظیم۔ یہاں قسطلانی رحمہ اللہ  
 نے عجیب بات کہی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ایک عجیب بات کہی کہ بخاریؒ  
 نے سبحان اللہ و بھگم کے اندر خوف اور رجاء دونوں کو جمع کر دیا۔ سبحان اللہ و بھگم کے  
 اندر رجاء ہے اور یہ ہمیں ایمان رکھنا چاہیئے کہ ہمارا ایمان رجاء اور خوف کے درمیان  
 ہونا چاہیئے آپ کو ایک حدیث یاد دلاؤں حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم  
 ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے اور وہ دنیا سے جابر تھا (یعنی انتقال ہونے والا

تھا۔ ہم بھی مرجائیں گے سب مرجائیں گے لیکن انسان غافل اور بھولا ہوا ہے۔ تو وہ دنیا سے جا رہے تھے تو جوان تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کیف تسجدک؟ اس وقت اپنے اندر کیا محسوس کرتے ہو؟ حضور نے ان کا امتحان لیا۔ انہوں نے کہا، ارجو اللہ و اعاف ذنوبی۔ کہ مجھے اللہ سے بڑی امید ہے لیکن میں اپنے گناہوں سے ڈرتا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو چیزیں ایسی ہیں جس میں یہ جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی رجا دیتا ہے اس کو اس کے خوف سے بچاتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ زندگی کے اندر انسان جب تک جوان رہے تو خوف غالب رہے اور جب مرنے کا وقت آئے تو رجا غالب آئے۔ اس لئے قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہاں بخاری نے دونوں کو جمع کر دیا پہلا جملہ رجا کا ہے سبحان اللہ و بحمہ اور اس کے ساتھ اُس کے سارے محالہ بھی ہیں ساری تعریفیں بھی ہیں۔ اور سبحان اللہ العظیم کے اندر خوف ہے کہ وہ عظمت والا ہے۔ اس لئے خوف ہوتا چاہئے کہ وہ عظمت والا ہے۔ پھر بخاری رحمہ اللہ نے عجیب کمال کیا ہے کہ اپنی کتاب شروع کی ہے انما الاعمال بالنیات سے جس کا مطلب ہے اخلاص۔ اور تمام صوفیاء اور بزرگ بتاتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد ہی اخلاص ہے۔ جن جن لوگوں نے اخلاص سے کام کیا ان کے کاموں کو اللہ نے بڑھایا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا آج دارالعلوم دیوبند بھی باقی ہے اور اس کی برکت سے آج کتنے مدارس پیدا ہو گئے۔ اسی طرح سے اخلاص سے کیا ہوا کام قیامت تک باقی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص عطا فرمائے آمین۔

(اس کے بعد دعا کروادی)

## والدہ محترمہ کے ساتھ حسن سلوک

والدین اولاد کے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہیں ان کے ساتھ صلہ رحمی اور خدمت کرنے کا حکم شریعت نے دیا یہاں تک کہ فرمایا کہ والدین اولاد کے لئے جنت یا جہنم کا دروازہ ہیں ان کی خدمت کر کے جنت کا دروازہ کھلوالے یا ان کو ناراض کر کے جہنم کا دروازہ کھلوالے۔ نیز ایک اور روایت میں ارشاد فرمایا گیا کہ ہلاک ہو جائے وہ شخص جس کے بوڑھے والدین میں سے کوئی ایک زندہ ہو اور پھر وہ ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو سکے۔

بہر حال والدین کی خدمت ہر اولاد کے لئے ایک بے بہا نعمت اور سعادت ہے۔ جہاں حضرت مفتی صاحب کے حصہ میں بہت سی سعادتیں مقدر تھیں وہاں والدہ محترمہ کی خدمت کرنے کی بھی سعادت نصیب ہوئی۔ اس ضمن میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ فرماتے ہیں۔

جناب مفتی صاحب کا ایک لائق رشک امتیازی وصف یہ والدین تھا یہ ناکارہ جب کراہی آیا تو مفتی صاحب یہاں کے صدر مفتی اور شیخ الحدیث تھے اس کے باوجود والدہ ماجدہ کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ اپنا پورا مشاہرہ والدہ ماجدہ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے اور وہ اپنے اس جلیل القدر فرزند کو چار آنے یومیہ پان کے لئے عطا فرماتی تھیں ضعیف العمر والدہ کے ساتھ مفتی صاحب کا یہ حسن سلوک اس دور میں غالباً عدیم الظہیر تھا جو نہایت تواضع اور ادب مع الاکابر سے ناشی ہے۔<sup>(۱)</sup>

## آخری آیام

حضرت مفتی صاحب کو ابتداء میں فالج کا اثر ہوا پھر مرض آہستہ آہستہ بڑھتا ہی گیا قوی پر ضعف غالب آ گیا۔ اور پھر ایک وقت یہ آیا کہ گویائی بھی ختم ہو گئی۔ مگر ان ایام میں نہایت صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا جو بڑے بڑے ہمت والے لوگ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ اسی بیماری کے ایک دن انتہائی ضعف میں بیت الخلاء جاتے وقت اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور گر جانے سے ایک ہاتھ ٹوٹ گیا اور دوسری جگہ پر کچھ زخم آئے کسی نے کچھ غم کا اظہار کیا تو فرمانے لگے اللہ کا بڑا شکر ہے۔ کہ اس نے ہمیشہ صحت میں رکھا آرام سے پوری زندگی گزاری اور دین کے کام کرنے کا موقع دیا اور اللہ کی طرف سے یہ انعام ہوا۔ اللہ کے انعامات کو مزید شمار فرمایا اور پھر فرمایا کہ اگر آج ہاتھ ٹوٹ گیا تو اس میں بھی میں راضی ہوں۔ اللہ جس حال میں رکھے بندے کو راضی رہنا چاہیے۔

اس بیماری کے شروع ایام میں تو کچھ دنوں حضرت مفتی صاحب ہسپتال میں رہے۔ مگر پھر بعد میں گھر میں ہی محدود ہو گئے ان ایام میں کبھی کچھ طبیعت میں افاقہ آ جاتا اور کبھی طبیعت خراب ہو جاتی مگر ایسا نہیں ہو سکا کہ آپ دوبارہ عملی زندگی میں آ سکیں۔

اس بیماری کے بارے میں مفتی عبدالسلام مدظلہ فرماتے ہیں،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند سے بلند درجہ دینے کا ارادہ فرمایا اور مرض فالج کے ذریعہ اس درجہ تک پہنچانے کے لئے آپ کو بیماری میں مبتلا رکھا۔ وقت موعود آنے پر آپ کو صاف ستھرا اور پاک کر کے اپنے پاس بلا لیا۔ بقول شاعر۔

تمہاری یاد آتے ہی نکل پڑتے ہیں آنکھوں سے  
یہ وہ برسات ہے جس کا کوئی موسم نہیں ہوتا

## وفات

۲ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ بمطابق ۳ فروری ۱۹۹۵ء جمعہ کے شب سحری کے  
وقت جب کہ ساڑھے پانچ بجے رہے تھے یہ فقیہ انفس، فقیہ العصر، استاد العلماء،  
محدث جلیل، شیخ الحدیث، مفتی اعظم پاکستان پورے ہی عالم کو سوگوار چھوڑ کر داغ  
مفارت دے گئے۔ "انا لله وانا الیہ راجعون"

بقول شاعر۔

شق ہے ان کے غم سے دل ہر آنکھ غم سے انگبار  
ان کی رحلت سے ہوا ہے سارا عالم سوگوار

غسل اور تکفین و تجہیز کا انتظام:

جس دن حضرت فقیہ العصر استاذ العلماء ولی کامل کا انتقال ہوا تھا۔ اس سے ایک  
دن پہلے ہی یکم رمضان اور ۲ فروری ۱۹۹۵ء کو آپ کو ہسپتال سے گھر لے آیا گیا اور پھر  
دو رمضان جمعہ کے دن صبح سحر کے وقت تقریباً ساڑھے پانچ بجے آپ نے ہمیشہ کے  
لئے آنکھ بند کر لی اور تمام تکالیف سے راحت پالی اور روح پاک روح وریحان و  
جنت نعیم کی بہار دیکھنے کے لئے اہل علم کو جہیم ویکس چھوڑ کر آپ اپنے رفیق اہل سے  
جا ملے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

چراغ بجھا ہے یقین نہیں آتا  
یہ سانحہ بھی ہوا ہے یقین نہیں آتا

علم کا موج مارنے والا سمندر کی آج سطح ٹھہر گئی۔ جس سے عوام اور علماء سب فائدہ اٹھاتے رہے، آج وہ خاموش ہے۔ حافظ ابن قیمؒ کے بقول جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا انتقال ہوا تو ان کے ایک شاگرد نے یہ کہا کہ ہکذا ینذهب العلم۔ کہ اسی طرح دنیا سے علم اٹھ جائے گا۔

حاصل:

حاصل دینے کی سعادت ان کے شاگرد خاص مفتی عبدالسلام چانگامی اور حضرت مفتی صاحب کے خادم خاص مولانا نور الرحمن اور حافظ عبدالقیوم نعمانی وغیرہ نے مل کر سنت کے مطابق دیا جس حاصل میں آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کا لحاظ رکھا گیا۔ مولانا اقبال اللہ اور مولانا تاج الملک صاحب حاصل دینے والوں کی معاونت کر رہے تھے۔

نماز جنازہ:

جیسے ہی آپ کے وصال اور سانحہ ارتحال ہوا تو یہ خبر آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی جس نے ایمان والوں کے دلوں کو اضطراب اور پیمان میں ڈال دیا لوگوں کا سیلاب جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی طرف اٹھ آیا اور جنازہ میں لوگوں کی شرکت بھی اہل حق ہونے کی نشانی میں سے ہے جیسے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے ایک موقع پر فرمایا تھا۔ نَبَتْنا وَ بَيْنَ اَهْلِ بَدْعِ الْخَبَائِثِ.

”اہل بدعت اور ہمارے درمیان فیصلہ کا دن جنازہ کا دن ہوگا۔“

تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ہمیشہ اللہ والوں کے جنازے میں لوگوں کے دل متوجہ ہو جاتے ہیں جیسے امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن تیمیہؒ، حضرت

ابن جوزئی، زمانہ قریب میں علامہ انور شاہ کشمیری، مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الطہیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری، حضرت العصر محمد یوسف بنوری، سابق مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید، وغیرہ وغیرہ، امام احمد کے قول کے مطابق اہل حق کے جنازے کی نشانی یہ ہوتی ہے۔

تو جہاں پر ان مذکورہ حضرات کے جنازے اور اس میں شرکت کرنے والوں کا جب دنیا ذکر کرے گی اس کے ساتھ ساتھ حضرت فقیر العصر مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی ولی صاحب ٹوکی صاحب کا بھی جنازے کا ذکر ہوگا حضرت مفتی صاحب کے جنازے کے تذکرے کے بغیر تاریخ اپنے آپ کو ادھورا ہی تصور کرے گی۔

تدقین:

تدقین کے بارے میں تمام لوگوں کا فیصلہ یہی ہوا کہ آپ کو دارالعلوم کورنگی کے مبارک قبرستان میں دفن کیا جائے کیونکہ آپ کے پرانے تعلقات مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے رہے اور مولانا رفیع عثمانی مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ کو آپ کے شاگرد ہونے کی نسبت بھی حاصل ہے اور آپ نے اپنی عملی زندگی کا سفر بھی اسی دارالعلوم سے کیا تھا اگرچہ وہ موجودہ دارالعلوم اس وقت تا تک واڑہ میں تھا۔

بہر حال جنازہ پہلے پھیل پاڑہ کے گھر سے جلدۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری لایا گیا جہاں پر پہلے سے ہزار با علماء مخلصین معتقدین اور عامۃ الناس انتظار میں تھے وہ سب اس عظیم محدث اور ولی کامل کے جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔

بہر حال جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ناؤن میں نماز جنازہ مولانا  
عبدالرشید نعمانی<sup>(۱)</sup> نے پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ کو دارالعلوم کورنگی لے جایا گیا اور

(۱) مولانا عبدالرشید نعمانی کے مختصر حالات

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ کہیں دھوٹے نہ پائیں گے یہ لوگ  
ولادت: ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۹ ستمبر ۱۹۱۵ء کو ہوئی۔ پرورش اور تربیت خالہ کے یہاں ہوئی کہ  
ان کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے انہوں نے بچپن سے ہی اپنی آنکھوں تربیت میں لے لیا۔  
تعلیم: چار سال، چار ماہ، چار دن کے جب ہوئے تو مہرزگوار حافظ عبدالکریم نے بی بی موصم و حام سے  
کروائی اور انہوں نے تا عمر قرآن اور مولوی اسماعیل میرٹھی کی اردو کی چوتھی کتاب تک پڑھی اور خوش فطری  
بھی ان کے پاس ہی تھیں۔

ابتدائی قاری کے چند اسباق والد صاحب سے پڑھے پھر اس کے بعد تعلیم کے لئے بے پھر میں ملے  
بساطیوں کی مسجد میں مدرسہ انوار محمدی میں داخلہ لیا اور وہاں پر مگنارویستان، کربھامولانا جی سے پڑھی۔ پھر  
۹، ۸ سال کی عمر میں دورانِ انجیری دروازہ مدرسہ تعلیم الاسلام میں جو حضرت مفتی چاہت علی خان شہید کی کا  
تقاضی فاضل پنجاب کا امتحان دینے کی غرض سے داخل ہوئے مگر استعدادت کی زیادہ تھی کہ ساتھ نے حربے  
اہم کتابیں پڑھا کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتی فاضل کے ایک پرستے میں تکام ہوئے اور پھر ۱۹۳۷ء میں  
میران مقصوب پڑھنا شروع کی اور ساتھ میں مفتی کا امتحان بھی دیا جس میں کامیابی حاصل ہوئی۔

اور پھر مدرسہ تعلیم الاسلام بے پھر میں ہی رہ کر کئی کتابیں پڑھیں اور وہاں پر مولانا قادر بخش صاحب سے  
بہت زیادہ فائدہ اٹھایا۔

اسی دوران مولوی، مولوی عالم اور مولوی فاضل مفتی فاضل کے امتحانات بھی پنجاب سے دیتے رہے۔ اس  
کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حضرت شیخ الحدیث علامہ حیدر حسن خان ٹوکی سے بخاری، ترمذی اور  
مقدمہ مسلم پڑھیں۔

۱۹۳۵ء میں دارالعلوم ندوۃ سے فراغت حاصل ہوئی اور پھر ۱۹۳۸ء میں علامہ محمود حسن ٹوکی جو مولانا حیدر  
حسن صاحب کے بڑے بھائی تھے ان کے پاس چار سال رہے جب کہ وہ علم اخصائین کی تصنیف میں



مشغول تھے (جو ساٹھ جلدوں میں انہوں نے لکھی تھی)۔

تدریس: پاکستان بننے کے بعد پاکستان شریف لے آئے اور اس وقت کے مشہور مدرسہ خذوالہ یار میں دو سال تدریس کی۔ اور پھر ۱۹۵۵ء میں علامہ بنوری ٹاؤن شریف لے آئے اور یہاں پم بخاری کے علاوہ تمام کتب پڑھائیں۔ ۱۹۶۳ء سے اور پھر آپ نے جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں علمی خدمات انجام دیں اور پھر آپ علامہ بنوری ٹاؤن شریف لے آئے اور شعبہ تخصص فی الہدیت کے نگران مقرر ہوئے۔ اور آخر میں چند سال مدرسہ عائشہ للہیات میں بخاری شریف بھی پڑھائی۔

تصنیفات: حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی نے کئی تحقیقی کتابیں بھی لکھیں جو اپنی مثال آپ ہیں جن کی فہرست طویل ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) لغات القرآن (اردو) چار جلدوں میں ہے۔

(۲) امام ابن ماجہ اور علم حدیث (اردو)

(۳) کائنات الیہ الخالد لمن ینزل عن سنن ابن ماجہ (عربی)

(۴) اتعلیقات علمی ذب ذیلمات الدراسات (عربی) دو جلدیں

(۵) اتعلیق التوہیم علی مقدمہ کتب التعلیم

فمن رجال جو حدیث کے راویوں کے حالات کا علم ہوتا ہے اس کے اندر آپ کی تکمیر کوئی نہیں رکھتا تھا۔

قد حلیف کے ساتھ آپ کا تعلق محبت کا نہیں بلکہ عشق کا تھا۔ امام ابوحنیفہ کے عاشق اور ان کے مسک کے دامی تھے۔

وفات: دیکھئے والوں کا کہنا یہ ہے کہ انتقال کے بعد آپ کا چہرہ لہایت خوبصورت ہو گیا جس نے دیکھا وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔

یہ محقق وقت ہجرات ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۹۹ء صبح دس بج کر چند منٹ پر اس دار قانی سے رخصت ہو کر وہاں باقی شریف لے گئے۔ اللہ والہ واجعون۔

علم حدیث پاک کا دامن چل بسا جس کا ہر اک عنق تھا عکسائے چل بسا

کیونکہ حضرت مفتی ولی حسن صاحب کے بڑے صاحبزادے نے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی تھی اس لئے دوبارہ دارالعلوم میں جنازے کی نماز ادا ہوئی جو حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب<sup>(۱)</sup> نے پڑھائی جس میں دارالعلوم کے اساتذہ و طلباء کے علاوہ دیگر

(۱) مفتی رفیع عثمانی دامت برکاتہم

نام: محمد رفیع۔ والدہ کا نام: حضرت مولانا مفتی اعظم پاکستان محمد شفیع۔ یہ نام حضرت حکیم الامت محمد اشرف علی تھانوی نے رکھا۔

ولادت: شب جمعہ ۳ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ولید بندہ طبع سہارنپور (اٹلیا) میں پیدا ہوئے۔  
تحصیل علوم: قاعدہ بغداد کی پانچ سال کی عمر میں اپنے والد محترم سے شروع کیا پھر دارالعلوم ولید بندہ کے شعبہ حفظ میں داخل ہوئے مگر ابھی ۱۵ ہی پارے ہوئے تھے کہ پاکستان آنا پڑا کراچی میں ختم قرآن ہوا۔ اس پر دوما مفتی اعظم فلسطین شہید امین الحسینی نے کروائی۔ اور پھر درس لکھائی کی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ اور پھر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں دارالعلوم کو رگی سے فارغ ہوئے۔  
پھر ۱۹۵۹ء میں مناجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان دیا۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں سے مفتی ولی حسن ٹوکی، حضرت مولانا سبحان محمود، حضرت مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا سلیم اللہ خان، مولانا اکبر علی سہارنپوری، مولانا خٹک شامل ہیں۔  
۱۳۹۳ھ میں آپ کو نائب مفتی کا عہدہ بھی دے دیا گیا۔

۱۳۹۵ھ میں آپ نائب صدر بھی مقرر کر دیے گئے۔ پھر والد محترم کے وصال کے بعد سے دارالعلوم کو رگی کے (صدر) عہدہ مقرر کئے گئے اور ابھی تک وہ اس عہدے پر برقرار ہیں۔ اس وقت آپ کا شمار پاکستان کے صف اول کے علماء میں ہوتا ہے۔ اللہ نے آپ کو بے شمار خصوصیات اور کمالات عطا فرمائے ہیں اور اس وقت بھی دینی علمی خدمات میں مشغول ہیں۔

تصانیف: مشغولیت کے ساتھ ساتھ آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں مثلاً: علامات قیامت اور نزول مسیح احکام مذکورہ، یہ حیرے نہ اسرار بندے، رفیق حج، جناب مفتی اعظم، فقہ میں اجماع کا مقام، کتابت خدمت عہد رسالت و عہد صحابہ میں وغیرہ۔

مدارس کے علماء اور وہ لوگ جو پہلے بنوری ٹاؤن جنازے میں شرکت نہیں کر سکے تھے ان سب نے مفتی رفیع عثمانی مدظلہ کی امامت میں نماز جنازہ ادا کی۔

اور پھر جنازہ پڑھنے کے بعد دارالعلوم کورنگی کے احاطہ میں جدید قبرستان کے اندر ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب کو پرہ خاک کر دیا گیا اور ہمیشہ کے لئے حضرت مفتی صاحب عالم اسلام کو آسودہ کر گئے۔

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

آج شیخ الہند کی وہ بات صادق آرہی تھی جو انہوں نے اپنے استاد حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی تدفین کے وقت فرمائی تھی۔

مٹی میں کیا سمجھ کے دفن کرتے ہو دوستو

یہ خزانہ علم ہے خزانہ زر نہیں ہے

کل شیء ہالک الا وجہہ لہ العظیم والیہ ترجعون اللہم اغفر لہ وا  
رحمہ اللہم اجعل قبرہ روضۃ من ریاض الجنۃ۔

اہل عالم آج کیوں چھوٹے بڑے ہیں انگلیار

مرشد کامل ولی رہنما جاتا ہے آج

اور جس طرح جب تابع جلیل حضرت سعید بن جبیرؓ کو حجاج بن یوسف نے شہید کروایا تو اس زمانے کے ایک شیخؒ نے کہا، لقد مات سعید بن جبیر وما علی ظہیر  
الارض احد الا وهو محتاج الی علمہ۔ کہ آج سعید بن جبیرؓ کا انتقال ہوا آج

روئے زمین میں کوئی بھی ایسا آپ نہیں ہے جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو۔ یہی جملہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن کے انتقال کے وقت اہل علم کے زبان پر تھا۔

## انتقال کے بعد

تمام عمر دلاتی رہے گی یاد اس کی  
کچھ اس طرح وہ ہمیں بے قرار کر گیا  
انتقال کے بعد بہت سے لوگوں نے بہت اچھے اچھے خوابات دیکھے۔ یہاں صرف آپ کے شاگرد خاص مفتی عبدالسلام چانگانی کے تین خوابات کو تحریر کیا جاتا ہے۔ پہلا خواب:

انتقال کے ٹھیک ایک ماہ گزرنے کے بعد ۲۲ شوال کو راقم الحروف نے بھگہ دیش سفر کے موقع پر خواب میں دیکھا کہ آپ دارالافتاء میں تشریف لائے ہیں اور دارالافتاء کے جج میں بیٹھے ہیں، کچھ لوگ مسائل پوچھنے آئے ہیں، آپ مسائل کے جوابات دے رہے ہیں راقم اپنی نشست پر بیٹھا بغور آپ کو دیکھ رہا ہے تعجب ہوا کہ آپ تو بیمار تھے اور وفات بھی پا چکے ہیں۔ یہ بات آپ سے کیسے پوچھوں؟ سمجھ میں نہیں آ رہا، جو لوگ مسائل پوچھنے آئے ہیں انھوں نے تحریری جواب کی درخواست کی تو آپ نے انھیں راقم الحروف کے حوالہ کیا، اس دوران اس ناکارو نے ہمت کر کے پوچھا کہ حضرت آپ تو بیمار تھے اور دنیا سے چلے گئے تھے پھر یہاں کیسے تشریف لائے ہیں آپ نے فرمایا ہاں بھائی وہ ایک امتحان تھا الحمد للہ ہو گیا بس آپ ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے۔ یہ خواب آپ کے اچھے حال پر ہونے کی دلیل بھی ہے اور اس طرف

بھی اشارہ ہے کہ آپ کے علمی و روحانی فیوض تا حال جاری و ساری ہیں۔ بقول شاعر۔  
 آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو  
 گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

### دوسرا خواب:

۲۲ ربی الحجہ ۱۴۱۵ھ کو دیکھا کہ آپ دارالافتاء میں تشریف لائے سفید لباس میں  
 تھے جو دھلے ہوئے اور صاف سترے تھے، اپنی نشست میں تشریف فرما ہوئے اور مجھ  
 سے (مفتی عبدالسلام سے) مخاطب ہو کر فرمایا ایک مضمون لکھتا ہے، اس کے لئے  
 کتابیں چاہئیں، میں نے عرض کیا آپ لکھ کر کے دیں کوئی کوئی کتابوں کی ضرورت  
 ہے؟ بندہ لا کر دے گا۔ آپ نے ایک پرچی میں چند کتابوں کا نام لکھ کر مجھے دئے، میں  
 نے پرچی میں دیکھا کہ اس میں فتح القدیر، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف اور کچھ کتابوں  
 کے نام بھی تھے، پڑھ کر اسکا صرف تین کتابوں کے نام پڑھ سکا۔ اسی خواب میں دیکھا کہ  
 ایک طالب نے دارالافتاء کے حج میں پانی گرایا پھر اس کو خشک کیا اور جب قالین کو خشک  
 کرنے سے فارغ ہوا تو دیکھا تو مفتی صاحب جا رہے ہیں، پھر میں بیدار ہو گیا۔

### تیسرا خواب:

۲۳ محرم الرام ۱۴۱۶ھ کو دیکھا کہ آپ ترمذی شریف کا درس دے کر دارالافتاء  
 تشریف لائے۔ پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئے میں آپ کے سامنے بیٹھا، آپ نے اپنے  
 پاؤں کو سمیٹ لیا اور مصافحہ کیا اور فرمایا اپنا کام کرو میں تھکا ہوا ہوں، میں نے پاؤں دبا  
 دینے کا عرض کیا وہ اشارہ سے منع فرمایا پھر خواب سے بیدار ہو گیا۔ ان تمام خوابوں  
 کے نتیجے میں بندہ نے یہ سمجھا کہ آپ کا فیض و عرفان اب بھی جاری ہے۔ اس وقت

سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں علماء و فضلاء اطراف عالم میں بکھرے ہیں جو ہر وقت گرانقدر خدمات انجام دے رہے ہیں جو حضرت مفتی صاحب کا صدقہ جاریہ فیضان ہے۔ بقول شاعر۔

چاہا خدا نے تری محفل کا رہے چراغ  
یونہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا  
اولاد

حضرت مفتی صاحب کو اللہ نے چھ صاحبزادوں اور دو صاحبزادیوں سے نوازا تھا۔ چھ صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

(۱) ڈاکٹر محمود حسن عباسی شہید، جامشورو۔

(۲) ڈاکٹر مسعود حسن، ساؤتھ افریقہ۔

(۳) ڈاکٹر حماد حسن، ڈاکٹر میڈیکل کالج۔

(۴) حضرت مولانا سجاد حسن صاحب، بنوری ٹاؤن، جامعہ ابوحنیفہ نیچر سلطان، جامعہ امداد العلوم، جامعہ بنوریہ۔ آج کل امداد العلوم پاپوش میں شیخ الحدیث ہیں۔

(۵) جناب جواد حسن، MCS, Karachi University, DJ College, Binoria Town.

(۶) جناب فیاض حسن، Inter.

صاحبزادیوں کے نام یہ ہیں:

(۱) سب سے چھوٹی، Inter (Private).

(۲) حافظہ، M.A Islamiat (Private)، اقراء کالج ضیاء الدین کی پرنسپل۔

## حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹوکی ایک نظر میں

نام: ولی حسن بن مفتی انوار الحسن خان  
لقب: مفتی اعظم پاکستان، فقید العصر۔

تاریخ ولادت: 1924

مقام پیدائش: ٹوکی (انڈیا)

آپ ایک علمی خاندان میں پیدا ہوئے آپ کے والد، دادا، پردادا سب ہی عالم دین تھے۔  
ابتدائی تعلیم: والد صاحب سے اور پھر ندوۃ العلماء میں چار سال پڑھا۔

۱۳۶۰ھ مظاہر العلوم سہارن پور میں داخلہ لیا۔

۱۳۶۲ھ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور دو سال پڑھنے کے بعد فراغت حاصل کی۔  
نکاح: ۱۹۵۱ء میں ہوا۔

۱۹۵۱ء میٹروپولیٹن ہائی اسکول میں پڑھایا۔

۱۹۵۲ء مدرسہ ادا العلوم میں تدریس کی۔

۱۹۵۱ء تاک وائرہ میں تدریس کی۔

۱۹۵۶ء جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریہ ٹاؤن میں تدریس شروع کی۔

۱۹۷۷ء بخاری شریف کا درس دینا شروع کیا۔

۱۹۸۱ء میں شیخ الحدیث مولانا زکریا سے بیعت ہوئے۔

۱۹۸۳ء میں مساجد کے بارے میں تاریخی فتویٰ دیا۔

۱۹۸۳ء مفتی اعظم پاکستان کا لقب ملا۔

۱۹۸۹ء قالج کا حلقہ ہوا۔

وفات: ۳ فروری ۱۹۹۵ء مطابق ۲ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ۔

مدفین: قبرستان دارالعلوم کورنگی۔

## منظوم خراج عقیدت

حضرت مولانا مفتی رضاء الحق دامت برکاتہم  
استاد الحدیث و مفتی دارالعلوم زکریا جنوبی افریقہ کا اعلیٰ تہذیبی

قصیدۃ فی رتاء الشفیع مولانا المفتی ولی حسن  
التونکی الکراتشوی رحمہ اللہ تعالیٰ

رزبة لزلت لالقلب بکاء بلیة فی بلایا العصر عمیاء  
"ایک بہت بڑا حادثہ پیش آیا جس نے دل کو رولایا، یہ زمانے کی مصیبتوں میں  
ایک اندھی مصیبت ہے۔"

ملمة زلزلت اقدام ساهرة فجیعة وقعت لالعین عبراء  
"اس حادثہ قابض نے زمین کے پاؤں کو متزلزل کر دیا، اس دردناک واقعہ کی وجہ  
سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔"

مات الولی فبکی الیوم جامعة تنزلت من وفاة الشیخ غبراء  
"حضرت مفتی ولی حسن وفات پا گئے آج جامعہ بنوری ٹاؤن بکا میں ڈوبا ہے  
حضرت کی وفات سے زمین والوں پر زلزلہ طاری ہوا۔"

خطب السم باهل العلم قاطبة فالارض والبحر والاطواد حسراء  
"یہ سانحہ عظیم تمام اہل علم پر قیامت بن کر گرا، اسی لئے زمین، سمندر، پہاڑ سب  
افسوس میں ڈوبے ہوئے ہیں۔"



ونكبة من رزايا الدهر قارعة      فالعين حقا من الاشجان عشواء  
 ”مصائب دہر میں سے ایک مہلک مصیبت آپڑی، اس لئے آنکھیں پریشانی  
 کی وجہ سے تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہیں۔“

ارلی ولا صبر مولانا ولی حسنا      وکان کالنور فی القیضان داماء  
 ”میں حضرت مفتی ولی حسن کا مرثیہ ایسے وقت میں لکھ رہا ہوں کہ صبر رخت ستر  
 باندھ چکا، وہ ہمارے لئے مینارہ اور علوم دینیہ میں مثل سمندر تھے۔“

قدمات احمد وحنن فالحجنا      مصیبة هذه من بعد دھیاء  
 ”آپ سے پہلے مفتی احمد الرحمنؒ ہم کو غمزدہ کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے، یہ اس  
 مصیبت کے بعد ایک گہری اور بھیاں تک مصیبت ہے۔“

سر الزمان انسا مر توبہ بہ      والان یسکون حزنا جاء ضراء  
 ”زمانے نے لوگوں کو ان کی حیات سے سرور کیا کیونکہ لوگ ان کی ذات سے  
 سیراب ہوتے رہے اب ان کی وفات سے مصیبت زدہ اور جملائے غم ہیں۔“

صارت قلوب رجال العلماء کبد      کسان روضة ورد العلم بیداء  
 ”اہل علم کے دل ان کی وفات سے مصیبت و درد میں جتنا ہیں علم کے گلاب کا  
 باغ ہے آب و گیاہ صحران بن گیا۔“

الماد علما و درسا لا نظیر له      دروسه فی علوم الشرع علیاء  
 ”آپ بہت انوکھے انداز سے علوم کے موتیوں کو نکھیرتے رہے، علوم دینیہ میں  
 ان کی تدریس بلند یوں کو چھوری تھی۔“

طریقہ عند اہل الفہم منکر طریقہ فی وعاء الدھر غراء  
 ”ان کا طریقہ تعلیم طلبہ کرام کے لئے الیذا تھا اس تاریک زمانے میں ان کا طریقہ  
 پتلا اور روشن تھا۔“

فضوء فتوہ فی الارضین منتشر تنورت من بدور الفہم صحراء  
 ”ان کے فتاویٰ کی ضیا پاشیوں سے زمین کا گوشہ گوشہ منور ہے ان کے علم کے  
 بدرکامل سے صحراء و بیابان جگمگا اٹھے۔“

مشالٰخ العلم احباب لحضرونہ اعداء ملسا للشیخ اعداء  
 ”مشائخ کرام سے حضرت مرحوم کے دوستانہ تعلقات تھے مگر ملت اسلامیہ کے  
 غداروں کو گوارہ نہیں کر سکتے تھے۔“

دو بسد منہلہ والشیخ مرشدہ لقلیہ من نمیر الشیخ الفاء  
 ”دیوبند کے چشمہ علم سے سیراب اور حضرت شیخ زکریا کی اصلاح بالطنی سے  
 مستفید تھے اور شیخ کے سلوک و احسان کے صاف پانی سے ان کا دل دھلا ہوا تھا۔“  
 وجودہ کان مثل البدر فی ملک کسانہ فی ظلام اللیل اصواء  
 ”وہ زمین میں ایسے تھے جیسے آسمان میں چودھریں کا چاند، وہ جہالت کی  
 تاریکیوں میں روشنیوں کا مجموعہ تھے۔“

لسم الصریۃ فی علم و فی عمل یروی الغلیل فاعطاء وارواء  
 ”علم و عمل کے صحرا و درووں کے ہاں ان کی فضیلت مسلم تھی ان کی تو زندگی ہی بادہ  
 معرفت کے پینے پلانے میں گزری۔“

دثارہ طول عمر قال حدثنا بذل السعادية في التدريس ميماء  
 ”پوری زندگی علم حدیث کا مشغلہ ان کا اوڑھنا بچھونا تھا تدریس میں پوری کوشش  
 اور مطالعہ کے ساتھ پڑھانا ان کا شعار تھا۔“

درس الحديث طوال العمر خص به فعلمه البحر والافتاء  
 ”علم حدیث کی تدریس پوری زندگی ان کے ساتھ مخصوص رہی۔ ان کا علم سمندر  
 اور فتاویٰ لا جواب ہوتے تھے۔“

شعاره حب اهل العلم قاطبة شواهد عند ناظمي ذاك بيضاء  
 ”سب اہل علم سے محبت اور تعلق ان کا شعار اور خاص مقصد تھا ہمارے پاس اس  
 کے واضح دلائل و شواہد موجود ہیں۔“

ولكن العلم تحقيقاً ودققه امثاله في قريب العهد ماجالوا  
 ”علوم کی تدریس و تلقین بہت تحقیق و تدقیق کے ساتھ کیا کرتے، زمانہ قریب  
 میں ان کی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔“

سمت و علم و اخلاق و مرتبة عليه فكان الشيخ جوزاء  
 ”آپ حسن سیرت، علم، بلند اخلاق اور اونچے مرتبے پر فائز تھے جیسے حضرت  
 مرحوم برج جواز کی بلند یوں میں مقیم ہوں۔“

جبراً و بحرأً نقياً مازحاً طلقاً فعنده الضر والياساء مرء  
 ”نیک، عالم، متقی، سمندر جیسے خوش مزاج اور ہنس مکھ تھے ان کے نزدیک تکلیف  
 اور مصیبت خوشی کی طرح تھے۔“

شیخاً و جبراً ہما مقدوہ علماً هو المسمى و هذا الكل اسماء  
 ”آپ شیخ کامل، نیک سیرت، عالم، رہنما مقتدا عالی ہمت تھے آپ ان اسماء  
 سے موسوم اور ان صفات سے متصف تھے۔“

لا تزعمن بان تحصی محاسنه ذکرک لبذا وقد فانتک اشياء  
 ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ان کی صفات گنتی میں آ سکتی ہیں؟ یہ خیال درست نہیں تم  
 نے تو بے شمار صفات سے چند ہی کا ذکر کیا۔“

تعلو شمائلہ تنو فضائلہ تبقی مناهلہ مادام حضراء  
 ”ان کے اخلاق طیبہ لا جواب اور فضائل روز افزون تھے ان یک علوم کے  
 سرچشمے تابدا انشاء اللہ باقی رہیں گے۔“

افیت عمرک فی بث العلوم وقد علمت ان فناء المرء ابقاء  
 ”آپ نے علوم کی شراشات میں عرم کے لمحات صرف فرمائے آپ پر یہ بات  
 واضح تھی کہ بھاکار از فنا میں مضمحل ہے۔“

ما فوته ثلثة فی السند قد وقعت فیہذہ لیلة للکل لبلاء  
 ”ان کی وفات کی مصیبت صرف سندہ میں نہیں ٹوٹی بلکہ یہ اندھیری رات ہے جو  
 سب کے لئے برابر ہے۔“

فالناس فی جذب والعلم فی سلب والفصل فی نهب والارض جدهاء  
 ”اب لوگ علمی قحط سالی میں پڑ گئے اور علمی دولت چھین گئی اور فضیلت کا خزانہ لٹ  
 گیا اور زمین خشک سالی کا شکار ہوئی۔“

تبقى مفاخره نوعی مآثره لم تختلف في نبوغ الشيخ آراء  
 "ان کے عمدہ اور قابلِ فخر کارنامے رہتی دنیا تک قائم رہیں گے حضرت شیخ کی  
 عظمت پر آراء متفق ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔"

ادخله ربی فی الجنات مكرمة بما غافروا يوم يسرى الجسم حواء  
 "اے رب کریم عزت کے ساتھ ان کو جنت میں داخل فرما اور جس دن روح  
 جس میں سرایت کرتی ہے ان کی مغفرت فرما۔"

واغفر لولته من نفسه صلوات و ارزقه ما فيه الثمار وآلاء  
 "اے اللہ جو ان پر شہیں ان کی ذات سے صادر ہو ہمیں ان کی مغفرت اور بے حساب  
 پھلوں اور عظیم نعمتوں والی جنتیں انھیں نصیب فرما۔"



جامعہ بنوری ناٹن کے دارالحدیث کا منظر درجن تپے اور حدیث دیتے رہے۔



دارالحدیث کے رآمد بنک روٹی منظر۔



جامعہ بنوری ناٹن کے دارالحدیث کا منظر درجن تپے اور حدیث دیتے رہے۔  
ماہنامہ کی بنی ہے۔



جامعہ علوم اسلامیہ بنوریہ مئذون کا منظر چباز حضرت بنوری کے مکتب سے آپت شریف لائے۔



جامعہ علوم اسلامیہ کے دارالحدیث کا اندرونی منظر۔

